حصہ دوم

2

پیش لفظ

قرآن وسنت پر صحیح عمل کے لیے ان کا صحیح فہم بہت ضروری ہے، جو اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب ہر طرح کے تعصب، وتنگ نظری سے دور ہوکر انھیں پڑھا جائے، ہر قسم کے فقہی ومسلکی تحزب، عجمی آلودگی اور تقلید جامد سے آزاد ہوکر ان کا مطالعہ کیا جائے، امت کے ۱۴ سو سالہ فکری، علمی، عقلی اور فقہی سرمایہ سے پورا استفادہ تو کیا جائے لیکن حرف آخر کسی کو تسلیم نہ کیا جائے، بلکہ ان تمام چیزوں کو انسانی اجتہاد اور کوشش قرار دیکر ان میں خطا وصواب کا احتمال سمجھا جائے۔ ایسا تحقیقی عمل ہی درست ہوسکتا ہے اور امت کے سامنے مفید ومثمر نتائج پیش کرسکتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آج امت میں تحقیق وریسرچ کے کام تو بہت ہورہے ہیں لیکن ان میں سے بیشتر کسی نہ کسی عقائدی فکری یا سیاسی مکتب فکر کے تابع ہیں اور بسا اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے تحقیقی کام میں پہلے ہی سے ایسے نتائج فرض کرکے جو ان کے فکر وعقیدہ میں معاون ہوں اس کام کو کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ایسے میں غیر جانبداریت ہاتھ سے جاتے رہنے کی وجہ سے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تحقیقی کام کی افادیت کم اور دائرہ کا اثر محدود ہو جاتا ہے۔

موتیوں اور جواہر پاروں میں اگر کچھ خزف ریزے اور کنکر شامل ہوجائیں تو یہ کنکر تو جواہر کبھی نہ بن سکیں گے البتہ موتیوں کی چمک دمک اور قیمت وعظمت ضرور گھٹ جائے گی، اس لیے ان کی قیمت وعظمت کا تقاضا یہی ہے کہ کنکریوں اور ٹھیکروں کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کردیا جائے نہ کہ الٹا ان کو موتی ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ حدیث رسول جو قرآن کے بعد دوسرا ماخذ ہے، کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا کہ اس میں موتیوں کے ساتھ ہی کچھ خزف ریزے بھی شامل ہوگئے ہمارے محدثین کرام۔ نے اس سلسلہ میں صحیح اور غلط کو چھانٹنے کے لیے بڑی محنتیں کیں رجال کا دفتر مرتب کیا تعدیل حدیث کے اصول وضوابط متعین کیے، اور اس طرح ایک عملی مثال قائم کردی کہ تحقیق کا سفر کیسے جاری رکھا جائے۔ ان کے راستہ کو اختیار کرکے ہم صحیح غلط میں تمیز کرسکتے تھے لیکن افسوس کہ دور زوال میں جو کئی صدیوں سے چل رہا ہے، اس علمی طریقہ کی کماحقہ پیروی نہ کی جاسکی جس کی وجہ سے کتنی ہی بے سروپا اور غلط روایتیں ہماری معتبر ترین کتابوں میں جگہ پاگئیں۔ ان کتابوں میں بخاری مسلم اپنی ممتاز خصوصیات کی بنا پر انتہائی اہمیت وعظمت کی حامل ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ ومسلمؒ نے تحقیق وتنقید کی اعلیٰ مثال قائم کی تھی اور اس معاملہ میں دوسرا کوئی محدث اور امام ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ تاہم علمی جلالت قدر کے باوجود وہ دونوں بھی بشر ہی تھے اور بشری کام خطاء ونسیان سے پاک نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے اندر بھی کمزور چیزیں پائی جاتی ہیں جن میں بہت سی روایات ایسی بھی ہیں کہ جو قرآن کے فہم میں غلطیاں اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی موجب بنتی ہیں۔ بخاری ومسلم نے کبھی ایسی بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی تحقیق آخری ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں ہوسکتا اور امت نے بھی عمومی تلقی بالقبول کے باوصف ان میں غلطی اور خطاء کا احتمال تسلیم کیا ہے بلکہ بعض محدثین جیسے دارقطنی نے ان کی متعدد احادیث پر کلام بھی کیا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود امت کے ایک بڑے طبقہ میں بخاری ومسلم کے تعلق سے بڑا غلو پایا جاتا ہے۔ اور اس غلو کی وجہ سے امت میں علمی وتحقیقی جمود وبحران موجود ہے۔ کچھ لوگ تحقیق کے نام پر صاف صاف انکار حدیث کی وادی میں جاپہنچتے ہیں اور کچھ جمود وتعطل اور ذہنی تحفظات کے ایسے شکار ہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب

اللہ کی بھول بھلیوں میں گم ہیں، مشکل یہ ہے کہ ان کتابوں میں پائی جانے والی متعدد غلط روایتوں کے باعث کتنے غلط تصورات امت میں پھیلے ہوئے ہیں اور کتنی ہی آیات قرآنیہ کے صحیح مفہوم پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ سچ ہے کہ ؎

یہ امت روایات میں کھو گئی حقیقت خرافات میں کھو گئی

اس لیے شدید ضرورت ہے کہ افراط و تفریط سے ہٹ کر راہ اعتدال اپنائی جائے۔ امت میں تقلید و جمود کی فضا ٹوٹے اور تحقیق و اجتہاد کا سفر دوبارہ جاری ہو۔ خوش آیند بات یہ ہے کہ اب اس سلسلہ میں بیداری پیدا ہو رہی ہے جو کتاب ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں وہ بھی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو علامہ شبیر احمد ازہری میرٹھی کے گہربار قلم کا رہین منت ہے۔ قحط الرجال کے اس زمانے میں ان کی ذات آیۃ من آیات اللہ ہے، اللہ نے موصوف کو قرآن و حدیث اور متعلقہ علوم میں امامت و اجتہاد کے درجہ پر فائز کیا ہے۔ ان کی پوری زندگی ورع و تقویٰ، احسان وسلوک اور فقر و زہد کا نمونہ رہی ہے، اسی سبب سے پروپیگنڈہ اور اشتہار بازی کے اس دور میں آپ کی شاہ کار تحریریں، جو تحقیق و اجتہاد کا منہ ثبوت ہیں، ابھی تک الماریوں میں بند ہیں اور مسودات کی شکل میں پڑی ہوئی ہیں کئی اہم مسودات حودث کی نظر ہو گئے ہیں۔ قرآن پاک کے بعد حدیث نبوی علی صاحبہ الف الف تحیہ وسلام بھی نوجوانی سے آپ کا اوڑھنا بچھونا رہی ہے، تفسیر قرآن کے بعد، جس میں تفسیری روایات پر انتہائی اہم اور نفیس تحقیقات ہیں آپ نے مؤطا امام مالک، مسند احمد بن حنبل اور بخاری و مسلم پر علمی تحقیقی اور تشریحی کام کیا ہے، گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح تقریباً پورے ذخیرۂ حدیث پر آپ نے تنقیدی و تحقیقی نظر ڈالی ہے۔ اور اس کے لئے رجال کے دفتر کھنگالے ہیں، تقلید جامد اور مسلکی اور جماعتی تعصبات سے اوپر اٹھ کر آپ نے یہ فرض انجام دیا ہے اور خدا کی توفیق سے حدیث پر آپ کے ذریعہ اتنا عظیم کام ہوا ہے کہ گزشتہ دو صدیوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس میں شک نہیں کہ عہد حاضر میں عالم عرب میں اور خود برصغیر میں بھی کتب حدیث کے تحشیہ اور تعلیق، تخریج اور ترجمے و اشاعت سے متعلق بڑا کام ہوا ہے، مستشرقین کے طرز پر معیاری تشریحی انڈیکس اور اشاریے تیار کیے گئے ہیں، لیکن آپ کے کاموں کی نوعیت صحیح و ضعیف حدیثوں کی چھان پھٹک اور امہات کتب حدیث و تفسیر میں جا بجا پائی غلط موضوع اور باطل روایتوں کی رولیۂ اور ورلیۂ تحقیق اور صحیح و ضعیف کی تمیز ہے اور یہ کام بغیر کسی جماعتی اور مسلکی عصبیت اور جانبداری کے انجام دیا گیا ہے۔ "حق حق ہے خواہ کہیں بھی ہو اور باطل باطل ہے خواہ اس کا مصدر کچھ بھی ہو"، یہ آپ کا اصل الاصول رہا ہے پھر یہ سارا کام تنقیح حدیث، نقد رجال اور تحقیق رواۃ کے مسلمہ اصول و ضوابط کی روشنی میں ہی انجام دیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ کے اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کو جو قرآن و سنت کے علاوہ تاریخ اسلامی کے بعض اہم پہلوؤں تک کو محیط ہے عصری معیار کے مطابق زیور طباعت سے آراستہ کر کے منظر عام پر لایا جائے اور اس کے لئے ایک بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے جو افسوس کہ مہیا نہیں۔

فاؤنڈیشن آف اسلامک اسٹڈیز ایک پرائیویٹ ادارہ ہے جسے سرکاری یا غیر سرکاری کوئی امداد نہیں ملتی، ادارہ نے علامہ کے مذکورہ علمی کاموں کی بتدریج اشاعت کا ایک منصوبہ بنایا ہے، جس کی تکمیل کے لئے زبردست مالی تعاون درکار ہے۔ یہ منصوبہ خراج تحسین نہیں چاہتا بلکہ مالی وسائل کا تقاضا کرتا ہے۔ ادارہ کی طرف سے صحیح بخاری کا مطالعہ حصہ اول (قسط دوم) پیش کیا جا رہا ہے اس میں ۱۰۰ سے زائد احادیث پر کلام کیا گیا ہے اس جزء کی قسط اول اس سے پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اہل علم سے اس سلسلہ میں خصوصی توجہ کی درخواست ہے، اس بارے میں ان کے مشوروں اور قیمتی آراء کا استقبال کیا جائے گا۔

(ڈائرکٹر فاؤنڈیشن آف اسلامک اسٹڈیز)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) ابن صیاد کی کہانی

کتب حدیث میں ابن صیاد کے متعلق جو روایات آئی ہیں انہیں زیر بحث لانے سے پہلے میں ناظرین کو اس کی حقیقت سے آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں یہود کے تین خاندان آباد تھے۔ نضیر یہودی کی اولاد، قریظہ یہودی کی اولاد، قینقاع یہودی کی اولاد بنی نضیر اور بنی قریظہ تو یثرب یعنی مدینہ منورہ سے فاصلہ پر رہتے تھے اور بنی قینقاع وسط یثرب میں سکونت پذیر تھے۔ تینوں قبیلوں میں سے مکار و شریر یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ کی دعوتِ حق کو بے اثر کر دینے کی جو کھلی اور چھپی کوششیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے بنی قینقاع میں سے ایک سمجھ دار نابالغ بے حیا و بے ادب لڑکے کو جس کا نام عبداللہ تھا نبوت کا ڈھونگ رچانے کے لیے منتخب کیا۔ اس لڑکے کے باپ کو صائد اور صیاد کہا جاتا تھا۔ اس لڑکے کو انہوں نے گنگنانے کے لیے کچھ بے معنی پڑھنت سکھائے تاکہ دیکھنے سننے والوں کا یہ تاثر قائم ہو کہ یہ لڑکا کسی نظر نہ آنے والی ہستی سے باتیں کر رہا ہے۔ اور ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کے گھروں سے مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر مختلف جگہوں میں چھپا دیتے اور لڑکے کو بتا دیتے کہ فلاں شخص کی فلاں چیز فلاں جگہ ہے پھر تلاش کرنے والوں سے کہہ دیتے کہ صیاد کے بیٹے سے جا کر پوچھ لو۔ اس پر وحی اترتی ہے اور اسے غیب کی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔ ابنِ صیاد ایک ایک کو بتا دیتا کہ تیری چیز فلاں جگہ ہے۔ اس طرح مکار یہودیوں نے یثرب میں شہرت کر دی کہ ابن صیاد کے پاس اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور ہر شخص کو اس کے پاس اپنی مشکل کا حل مل سکتا ہے۔ لیکن آسمانِ حق کے نیچے باطل کا یہ خیمہ برپا نہ ہو سکا دیگر کوششوں کی طرح یہود اس خبیث کوشش میں بھی بری طرح ناکام ہوئے نہ باشندگانِ یثرب میں سے کوئی ابنِ صیاد کا معتقد ہوا۔ نہ نواحِ یثرب میں رہنے والے اعراب میں سے کسی نے اسے گھاس ڈالی۔ پھر جلد ہی ابن صیاد کو

غزوۂ بدر کے بعد اپنے خاندان بنی قینقاع کے ساتھ مدینہ سے جلا وطن ہونا پڑا ان میں سے کچھ لوگ تو خیبر جا بسے تھے اور کچھ ملک شام چلے گئے تھے۔ معلوم نہیں کہ ابنِ صیاد کون سے گروہ کے ساتھ تھا۔ حضور اکرم ﷺ پھر خلفائے ثلاثہ ابوبکر و عمر و عثمانؓ کے عہد میں مدینہ نہیں آیا۔ حضرت عثمان کے بعد مدینہ آ کر رہا۔ اور وہ اب ایک مسلمان تھا۔ معلوم نہیں کہ کب اور کہاں مشرف بہ اسلام ہوا۔ مدینہ منورہ میں ہی حضرت معاویہؓ کے جانشین و فرزند یزید کے عہد میں اس کا انتقال ہوا۔ اس اسلامی و مدنی زندگی میں ابن صیاد سے کوئی خلافِ شرع قول یا عمل صادر ہونا ثابت نہیں۔ وہ اس خونخوار فتنہ مواج سے بھی قطعاً کنارہ کش رہا جس کی خوفناک لہروں نے ہزاروں مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ کر ڈالا تھا۔

یہ ہے یہودی زادہ عبداللہ ابن صیاد جو اپنی نوعمری میں یقیناً ایک فتنہ تھا جسے مکار و شریر یہودیوں نے مدینہ میں برپا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن عقل و بلوغ کے بعد اس نے کہیں لوگوں کو الو بنانے کی بے ہودہ حرکت نہیں کی پھر توفیق حق نے اس کی دستگیری فرمائی اور مدینے میں ایک شریف و صالح مسلمان کی حیثیت سے اسے خاتمہ نصیب ہوا۔

لیکن تابعین کے عہد میں بہت سے شقی و دروغ باف و خدا ناترس روایت پیشہ اشخاص نمودار ہو گئے جنہیں حدیثیں گھڑنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر افترا پردازی میں کوئی باک نہ تھا۔ انہوں نے بزرگوں سے ابن صیاد کی وہ حرکتیں سنیں جو نوعمری میں اس سے سرزد ہو گئی تھیں۔ پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخر زمانہ میں ہونے والے فتنہ دجال کے متعلق تنبیہات فرمائی ہیں اور بعد نماز ہونے والی دعاؤں میں سے آپ کی دعا یہ بھی ہوتی تھی۔ اللھم انی اعوذبک من فتنة المسیح الدجال. بنابریں ان دروغ باف راویوں کو شیطان نے یہ پٹی پڑھائی کہ ایسی حدیثیں گھڑی جائیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہے۔ پس کسی نے حضرت ابوذر غفاری، کسی نے حضرت ابوبکرہ ثقفی، کسی نے حضرت ابوسعید الخذری، کسی نے حضرت جابر، کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر، کسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف نسبت کر کے یہ حدیثیں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلانے کا جرم کمایا۔ کتب حدیث تالیف کرنے والے

محدثین نے ان جھوٹی حدیثوں کو کتب حدیث میں ثبت کر دیا حتی کہ امام بخاری و امام مسلم بھی ان میں سے بعض حدیثیں درج صحیح فرما گئے۔

تحقیق حق و ابطالِ باطل کی غرض سے میں ان حدیثوں میں سے ایک ایک حدیث کی حقیقت سے بندگانِ خدا کو روایت و درایت کے مسلمہ اصول و ضوابط کے تحت آ گاہ کر دینا چاہتا ہوں۔

إن اريد الا الاصلاح ما استطعت و ما توفيقي الا بالله. عليه توكلت و اليه أنيب

---

(۱) ابن صیاد کے متعلق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث

اس کی تخریج امام احمد بن حنبل نے کی ہے۔

﴿حدثنا عفان ثنا عبد الواحد بن زياد ثنا الحارث بن حَصِيرة ثنا زيد بن وهب قال قال ابوذر لان احلف عشر مرار ان ابن صائد هو الدجال احب الي من ان احلف مرة واحدة انه ليس به قال و كان رسول الله ﷺ بعثني الى امه قال سلها كم حملت به. قال فاتيتها فسالتها فقالت حملت به اثني عشر شهرا قال ثم ارسلني اليها فقال سلها عن صيحته حين وقع. فسألتها فقالت صاح صيحة الصبي ابن شهر ـ ثم قال له رسول الله ﷺ اني قد خبأت لك خبأ. قال قد خبأت لي خطم شاة عفراء و الدخ ـ قال اراد ان يقول الدخان فلم يستطع فقال الدخ الدخ فقال رسول الله ﷺ اخسأ فلن تعدو قدرك.﴾

(مسند احمد ۵ / ص ۱۴۸)

ترجمہ۔ ہم سے عفان نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالواحد بن زیاد نے بیان کیا کہ ہم سے حارث بن حصیرہ نے بیان کیا کہ ہم سے زید بن وھب نے بیان کیا کہ ابوذرؓ غفاری نے (ابن صیاد کا ذکر کرتے ہوئے) کہا میں دس بار قسم کھا کر کہوں کہ ابن صیاد ہی دجال ہے مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ایک بار قسم کھا کر کہوں کہ وہ دجال نہیں ہے۔ ابوذر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی ماں کے پاس یہ

پوچھنے کے لیے بھیجا تھا کہ وہ کتنی مدت حمل میں رہا۔ اس کی ماں نے بتایا کہ بارہ مہینے (یعنی ایک سال) پھر آپ نے مجھے دوبارہ اس کے پاس بھیجا یہ پوچھنے کے لیے کہ پیدا ہوتے وقت اس کی چیخ کیسی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ زور سے چلایا تھا جیسے ایک ماہ کا بچہ چلاتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے ملاقات کر کے فرمایا کہ (سنا ہے کہ تو دل میں چھپی باتیں بتا دیتا ہے) میں نے تجھ سے معلوم کرنے کے لیے ایک بات دل میں چھپائی ہے۔ (بتا وہ کیا ہے) بولا کہ تو نے ایک خاکستری رنگ کی بکری کے گلے کی رسی اور درخ کو چھپایا ہے۔ ابوذر نے کہا کہ وہ دخان کہنا چاہتا تھا مگر نہ کہہ سکا بس دخ دخ کہہ کے رہ گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دور ہو تو اپنے (گھٹیا) درجہ سے آگے نہ بڑھ سکے گا (جتنا ہے اتنا ہی رہے گا)۔

شروع سے آخر تک اس روایت کا مضمون جھوٹ ہی جھوٹ ہے اسے حارث بن حصیرہ ازدی کوفی نے گھڑا تھا۔ یہ شخص رافضی، جاہل اور بدعقیدہ اور ان لوگوں میں سے تھا جو علیؓ کی رجعت کے معتقد تھے یعنی علی دوبارہ اس دنیا میں آنے والے ہیں۔ یہ حارث زیادہ تر چپ رہنے کا عادی تھا اور بولتا تھا تو اناپ شناپ اور رافضیوں کے عقائد کی ترجمانی کرنے والی روایات بیان کرتا تھا۔ تھذیب التھذیب میں ہے کہ جریر نے اس کے متعلق کہا ہے "شیخ طویل السکوت یصر علی امر عظیم و ھو الایمان بالرجعة و الغلو فی التشیع." عقیلی نے کہا ہے له احادیث عدیدة منکرة لا یتابع علیھا منھا حدیث ابی ذر فی ابن صیاد۔

اس خبیث نے حضرت ابوذر کی زبانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یکے بعد دیگرے دوبار ابن صیاد کی ماں کے پاس بھیجا تھا۔ حالانکہ ابوذر غزوہ احزاب کے بعد مدینہ آئے تھے اسی لیے غزوہ بدر و غزوہ احد و غزوہ احزاب میں شریک نہ تھے اور ابن صیاد اپنے باپ اور اہل قبیلہ کے ساتھ اوائل شوال ۳ھ میں غزوہ احد سے پہلے ہی مدینہ سے نکل گیا تھا۔ پھر ربیع الاول ۴ھ میں یہود کا خاندان بنی نضیر جلا وطن ہوا جب حقیقت یہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کا ابوذر کو ابن صیاد کی ماں کے پاس بھیجنا خالص دروغ بے فروغ ہی تو ہوا۔ پھر اس خبیث نے ابوذر کی زبانی حضورِ اکرم ﷺ کا ابن صیاد سے ملاقات کرنا

وغیرہ وغیرہ جو بیان کیا ہے وہ بھی جھوٹ ہونے میں نہلے پر دہلا ہے۔ غرضیکہ حارث بن حصیرہ نے حق تعالیٰ کے خوف کو بالائے طاق رکھ کر رسول اللہ ﷺ پر ابوذر اور زید بن بن وھب پر افترا پردازی کی تھی۔

اور احمد بن حنبل و عفان بن مسلم و عبد الواحد بن زیاد ثقہ و متقی محدث تھے مگر ثقہ محدثین عموماً اس مرض میں مبتلا تھے کہ استاد سے سنی ہوئی حدیث کو سند و متن کے ساتھ ٹھیک ٹھیک یاد رکھنا ہی ان کے پیش نظر رہتا تھا۔ روایت کردہ حدیث کا معنی و مطلب سمجھنے اور عقل و درایت کو استعمال کرنے سے انہیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ عبد الواحد بن زیاد نے یہ جھوٹی حدیث حارث بن حصیرہ سے سنی اور سوچے سمجھے بغیر اپنے شاگرد عفان بن مسلم کو سنادی۔ عفان نے اسی طرح اپنے شاگرد ابن حنبل سے نقل کردی۔ ابن حنبل نے اپنے فرزند عبداللہ سے۔ اس طرح یہ جھوٹی حدیث بھی دیگر صدہا جھوٹی حدیثوں کی طرح درج مسند ہوگئی۔ لیکن کتب حدیث کے دیگر مصنفین نے اسے اپنی کتابوں میں درج کرنے کی غلطی نہیں کی۔

---

(۲) ابن صیاد سے متعلق حضرت ابوبکرہ ثقفی سے مروی حدیث

اس کی تخریج امام احمد اور ترمذی نے کی ہے۔ احمد نے اسے تین شیوخ سے سنا تھا۔ یزید بن ہارون۔ عفان بن مسلم اور مؤمل بن اسماعیل سے۔ یزید کی روایت یہ ہے:

"اخبرنا حماد بن سلمة عن علي بن زيد عن عبد الرحمن بن ابی بكرة عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ يمكث ابوالدجال ثلاثين عاما لا يولد لهما ثم يولد لهما غلام اعور اضر شيء واقله نفعا تنام عيناه و لا ينام قلبه ثم نعت ابويه فقال ابوه رجل طوال مضطرب اللحم طويل الانف كأن انفه منقار و امه فرضاخية عظيمة الثديين. قال فبلغنا ان مولودا من اليهود ولد بالمدينة فانطلقت انا و الزبير بن العوام حتى دخلنا على ابويه فرأينا فيهما نعت رسول الله ﷺ و اذا هو منجدل في الشمس في قطيفة له همهمة فسألنا ابويه (اهذا ولدكما ؟) فقالا مكثنا ثلاثين عاما لا يولد لنا ثم ولد لنا غلام اعور اضر شيء واقله نفعا فلما خرجنا

مررنا به فقال ما كنتما فيه؟ قلنا و سمعت. قال نعم انه تنام عيناى و لا ينام قلبى فاذا هو ابن صياد. (مسند ۵ / ص ۴۰)

عفان کی روایت بھی یہی ہے۔اس کے آخر میں **قال حماد و هو ابن صياد (مسند ۵/ ص ۴۹)** اور یہی مؤمل کی روایت ہے۔مگر اس کی روایت میں ہے **ثم ولد لنا هذا اعور مسرورا مختونا اقل شئ نفعا و اضره . (مسند ۵/ص ۵۱)**

ترجمہ :ہمیں حماد بن سلمہ نے علی بن یزید بن جدعان سے روایت کرتے ہوئی خبر دی۔اس نے عبد الرحمٰن سے اس نے اپنے والد ابو بکرہ ثقفی سے روایت کی۔ ابو بکرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے ماں باپ کے یہاں (شادی سے)تیس سال تک کوئی بچہ نہ پیدا ہوگا۔تیس سال گذر جانے پر ایک کانا لڑکا پیدا ہوگا جو نقصان و تکلیف پہنچانے والی چیز زیادہ ہوگا اور فائدہ پہونچانے والی چیز بہت کم ہوگا۔اس کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہ سوئے گا پھر آپ نے اس کے ماں باپ کا حلیہ بیان کیا فرمایا کہ اس کا باپ لمبا تڑنگا، تھل تھلاتے گوشت والا لمبی ناک کا آدمی ہوگا گویا کہ اس کی ناک کسی پرندے کی چونچ ہے اور اس کی ماں بھاری جسم کی بڑی بڑی چھاتیوں والی ہے۔ابو بکرہ نے کہا کہ آپ سے یہ سننے کے بعد ہمیں پتہ لگا کہ مدینہ میں ایک یہودی بچہ پیدا ہوا ہے تو میں اور حضرت زبیر بن عوام اس کے گھر پہنچے دیکھا تو اس بچے کے ماں باپ کا حلیہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے دجال کے ماں باپ کا بتایا تھا۔اور دیکھا تو وہ بچہ ایک چادر میں لپٹا ہوا دھوپ میں پڑا ہے ہوں ہوں کر رہا ہے۔ہم نے اس مرد و عورت سے پوچھا کہ یہ بچہ تمہارا ہی ہے۔بولے ہاں۔تیس سال تک ہمارے یہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا پھر یہ کانا لڑکا ہوا ہے۔پیدائشی ناک کٹا ہوا، ختنہ کیا ہوا جو تکلیف پہنچانے والی چیز زیادہ ہے۔نفع پہنچانے والی چیز کم ہے پس جب ہم اندر گھر سے نکل کر بچہ کے پاس کو آئے تو وہ بولا تم دونوں کس گفتگو میں تھے۔ہم نے کہا ارے کیا تو نے ہماری بات چیت سنی ہے؟ بولا ہاں۔حقیقت یہ ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ترمذی نے عبد اللہ بن معاویہ جمحی سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس نے

حماد بن سلمہ سے۔ ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے فکشف عن راسہ فقال ماقلتما یعنی اس لڑکے نے اپنے سر سے چادر ہٹا کر ابوبکرہ وزبیر سے کہا تم دونوں نے کیا کہا ہے۔ (سنن ترمذی ج ۲ ؍ص ۴۹ طبع الہند ابواب الفتن باب ماجاء فی ذکر ابن صیاد)

ترمذی نے اس قطعا جھوٹی روایت کو حسن غریب بتایا ہے اور کہا ہے لا نعرفه الا من حديث حماد بن سلمة۔ ترمذی کی اصطلاح میں حسن وہ حدیث ہے جو ایک سے زائد طرق سے مروی ہو۔ چونکہ حماد بن سلمۃ سے اس کی روایت چار شخصوں نے کی تھی یزید بن ھارون، عفان، مؤمل اور عبداللہ بن معاویہ اس لیے ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ ترمذی کو اس حدیث کے متن میں جو جھوٹ ہی جھوٹ بھرا ہوا ہے نظر نہیں آیا اور یہ تاثر دیا ہے کہ بس اس کی اسناد میں غرابت ہے۔ حماد بن سلمۃ نے ہی اس کی روایت کی ہے۔ اور اس کی اسناد میں جو اصل علت اور فساد ہے ترمذی نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ وہ ہے علی بن زید بن جدعان بصری جو ایک دروغ باف رافضی تھا۔ اسی نے لوگوں میں یہ حدیث گھڑ کر پھیلائی تھی۔ عن ابی نضرة عن أبی سعيد الخدری ان رسول الله ﷺ قال اذا رأيتم معاوية على هذه الاعواد (و اشار الى منبره فاقتلوه) جب تم معاویہ کو میرے اس منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر ڈالنا۔ کبھی فاقتلوہ کی بجائے فارجموہ بک دیتا تھا۔ اس حدیث کو گھڑنے سے اس کا مقصود حضرت معاویہ کو واجب القتل قرار دینے کے علاوہ ان تمام صحابہ کرام کو مطعون اور معصیت رسول کا مرتکب قرار دینا تھا جنہوں نے مسجد نبوی میں حضرت معاویہؓ کے منبر پر خطبے سنے تھے اور ان کی اقتداء میں جمعہ کی نماز پڑھی تھی۔ اور ان میں خود ابوسعید خدریؓ بھی تھے۔ یہ دجال کے متعلق ابوبکرہ ثقفی کی طرف منسوب حدیث بھی اسی ظالم علی بن زید کی گھڑی ہوئی ہے۔ رہا حماد بن سلمۃ تو وہ جھوٹا نہ تھا۔ اچھی سیرت کا نیک وصالح اور بھولا بھالا آدمی تھا مگر کم فہم اور قوت حفظ سے محروم اور روایت حدیث کا شوقین تھا۔

سخت افسوس وحیرت احمد بن حنبل وترمذی پر ہے کہ اس قطعی جھوٹی اور باطل روایت

کی تخریج فرمانے کی غلطی انہوں نے کیوں کی۔اس کے باطل ہونے کی تصریح کیے بغیر اس کا نقل کرنا جائز نہ تھا۔

اس کے باطل اور قطعاً غلط ہونے کے روشن وجوہ یہ ہیں:

(۱) ابو بکرہ ثقفی فتح مکہ وغزوہ حنین کے بعد محاصرہ طائف کے دوران ذی قعدۃ ۸ ھ میں مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ مدینہ آ کر رہے۔اس وقت مدینہ ونواح مدینہ میں کوئی یہودی نہ تھا۔ پھر یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ ابو بکرہ وزبیر بن عوام صیاد یہودی کے گھر مدینہ میں ہی پہنچے ہوں اور اس سے اور اس کی بیوی سے پھر خود ابن صیاد سے بات چیت کی ہو۔

(۲) اس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد ماں کے پیٹ سے کانا پیدا ہوا تھا۔ حالانکہ ابوسعید خدری کی حدیث میں جو آگے آرہی ہے مذکور ہے کہ ابن صیاد نے ابوسعید سے لوگوں کی شکایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے دجال سمجھتے ہیں۔ **وقد قال رسول الله ﷺ ان الدجال یکون اعور و لست باعور انا صحیح العینین** (مسند احمد ۳/ص ۲۶) یعنی رسول اللہ ﷺ نے تو بتایا ہے کہ دجال کانا ہوگا اور میں کانا نہیں ہوں۔میری دونوں آنکھیں ٹھیک ہیں۔

(۳) اس روایت سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ابو بکرہ وزبیر جب صیاد یہودی کے گھر گئے تھے تو اس کا لڑکا عبد اللہ بن صیاد دودھ پیتا بچہ تھا جو چادر میں لپٹا ہوا دھوپ میں سو رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ سردی کا موسم تھا۔ وہ شیر خوار بچہ ان سے ہم کلام ہوا تو کیا یہ ایسی بات تھی کہ ابو بکرہ وزبیر کو اس پر حیرت نہ ہوتی اور آ کر نبی ﷺ سے اس کا ذکر نہ کرتے۔

(۴) بچے کا ماں باپ کے لیے سودمند یا زیاں رساں ہونا شیر خواری کے زمانہ میں ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا سراغ تو انہیں دودھ چھوٹنے کے کئی سال بعد لگ سکتا ہے۔ پھر ابن صیاد کے ماں باپ نے شیر خوار ابن صیاد کو "اضر شیء و اقلہ نفعاً" کیسے بتا دیا؟

(۵) اس حدیث میں مذکور ہے کہ خود نبی ﷺ نے دجال کے متعلق بتایا تھا کہ تمام

عیناه و لا ینام قلبه اس کی آنکھیں سوئیں گی دل نہ سوئے گا یہ ہی ابوبکرہ وزبیر بن عوام سے ابن صیاد نے اپنے متعلق کہا تھا۔ لیکن یہ وصف تو اللہ کے نبی کا ہے۔ دجال کا ابن صیاد کا وصف نہیں ہوسکتا۔

(۶) اس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد پیدائشی نال کٹا ہوا اور ختنہ کیا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تو ایک مدح وتعریف کا وصف ہے۔ ملعون دجال کا وصف نہیں ہوسکتا۔

(۷) اس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد نے جو دھوپ میں پڑا سو رہا تھا۔ سر سے چادر ہٹا کر ابو بکرہ وزبیر سے کہا۔ **ما کنتما فیه ما قلتما**۔ حالانکہ اس کے متعلق ابوبکرہ وزبیر نے کچھ نہیں کہا تھا اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا اس کے ماں باپ نے ہی کہا تھا۔

---

(۳) عبداللہ بن صیاد کے متعلق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث

اس کے تین طریق ہیں یعنی تابعین میں سے تین شخص ہیں جن کے متعلق روایات آئی ہیں کہ انہوں نے ابوسعید خدریؓ سے ابن صیاد کے متعلق حدیث روایت کی تھی۔ وہ تین اشخاص یہ ہیں (۱) ابونضرہ (۲) ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف (۳) ابوالوداک۔ تینوں کی روایت مضمون ومتن کے لحاظ سے مختلف اور الگ الگ ہے میں ناظرین کے سامنے تینوں کی روایات رکھے دیتا ہوں۔

ابونضرہ کی روایت

ابونضرہ منذر بن مالک بن قطعد عبدی بصری کی کنیت ہے۔ اسے ثقہ تابعی قرار دیا گیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کی روایت کی ہوئی کوئی حدیث درج صحیح نہیں کی۔ اس کی ذکر کردہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ دروغ بافی وژولیدہ بیانی واضطراب میں مبتلا تھا۔ کسی سے کچھ بیان کر دیا کسی سے کچھ۔ ابن صیاد کے متعلق ابوسعید خدری سے اس نے جو حدیث روایت کی ہے۔ وہ اس کی دروغ بافی کی کھلی ہوئی شہادت دے رہی ہے۔ ابونضرہ سے اس

کی روایت سعید بن ایاس جریری، علی بن زید بن جدعان، سلیمان بن طرخان تیمی، ابومسلمہ یعنی سعید بن یزید طاحی وعوف بن ابی جمیلہ اعرابی نے کی ہے۔اور فی الواقع یہ تین حدیثیں ہیں الگ الگ مضمون والی۔

حدیث اول

مسلم نے کہا ہے : حدثنا محمد بن المثنی ثنا سالم بن نوح عن الجریری عن ابی نضرۃ عن ابی سعید قال لقیه (یعنی ابن صیاد) رسول الله ﷺ و ابو بکر و عمر فی بعض طرق المدینة فقال له رسول الله ﷺ اتشهد انی رسول الله فقال هو أتشهد انی رسول الله فقال رسول الله ﷺ آمنت بالله و ملائکته و کتبه. ماتری ؟ قال اری عرشا علی الماء. فقال رسول الله ﷺ تری عرش ابلیس علی البحر. و ما تری قال اری صادقین و کاذبا او کاذبین وصادقا فقال رسول الله ﷺ دعوه. (صحیح مسلم ۲ ص ۳۹۷/ طبع الهند کتاب الفتن ، ذکر ابن صیاد)

ترمذی نے بھی سفیان بن وکیع سے اس کی روایت کی ہے اس نے عبدالاعلی سے اس نے جریری سے اسی طرح۔اس اضافہ کے ساتھ فاحتبسه و هو غلام له ذؤ ابة۔نیز اس میں ہے آمنتُ بالله و کتبه و رسله و الیوم الآخر. (سنن الترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی ذکر ابن صیاد ، حدیث ۳)

یعنی سعید بن ایاس جریری سے سالم بن نوح وعبدالاعلی دوشخصوں نے روایت کی تھی۔سالم کی روایت میں رسلہ والیوم الآخر چھوٹ گیا ہے اور عبدالاعلی کی روایت میں ملائکتہ نہیں ہے۔

امام احمد کہتے ہیں: حدثنا یونس ثنا حمادبن سلمة عن علی بن زید عن ابی نضرۃ عن ابی سعید الخدری ان رسول الله قال لابن صیاد ما تری ؟ قال اری عرشا علی البحر حوله حیات . فقال رسول الله ﷺ تری عرش ابلیس (مسند ۳/ ص ۲۲) و کذا رواه عن عفان عن حماد بن سلمة به . (مسند ۳/ ص ۹۷)

سعید بن ایاس جریری نے ابونضرہ سے جو روایت کی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ مدینہ کے کسی راستہ میں رسول اللہ ﷺ کی ابن صیاد سے ملاقات ہوگئی۔ آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر تھے۔ آپ نے ابن صیاد کو روک کر کہا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے جواب میں وہ گستاخِ ناہنجار بولا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس پر آپ نے فرمایا میں ایمان لایا اللہ پر۔ اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور پچھلے دن پر۔ اس کے بعد آپ نے اس سے پوچھا تجھے کیا نظر آتا ہے؟ بولا پانی پر ایک تخت دیکھتا ہوں فرمایا تجھے ابلیس کا تخت نظر آتا ہے سمندر پر۔ آپ نے پوچھا اس کے علاوہ تجھے کیا نظر آتا ہے۔ بولا دو سچے ایک جھوٹا یا اس نے یہ کہا کہ دو جھوٹے ایک سچا۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ اس روایت میں یہ جھول ہے کہ بقول ابونضرہ ابوسعید خدری نے ذکر کیا تھا کہ اس موقع پر ابو بکر و عمر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ خود اپنے متعلق نہیں کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ سوال یہ ہے کہ پھر ابوسعید کو کس سے معلوم ہوا کہ آپ کے اور ابن صیاد کے درمیان یہ یہ بات ہوئی۔ ابوسعید کو یہ بات خود رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہو سکتی تھی یا حضرت ابو بکر سے یا حضرت عمر سے یا ابن صیاد سے۔ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ حضرت ابوسعید خدری نے ابونضرہ سے یہ قصہ بیان ہی نہیں کیا خود ابونضرہ نے اسے تصنیف کر کے ابوسعید خدری کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ یہی حدیث اسی طرح سلیمان بن طرخان تیمی سے بھی ابونضرہ نے بیان کی تھی اور سلیمان کو بتایا تھا کہ مجھے یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ سے پہنچی ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے کہا ہے حدثنا یحی بن حبیب و محمد بن عبد الاعلی قالا حدثنا المعتمر قال سمعت ابی (ھو سلیمان بن طرخان التیمی) قال حدثنا ابو نضرة عن جابر بن عبد الله قال لقی النبی ﷺ و معه ابو بکر و عمر. و ابن صائد مع الغلمان فذکر نحو حدیث الجریری عن ابی نضرة عن ابی سعید فی ابن صیاد (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۷ کتاب الفتن، ذکر ابن صیاد) یعنی نبی ﷺ کے ساتھ ابو بکر و عمر تھے، آپ کی ابن صیاد سے ملاقات ہوئی جو لڑکوں کے ساتھ تھا۔ یعنی کھیل کود میں لگا ہوا تھا۔

باقی حدیث وہی ہے جو جریری نے بواسطہ ابونضرہ ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔ سعید بن ایاس جریری اور سلیمان تیمی دونوں ثقہ ہیں دونوں سے ابونضرہ نے یہ حدیث بیان کی تھی۔ لیکن جریری کو یہ بتایا تھا کہ مجھے یہ حدیث ابوسعید خدری سے پہنچی ہے اور سلیمان کو یہ بتایا تھا کہ مجھے یہ حدیث جابر بن عبداللہ انصاری سے پہنچی ہے۔ پس سند کے لحاظ سے جریری وسلیمان تیمی کی روایتوں میں تعارض ہے۔ اور بقاعدہ اذا تعارضا تساقطا دونوں ہی روایتیں ساقط الاعتبار ہیں جابر نے یہ تو بتایا تھا کہ ابوبکر وعمر رسول اللہ کے ساتھ تھے مگر خود اپنے متعلق نہیں بتایا کہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ پھر جابر کو یہ قصہ کس سے معلوم ہوا؟ کسی سے بھی نہیں کیونکہ نہ یہ بات ابونضرہ نے ابوسعید خدری سے سنی تھی نہ جابر سے بلکہ خود ابونضرہ نے ہی تصنیف کی تھی۔ لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے کبھی ابوسعید کا نام لے دیا کبھی جابر کا۔

اب ذرا درایت اور عقل کی روشنی میں اس کا مضمون دیکھئے:

(۱) سرراہ کھیلتے ہوئے لڑکوں میں سے ایک نابالغ لڑکے کو روک کر اس سے أتشهد انی رسول الله کہنا کیا حضور اکرم ﷺ کے پروقار طریق تبلیغ سے میل رکھنے والی چیز ہے۔ پھر جب اس گستاخ لڑکے نے آپ کے جواب میں خود آپ سے کہہ دیا "أتشهد انی رسول الله" تو کیا حضور اکرم ﷺ کے نزدیک اس نابالغ و گستاخ لڑکے کا رسول اللہ ہونا ممکنات میں سے تھا کہ اس کے جواب میں گول مول ارشاد فرمایا آمنت بالله و رسله واليوم الآخر۔ اور اس کے رسول اللہ ہونے کی صاف صاف تردید نہیں کی؟ ظاہر ہے کہ ہر عقل منداس کا جواب نفی میں ہی دے گا۔

(۲) اور جب حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث ابونضرہ کی گھڑی ہوئی ہے ابوسعید خدری یا جابر انصاری کی بیان کی ہوئی نہیں ہے تو ابن صیاد کا پانی پر تخت ابلیس دیکھنا اور یہ بتانا کہ مجھے دو جھوٹے ایک سچا یا دو سچے ایک جھوٹا نظر آتا ہے۔ ابونضرہ کی ہی بکواس ہے۔ نہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے یہ پوچھا تھا نہ ابن صیاد نے یہ بتایا تھا۔

حدیث ثانی

ابونضرہ نے ابن صیاد کا عالم غیب سے تعلق ظاہر کرنے کی غرض سے گھڑی تھی۔ امام مسلم نے صحیح میں اور عبداللہ بن احمد نے مسند احمد میں اسے درج کرنے کی غلطی کی ہے۔

مسلم نے کہا ہے حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة ثنا ابو اسامة (اسمه حماد بن اسامة) عن الجریری عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری ان ابن صیاد سأل النبی ﷺ عن تربة الجنة فقال درمکة بیضاء مسک خالص (صحیح مسلم ۲ ص ۳۹۸ / کتاب الفتن) ہم سے ابوبکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا کہ ہم سے ابواسامہ یعنی حماد بن اسامہ نے بیان کیا سعید بن ایاس جریری سے روایت کر کے اس نے ابونضرہ سے اس نے ابوسعید خدری سے کہ ابن صیاد نے نبی ﷺ سے جنت کی مٹی کے متعلق دریافت کیا کہ کیسی ہے فرمایا عمدہ میدہ ہے۔ سفید خالص مشک۔ یعنی وہ میدہ کی طرح سفید و نرم ہے اور بو میں وہ خالص مشک ہے۔ جس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت ابن صیاد ایک شوخ یہودی بچہ تھا۔ دین اور عقل سلیم سے بے بہرہ، جنت اور اس کی نعمتوں کے متعلق پوچھنا تو کسی عاقل و دیندار شخص کی شان ہو سکتی ہے۔

مگر حماد بن سلمہ نے جریری سے اس کے برعکس روایت کی ہے قال احمد حدثنا عفان ثنا حماد بن سلمة عن الجریری عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ سأل ابن صائد عن تربة الجنة فقال درمکة بیضاء مسک خالص۔ قال (ابو سعید) فقال رسول الله ﷺ صدق (مسند ۳ ص ۴۳) یعنی خود رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے جنت کی مٹی کے متعلق پوچھا تھا کہ کیسی ہے۔ اس کے جواب میں ابن صیاد نے کہا درمکۃ بیضاء مسک خالص۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے صحیح جواب دیا ہے۔ جریری کے اس حدیث میں دو شاگرد ہیں۔ ابواسامہ اور حماد بن سلمہ اور دونوں کی روایت متضاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ دراصل جریری نے کیا بیان کیا تھا۔ وہ جو ابواسامہ کی روایت میں ہے یا وہ جو حماد کی روایت میں ہے اور حماد کی تائید میں مسلم کی یہ روایت ہے۔ قال حدثنا نصر بن علی الجهضمی ثنا بشر یعنی ابن المفضل عن

ابی مسلمة (سعید بن یزیدالطاحی) عن ابی نضرة عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ لابن صائد ما تربة الجنة ؟ قال درمکة بیضاء مسک یا ابا القاسم . قال صدقت. حالانکہ عقلا یہ ناممکن ہے۔ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابن صیاد سے وہ بات پوچھیں جس کا صحیح جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے جسے اللہ نے جنت دکھائی ہو یا بذریعہ وحی اس کی خبر دی ہو۔

الغرض یہ حدیث بھی خود ابونضرہ کی گھڑی ہوئی ہے ابوسعید خدری کی بیان کردہ نہیں ہے۔ اس کے گھڑنے کا مقصود ہی یہ تھا کہ ابن صیاد کو ایک پراسرار شخصیت ثابت کیا جائے جس کا تعلق عالم غیب سے تھا۔

اب ابونضرہ کذاب کی ابوسعید خدری کے حوالہ سے بیان کی ہوئی تیسری حدیث بھی پڑھ لیجئے جس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد نے ابوسعید خدری کو شدومد کے ساتھ باور کرایا کہ میں دجال نہیں ہوں۔ پھر آخر میں اللہ کی قسم کھا کر کہا مگر مجھے معلوم ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور اس کی جائے پیدائش کون سی ہے۔ ابونضرہ سے اس قصہ کی روایت سعید بن ایاس جریری سلیمان تیمی اور عوف بن ابی جمیلہ اعرابی نے کی ہے۔

جریری کی روایت

امام مسلم نے محمد بن مثنیٰ سے اس نے سالم بن نوح سے اس نے جریری سے روایت کی ہے

عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری قال خرجنا حجاجا او عمارا و معنا ابن صائد فنزلنا منزلا فتفرق الناس و بقیت انا و هو فاستوحشت منه وحشة شدیدة مما یقال فیه. و جاء بمتاعه فوضعه مع متاعی فقلت ان الحر شدید فلو وضعته تحت تلک الشجرة ففعل فرفعت لنا غنم فانطلق فجاء بعس فقال اشرب ابا سعید. فقلت ان الحر شدید و اللبن حار. ما لی الا انی اکره ان اشرب من یده او قال آخذ من یده. فقال ابا سعید لقد هممت ان آخذ حبلا فاعلقه بشجرة ثم اختنق مما یقول لی الناس. یا ابا سعید من خفی علیه حدیث رسول الله ﷺ ما خفی علیکم معشر الانصار. الست اعلم الناس بحدیث رسول الله ﷺ الیس قد قال رسول الله ﷺ هو عقیم لا یولد له و قد ترکت ولدی

بالمدينة. او ليس قد قال رسول الله ﷺ لا يدخل المدينة و لا مكة. و قد اقبلتُ من المدينة و انا اريد مكة. قال ابو سعيد حتى كدت ان اعذره. ثم قال اما و الله انى لا عرفه و اعرف مولده و اين هو الآن. قال قلت له تبالك سائر اليوم. و روى الترمذى نحوه عن سفيان بن وكيع عن عبد الاعلى عن الجريرى به (ابواب الفتن). (صحیح مسلم طبع الهند ۲ /ص ۳۹۸)

ابونضرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔ابوسعید نے ذکر کیا کہ ہم حج یا عمرہ کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔دوپہر کے وقت راہ میں ایک جگہ پڑاؤ کیا تو لوگ آرام کرنے کی خاطر مختلف درختوں کے سایوں میں الگ الگ ہوگئے۔ابن صیاد بھی ہمارے ساتھ تھا میں اور وہ ایک جگہ رہ گئے۔چونکہ ابن صیاد کے متعلق لوگوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ وہ دجال ہے اس لیے مجھے اس سے بڑی بھاری وحشت محسوس ہوئی۔اس نے اپنا سامان لاکر میرے سامان کے ساتھ رکھ دیا میں نے کہا گرمی سخت ہے۔یہاں کے بجائے تم اپنا سامان اس درخت کے نیچے رکھ لیتے تو اچھا تھا۔اس نے ایسا ہی کیا پھر ہمیں بکریوں کا ریوڑ دکھائی دیا۔ابن صیاد اس کی طرف۔ چلا گیا تو چرواہے سے ایک بڑے برتن میں دودھ لے آیا۔بولا اے ابوسعید دودھ پی لیجئے۔میں اس کے ہاتھ سے کوئی چیز لینا نہ چاہتا تھا اس لیے میں نے عذر کر دیا کہ گرمی سخت ہے اور یہ دودھ گرم ہے۔یعنی میں نہیں پیوں گا۔میرے طرز عمل کو محسوس کر کے وہ بولا۔اے ابوسعید میرے دل میں آیا ہے کہ کسی درخت میں رسی لٹکا کر اس کا پھندا گلے میں ڈال کر خودکشی کرلوں۔لوگوں کو جو میری طرف سے بدگمانی ہے اب ناقابل برداشت ہوگئی ہے۔اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی باتیں خواہ معلوم نہ ہوں تم گروہ انصار کو تو خوب معلوم ہیں۔اے ابوسعید آپ کو اور لوگوں سے بڑھ چڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا علم ہے۔کیا ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کو کافر بتایا ہے۔یعنی یہ کہ وہ کافر ہوگا اور میں مسلمان ہوں کیا ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کو لاولد بتایا ہے یعنی اس سے کوئی بچہ نہ ہوگا۔اور میں نے مدینہ میں اپنے بچے چھوڑے ہیں۔کیا ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نہ

مدینہ میں داخل ہوگا نہ مکہ میں اور میں مدینہ سے آ رہا ہوں اور مکہ جانے کا قصد ہے۔ ابوسعید کا بیان ہے کہ ابن صیاد کی اس بات سے میں بڑا متاثر ہوا کہ واقعی لوگ اس کی طرف سے خواہ مخواہ بدگمان ہیں۔ پھر اس نے کہا سنو اللہ کی قسم میں اسے یعنی دجال کو پہچانتا ہوں۔ مجھے اس کی جائے پیدائش کا بھی علم ہے اور یہ بھی کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔ ابوسعید کا بیان ہے کہ ابن صیاد کی یہ بات سن کر میں نے کہا ہات تراناس ہو۔

حماد بن سلمہ نے بھی جریری سے اسی طرح یہ حدیث روایت کی ہے۔ (مسند ۳/ص ۴۳ وص ۹۷)

ابونضرہ کی بیان کی ہوئی جریری کی اس روایت میں مذکور ہے کہ ابوسعید خدری وابن صیاد کا یہ قصہ اثنائے راہ کا ہے جب ابوسعید وابن صیاد دیگر لوگوں کے ساتھ حج یا عمرہ کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

سلیمان تیمی کی روایت

امام احمد نے یحییٰ بن سعید قطان سے اس نے سلیمان بن طرخان تیمی سے روایت کی ہے۔ **عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری قال لقینی ابن صائد فقال عذ النا س او احسب الناس یقولون (فی انی انا الدجال) و انتم اصحاب محمد ﷺ الیس سمعت رسول الله ﷺ هو یهودی و انا مسلم و انه اعور و انا صحیح و لا یاتی مکة و لا المدینة و قد حججت و انا معک الآن بالمدینة و لا یولد له و قد ولد لی. ثم قال مع ذاک انی لا علم این ولد و متی یخرج و این هو. قال فلبس علیّ** (مسند ۳/ص ۲۶)

ابونضرہ سے مروی ہے کہ ابوسعید نے ذکر کیا کہ ابن صیاد مجھ سے آ کر ملا (یعنی مدینہ میں) تو کہا سمجھ لو کہ لوگ مجھے دجال بتاتے ہیں۔ اور آپ لوگ یعنی گروہ انصار محمد ﷺ کے ساتھی ہو کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا کہ دجال یہودی ہوگا۔ وہ کانا ہوگا۔ وہ نہ مکہ میں داخل ہوگا نہ مدینہ میں۔ وہ لاولد ہوگا۔ اور میں مسلمان ہوں اور کانا نہیں ہوں۔ میری دونوں آنکھیں ٹھیک ہیں۔ اور میں حج کر چکا ہوں یعنی مکہ میں داخل ہو چکا

ہوں اور یہ دیکھئے میں آپ کے ساتھ مدینہ میں ہوں اور میں صاحب اولاد ہوں (یعنی پھر مجھے دجال سمجھنے کی کیا تُک ہے)۔ پھر اس نے کہا اس کے باوجود میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ کہاں پیدا ہوا اور کب نکلے گا یعنی منظر عام پر آئے گا اور وہ اب کہاں ہے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر اس نے معاملہ مجھ پر مشتبہ کر دیا۔ ابونضرہ کی بیان کی ہوئی سلیمان تیمی کی اس روایت میں مذکور ہے کہ ابوسعید و ابن صیاد کی یہ ملاقات اور بات چیت مدینہ میں ہوئی تھی۔ یا ہر نہیں۔

عوف اعرابی کی روایت

امام احمد نے محمد بن جعفر سے اس نے عوف سے یہ روایت کی ہے۔

عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری قال اقبلنا فی جیش من المدینة قِبل هذا المشرق. قال فکان فی الجیش عبد الله بن صیاد و کان لا یسایره احد و لا یرافقه و لا یواکله و لا یشاربه و یسمونه الدجال فبینا انا ذات یوم نازل فی منزل اذ رآنی عبد الله بن صیاد جالسا فجاء حتی جلس الیّ فقال یا ابا سعید الآتری الی ما یصنع الناس لا یسایرنی احد و لا یرافقنی احد و لا یشاربنی احد و لا یواکلنی احد و یدعوننی الدجال. و قد علمت یا ابا سعید ان رسول الله ﷺ قال ان الدجال لا یدخل المدینة و انی ولدت بالمدینة. و قد سمعت رسول الله ﷺ یقول ان الدجال لا یولد له و قد ولد لی. فو الله لقد هممت مما یصنع بی هؤلاء الناس ان آخذ حبلا فأخلو فاجعله فی عنقی فاختنق فاستریح من هؤلاء الناس. و الله ما انا بالدجال و لکن و الله لوشئت لا خبرتک باسمه و اسم ابیه و اسم امه و اسم القریة التی یخرج منها. (مسند ۳/ ص ۷۹)

ابونضرہ سے مروی ہے کہ ابوسعید خدری نے ذکر کیا کہ ہم مدینہ سے مجاہدین کے ایک لشکر میں بسوئے مشرق روانہ ہوئے (مکہ کی سمت حج یا عمرہ کی غرض سے نہیں کیونکہ مکہ تو مدینہ سے جہت جنوب میں ہے نہ کہ جہت مشرق میں) اس لشکر میں عبداللہ بن صیاد بھی تھا۔ اس کا حال یہ تھا کہ لوگ اس سے کنارہ کش رہتے تھے نہ کوئی ساتھ چلتا تھا نہ ساتھ رہتا تھا نہ

اس کے ساتھ کوئی کھاتا پیتا تھا اور لوگ اسے دجال کہا کرتے تھے۔ ایک دن جب کہ میں ایک منزل میں اترا ہوا تھا عبداللہ بن صیاد نے مجھے بیٹھا ہوا دیکھا تو آ کر میرے پاس بیٹھ گیا بولا اے ابوسعید آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ لوگوں کا میرے ساتھ کیا رویہ ہے۔ نہ میرے ساتھ کوئی اٹھتا بیٹھتا ہے، نہ کھاتا پیتا ہے اور مجھے دجال کہتے ہیں۔ حالانکہ اے ابوسعید آپ کو خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ دجال مدینہ میں داخل نہ ہوگا۔ اور میں تو مدینہ میں ہی پیدا ہوا ہوں۔ اور آپ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی سنا ہے کہ دجال لاولد ہوگا حالانکہ میں صاحب اولاد ہوں۔ میرے دل میں خیال آیا ہے کہ تنہائی میں رسی کا پھندا ڈال کر اپنا گلا گھونٹ کر مر جاؤں تو ان لوگوں کی بکواس سے میرا پنڈ کٹے۔ اللہ کی قسم میں دجال نہیں ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم آپ چاہتے تو میں آپ کو اس کا اصل نام اس کے باپ اور اس کی ماں کا نام اور اس بستی کا نام بتا دیتا جہاں سے وہ نکلے گا۔ ابونضرہ کی بیان کی ہوئی عوف اعرابی کی اس روایت میں مذکور ہے کہ ابوسعید و ابن صیاد مجاہدین کے ایک لشکر میں مدینہ سے سوئے مشرق روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں ایک منزل پر دونوں کی ملاقات اور بات چیت ہوئی۔ بمصداق دروغ گو را حافظہ نباشد ابونضرہ نے یہ قصہ تین شخصوں کو بتایا تھا۔ الگ الگ اور متضاد و مختلف گو بنیادی مضمون تینوں کی روایت میں مشترک ہے۔ روایات کا یہ اختلاف و تضاد بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ ابوسعید خدریؓ نے ابونضرہ سے یہ قصہ بیان نہیں کیا خود ابونضرہ نے ہی یہ قصہ گھڑا تھا تا کہ ابن صیاد کو دجال قرار دینے میں آسانی ہو جائے۔

اس قصہ کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد نے ابوسعید خدری سے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال لاولد ہوگا، یہ قصہ واقعی ہوتا تو ابوسعید اس سے کہتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نہیں سنی کیونکہ دجال کے متعلق کتب حدیث میں جن صحابہ کرام کی حدیثیں مذکور ہیں ان میں سے کسی بھی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل نہیں کیا کہ دجال لاولد ہوگا۔ اور اگر ابن صیاد نے ابو سعید سے آخر میں یہ بکواس کی ہوتی کہ مجھے دجال کے متعلق سب کچھ معلوم ہے۔ کہاں پیدا

ہوگا۔ اس کے ماں باپ کا کیا نام ہے۔ کس مقام سے نکلے گا۔ تو ابوسعید اس سے یہ باتیں ضرور معلوم فرماتے اور جھوٹے کو اس کی قبر تک پہنچاتے۔ وہ ہمارا زمانہ نہ تھا کہ کہنے والا جو چاہے کہہ دے اور لکھنے والا جو چاہے لکھ دے نظام اسلام قائم تھا مدینہ میں حاکم شرع موجود تھا ابوسعید ابن صیاد کی باتیں حاکم شرع کے یہاں پیش کرتے، کیا باور کیا جا سکتا ہے کہ ابوسعید کو یہ قصہ سنانے کے لیے کوئی راست گفتار سامع میسر نہ ہوا بس یہ ابونضرہ کذاب ہی ان کے ہاتھ لگا۔

ابوسلمہ کی روایت

اس کی تخریج صرف امام احمد نے کی ہے قال حدثنا ابو نعیم ثنا الولید یعنی ابن عبد الله بن جمیع قال اخبرنی ابو سلمة عن ابی سعید الخدری قال اتی رسول الله ﷺ ابن صیاد و هو یلعب مع الغلمان قال اتشهد انی رسول الله قال هو اتشهد انی رسول الله فقال رسول الله ﷺ قد خبأت لک خبئا قال دخ. قال اخسأ فلن تعدو قدرک (مسند ۳ / ص ۸۲)

ابونعیم یعنی فضل بن دکین نے کہا کہ ہم سے ولید بن عبد اللہ بن جمیع نے بیان کیا کہ مجھے ابوسلمہ نے ابوسعید خدری سے روایت کر کے بتایا ابوسعید نے کہا رسول اللہ ﷺ ابن صیاد کے پاس آئے وہ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے جواب میں اس نے آپ سے کہا ''کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں'' فرمایا میں نے تجھ سے پوچھنے کے لیے دل میں ایک بات چھپائی ہے (بتا وہ کیا ہے) بولا دخ ہے۔ فرمایا دور ہو تو اپنے درجہ سے نہ بڑھ سکے گا۔

ابوسلمہ سے اس کی روایت صرف ولید بن عبد اللہ بن جمیع نے کی ہے جو ضعیف شیعی تھا اور ثقہ لوگوں کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے کا عادی تھا۔ ابن حبان نے اس کے متعلق لکھا ہے ''ینفرد عن الاثبات بما لایشبه حدیث الثقات فلما فحش ذلک منه بطل الاحتجاج به. بزار نے کہا ہے احتملوا حدیثه و کان فیه تشیع عقیلی کہتے ہیں فی حدیثه اضطراب۔ بخاری نے اس کے طریق سے کوئی حدیث درج صحیح نہیں کی۔ مسلم

نے اس کی روایت کردہ حدیثیں تخریج کی ہیں، حاکم نے کہا ہے لو لم یخرج له مسلم لکان اولی (تہذیب التہذیب)

یہ تو سند کے لحاظ سے اس میں کلام تھا اب متن کو لیجئے تو:

(۱) بھلا خود حضور ﷺ کو اس کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) اس کھلنڈرے نابالغ لڑکے سے آپ کا فرمانا" اتشهد انی رسول الله بے تکا اور باوقار طریق تبلیغ کے منافی ہے۔ آپ کو تو اللہ کا حکم تھا ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة۔

(۳) نہ ہی یہ کوئی معقول بات ہے کہ آپ نے امتحاناً اس سے فرمایا کہ قد خبات لک خبیئاً۔ جب کہ آپ قطعاً جانتے تھے کہ لا یعلم الغیب الا الله اور یہ کہ علیم بذات الصدور ہونا تو بس اللہ کی ہی صفت ہے۔

یہ روایت ولید بن عبداللہ بن جمیع کی ہی گھڑی ہوئی ہے ابوسلمہ کی بیان کردہ اور ابو سعید خدری سے سنی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ اسی لیے احمد کے علاوہ اور کسی نے اسے قابل التفات نہیں سمجھا۔

ابوالوداک کی روایت

ابوالوداک کا نام ونسب جبر بن نوف ہمدانی بکالی کوفی ہے۔ امام نسائی نے اس کے متعلق کہا ہے لیس بالقوی (تہذیب التہذیب) امام احمد نے کہا ہے۔

حدثنا عبد المتعال ثنا یحییٰ بن سعید الاموی ثنا مجالد عن ابی الوداک عن ابی سعید قال ذکر ابن صیاد عند النبی ﷺ فقال عمر انه یزعم انه لا یمر بشئ الا کلمه (مسند احمد ۳/ ص ۷۹)

ہم سے عبدالمتعال نے بیان کیا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید اموی نے بیان کیا کہ ہم سے مجالد بن سعید نے بیان کیا ابوالوداک سے روایت کرکے اس نے ابوسعید خدری سے روایت کی۔ ابوسعید نے کہا نبی ﷺ کے پاس ابن صیاد کا ذکر ہوا تو حضرت عمر نے کہا کہ ابن صیاد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جس چیز پر بھی اس کا گذر ہوتا ہے

وداس سے بات کرتی ہے۔

یہ روایت سند کے لحاظ سے بے حد ضعیف ہے۔مجالد بن سعید نہایت ضعیف و غیر معتبر راوی ہے۔اس کا شیخ ابوداک بھی ضعیف ہے اور اگر مجالد اور اس کے شیخ ابوالوداک سے اس کے بیان کرنے میں غلطی نہیں ہوئی ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب شریر یہودیوں کی سازش کے تحت ابن صیاد نے نبوت کا ڈھونگ باندھا تھا جیسا کہ میں شروع میں بیان کرآیا ہوں۔

---

(۴) ابن صیاد کے متعلق حضرت جابرؓ کی طرف منسوب حدیث

یہ حدیث ابوالزبیر محمد بن منکدر، ابوسلمہ و سالم بن ابی الجعد سے مروی ہے۔

ابوالزبیر کی روایت

ابوالزبیر کا نام محمد بن مسلم بن تدرس ہے۔ ثقہ تابعی ہیں بہت سی حدیثیں حضرت جابر سے بلاواسطہ سنی ہیں اور بہت سی بالواسطہ ابن صیاد کے متعلق ابوالزبیر کی روایت مسند امام احمد میں ہے۔

حدثنا محمد بن سابق ثنا ابراهيم بن طهمان عن ابى الزبير عن جابر بن عبد الله انه قال ان امراة من اليهود ولدت غلاما ممسوحة عينه طالعة ناتئة فاشفق رسول الله ﷺ ان يكون الدجال فوجده تحت قطيفة يهمهم فاذنته امه فقالت يا عبد الله هذا ابو القاسم قد جاء فاخرج اليه فخرج من القطيفة فقال لها رسول الله ﷺ مالها قاتلها الله لو تركته لبين. ثم قال يا ابن صياد ما ترى قال ارى حقا و ارى باطلا و ارى عرشا على الماء. قال فلبس عليه فقال رسول الله ﷺ آمنت بالله و رسله ثم خرج و تركه ثم اتاه مرة اخرى فوجده فى نخل له يهمهم فاذنته امه فقالت يا عبد الله هذا ابو القاسم قد جاء فقال رسول الله ﷺ ما لها قاتلها الله لو تركته لبين. قال (جابر) فكان رسول الله ﷺ يطمع ان يستمع من كلامه شيئا فيعلم هو هو ام لا. قال يا ابن صائد ما ترى: قال

اری حقا و اری باطلا و اری عرشا علی الماء. قال اتشهد انی رسول الله . قال هو اتشهد انی رسول الله فقال رسول الله ﷺ آمنت بالله و رسله فلبس علیه ثم خرج فترکه ثم جاء فی الثالثة او الرابعة و معه ابو بکر و عمر بن الخطاب فی نفر من المهاجرین و الانصار و انا معه. قال فبادر رسول الله ﷺ بین ایدینا و رجا ان یسمع من کلامه شیئا. فسبقته امه الیه فقالت یا عبد الله هذا ابو القاسم قد جاء . فقال رسول الله ﷺ ما لها قاتلها الله لو ترکته لبین. فقال یا ابن صیاد ما تری قال اری حقا و اری باطلا و اری عرشا علی الماء قال اتشهد انی رسول الله . قال اتشهد انت انی رسول الله فقال رسول الله ﷺ آمنت بالله و رسله فلبس علیه فقال له رسول الله ﷺ یا ابن صائد انا قد خبأنا لک خبیئا فما هو ؟ قال الدخ الدخ . فقال له رسول الله ﷺ اخسأ اخسأ فقال عمر بن الخطاب ؓ ائذن لی فاقتله یا رسول الله فقال ان یکن هو فلست صاحبه انما صاحبه عیسی بن مریم علیه الصلاة و السلام و ان لا یکن هو فلیس لک ان تقتل رجلا من اهل العهد. قال فلم یزل رسول ﷺ مشفقا انه الدجال. (مسند ۳/ص ۳۶۸)

ابوالزبیر نے حضرت جابر سے روایت کی ہے۔ جابر نے بیان کیا کہ یہود میں سے ایک عورت نے ایک لڑکا جنا۔ اس کی ایک آنکھ پر جالا پھرا ہوا تھا اور حلقہ سے اٹھی ہوئی ابھری ہوئی تھی۔ (غرضیکہ وہ قطعی کانا تھا) رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ وہ دجال ہو۔ حقیقت حال جاننے کے لیے آپ خود اس عورت کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ ایک چادر کے نیچے پڑا ہوا ہوں ہوں کر رہا ہے آپ کو دیکھ کر اس کی ماں نے اسے آگاہ کر دیا کہ اے عبداللہ یہ ابوالقاسم آئے ہیں نکل کر ان کے پاس جا تو وہ چادر سے نکل آیا۔ آپ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا۔ اس اللہ ماری عورت کو کیا ہوا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتی تو وہ اپنی حقیقت واضح کر دیتا۔ یعنی میں اس کی ہوں ہوں سن کر اس کی حقیقت جان لیتا پھر آپ نے اس سے فرمایا او صائد کے بیٹے تجھے کیا نظر آتا ہے؟ بولا میں ایک حق دیکھتا ہوں اور ایک باطل اور مجھے پانی پر بچھا ہوا ایک تخت نظر آتا

ہے۔ یہ کہہ کر ابن صیاد نے آپ کو گول مول بتائی (یعنی حق اور باطل اور تخت کی کوئی وضاحت نہیں کی) تب آپ نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جواب میں اس نے آپ سے کہا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ پھر آپ اسے چھوڑ کر نکل آئے۔ پھر آپ دوبارہ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ تو اسے کھجور کے ایک باغیچہ میں ہوں ہوں کرتا ہوا پایا۔ اس بار بھی اس کی ماں نے آپ کو دیکھ کر اسے خبردار کر دیا کہ اے عبد اللہ یہ ابو القاسم آ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس اللہ ماری عورت کو کیا ہوا؟ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتی تو وہ اپنی حقیقت واضح کر دیتا۔ جابر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خواہش رکھتے تھے کہ ابن صیاد کی کچھ بات سنیں تو جان لیں کہ وہ دجال ہے یا نہیں۔ پھر آپ کے اور اس کے درمیان وہی مکالمہ ہوا۔ آپ نے کہا او صائد کے بیٹے تجھے کیا نظر آتا ہے۔ بولا میں ایک حق دیکھتا ہوں اور ایک باطل اور مجھے پانی پر ایک تخت نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا أتشهد انی رسول الله جواب میں بولا اتشهد انی رسول الله۔ آپ نے فرمایا آمنتُ بالله و رسله. پس آپ نے بھی اس سے گول مول بات کہی۔ پھر آپ اسے چھوڑ کر نکل آئے۔ پھر تیسری یا چوتھی بار آپ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس مرتبہ آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر اور مہاجرین و انصار میں سے چند اشخاص تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس کے گھر کے قریب پہنچ کر آپ جھپٹ کر ہم سے آگے چلے گئے آپ کو امید ہوئی کہ آج اس کی کچھ بات سن لیں گے۔ اس کی ماں نے دیکھ لیا تو وہ آپ سے پہلے ہی اس سے جا کر بولی اے عبد اللہ یہ ابو القاسم آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس اللہ ماری کو کیا ہوا؟ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتی تو وہ اپنی حقیقت واضح کر دیتا۔ پھر آپ کے اور ابن صیاد کے درمیان وہی مکالمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا او صائد کے بیٹے تجھے کیا نظر آتا ہے۔ بولا میں ایک حق اور ایک باطل دیکھتا ہوں اور مجھے پانی پر ایک تخت نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا اتشهد انی رسول الله۔ وہ جواب میں بولا اتشهد انی رسول الله۔ آپ نے فرمایا آمنت بالله و رسله۔ اس طرح آپ نے گول مول بات کہی۔ پھر

آپ نے فرمایا صائد کے بیٹے ہم نے تجھ سے پوچھنے کے لیے دل میں ایک بات چھپائی ہے بتاوہ کیا ہے۔ بولا دخ ہے دخ ہے۔ فرمایا دور ہو دور ہو۔ حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ اسے قتل کردوں فرمایا اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کے قاتل نہیں ہو۔ اس کے قاتل تو حضرت عیسٰی بن مریم ہیں۔ اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تمہارے لیے جائز نہیں کہ معاہدین میں سے کسی مرد کو قتل کرو۔ جابر نے کہا ہے رسول اللہ ﷺ کو یقین تو نہیں مگر برابر اندیشہ رہا کہ ابن صیاد دجال ہو۔

ناظرین باور کریں کہ یہ حدیث شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ اور حضرت جابر کی بیان کی ہوئی نہیں ہے جس نے یہ حدیث گھڑی تھی وہ تو تھا ہی کوئی جہنمی تعجب اور افسوس تو ان راویوں پر ہے جنہوں نے عقل و فہم کو بالائے طاق رکھ کر اس کی روایت کرنے کا جرم کیا تھا حالانکہ اس کے غلط اور موضوع ہونے کی تصریح کیے بغیر اس کا نقل کرنا جائز نہ تھا۔ اس کے جھوٹ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ابن صیاد کی رسول اللہ ﷺ سے جو بات چیت ذکر کی گئی ہے اس کا صدور اسی بچے سے ہوسکتا ہے جو کم از کم نو دس سال کا ہو پس اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ابن صیاد اھ میں پیدا ہوا تھا تو نبی ﷺ سے یہ گفتگو اس نے ۹ھ یا ۱۰ھ میں کی ہوگی۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اس وقت مدینہ میں کوئی یہودی شخص نہ رہتا تھا۔ نہ مرد نہ عورت بجز ان معدودے چند اشخاص کے جو قبائل یہود میں سے مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ اوائل شوال ۳ھ یہود بنی قینقاع جلاوطن ہوئے جن میں عبداللہ بن صیاد کے ماں باپ یعنی صیاد یہودی اور اس کی بیوی بھی تھے۔ پھر یہود بنی نضیر ۴ھ میں جلاوطن کیے گئے پھر غزوہ احزاب کے بعد ۵ھ میں یہود بنی قریظہ لقمۂ شمشیر بنے بس ان کے نابالغ بچے اور عورتیں رہ گئیں جن کی مسلمانوں میں غلاموں اور باندیوں کی حیثیت سے تقسیم ہوگئی۔ اب کوئی بتائے کہ ابوالزبیر کی روایت کردہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور ابن صیاد کی ملاقات اور بات چیت کا جو ذکر ہے وہ کس سنہ میں ہوئی ہوگی...... اس سوال کا جواب یہی ہے کہ کسی سنہ میں بھی نہیں...... یہ ملاقات اور بات چیت قطعاً ایک ان ہونی چیز ہے اور خالص جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۲) پھر یہ کیسی حیرت کی بات ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ کی ابن صیاد سے تین یا چار بار ملاقات ہوئی لیکن ہر ملاقات میں دونوں کے درمیان یکساں سوال و جواب ہوا اور بغیر کسی ادنیٰ فرق کے یکساں بات چیت ہوئی۔ کیا واقعات کی دنیا میں ایسا ممکن ہے۔

(۳) اس میں مذکور ہے کہ پہلی اور دوسری ملاقات میں حضور ﷺ کے ساتھ کوئی نہ تھا آپ تنہا ابن صیاد کے گھر تشریف لے گئے تھے مگر تیسری یا چوتھی ملاقات میں آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر بھی تھے جابر بھی تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند اور اشخاص بھی۔ سوال یہ ہے کہ پہلی اور دوسری ملاقات کا ماجرا جابر کو کیسے معلوم ہوا۔ خود حضور ﷺ نے تو انہیں بتایا نہ تھا ورنہ جابر اس کا ذکر کرتے کہ آپ نے ہمیں یہ بتایا۔ تو کیا ابن صیاد یا اس کی ماں نے حضرت جابر کو اس سے آگاہ کیا تھا؟ یہ بھی نہیں تو پھر حضرت جابر کو کیسے علم ہوا؟ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس قصہ کے راوی سب ثقہ ہیں امام احمد نے محمد بن سابق ثقہ سے اس نے ابراہیم بن طہمان ثقہ سے اس نے ابوالزبیر ثقہ تابعی سے اس کی روایت کی ہے پھر اسے موضوع اور جھوٹ قرار دینا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ بے شک یہ سب راویان کرام ثقہ ہیں۔ ان میں سے کوئی جھوٹا نہ تھا۔ ان کی غلطی تو بس یہ ہے کہ اس کے معنی و مضمون میں غور نہیں کیا اور بے سوچے سمجھے اس کی روایت کر ڈالی۔ اصل بات یہ ہے کہ ابوالزبیر نے بہت سی حدیثیں حضرت جابر سے سنی تھیں اور بہت سی حدیثیں دیگر اشخاص سے سنی تھیں انہوں نے ابوالزبیر کو بتایا تھا کہ انہیں یہ حدیثیں حضرت جابر سے پہنچی ہیں۔ ابوالزبیر نے دونوں قسم کی حدیثیں اپنے صحیفۂ حدیث میں لکھ رکھی تھیں۔ دوسری قسم کی حدیثوں کو بیان کرتے ہوئے وہ ان اشخاص کا نام نہیں لیتے تھے جنہوں نے ابوالزبیر کو وہ بتائی یا سنائی تھیں۔ تہذیب التہذیب میں ابوالزبیر کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ لیث بن سعد مکہ آئے تو ابوالزبیر نے انہیں دو کتابیں دیں جن میں حضرت جابر سے مروی حدیثیں لکھی تھیں۔ لیث بن سعد نے دوبارہ ان کے پاس حاضر ہو کر پوچھا کہ کیا یہ سب حدیثیں آپ نے جابر سے سنی ہیں۔ ابوالزبیر نے

جواب دیا۔ ان میں وہ حدیثیں بھی ہیں جو میں نے براہ راست جابر سے نہیں سنیں دیگر اشخاص نے ان کے حوالہ سے بیان کی ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ میرے لیے ان حدیثوں کونشان زد کردیں جو آپ نے براہ راست و بلاواسطہ حضرت جابر سے سنی ہیں۔ابو الزبیر نے امام لیث بن سعد کی یہ گذارش قبول فرمالی۔(تہذیب التہذیب ج۹)

اب دیکھئے ابن صیاد کے متعلق ابوالزبیر کی روایت کردہ اس حدیث کی اسناد میں حدثنی یا اخبرنی جابر یا سمعت جابرا نہیں ہے بلکہ عن جابر ہے۔پس یہ حدیث ابوالزبیر کوحضرت جابر کے حوالہ سے کسی شخص نے سنائی تھی۔اورابوالزبیر نے اسے صحیح گمان کر کے اس کی روایت کردی۔ یہ اسی نامعلوم شخص کی گھڑی ہوئی ہے اسی نے غلط بیانی کر کے اسے حضرت جابر کی طرف منسوب کردیا تھا۔اسی علت کی وجہ سے ترمذی وابن ماجہ نے بھی اسے درخوراعتنا نہیں سمجھا بخاری ومسلم کا توذکر ہی کیا۔

محمد بن منکدر کی روایت

صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داؤد میں ہے۔محمد بن منکدر نے کہا

رأیت جابر بن عبداللہ یحلف باللہ ان ابن الصائد الدجال. قلت تحلف باللہ قال انی سمعت عمر یحلف علی ذلک عند النبی ﷺ (صحیح البخاری ص ۱۰۹۳ کتاب الاعتصام باب من رأی ترک النکیر من النبی ﷺ حجة لامن غیرہ صحیح مسلم طبع الهند ۲ ص ۳۹۸، سنن ابی داؤد کتاب الملاحم. ذکر ابن صیاد)

حضرت جابر اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ ابن صائد دجال ہے۔ میں نے کہا آپ اس پرقسم کھارہے ہیں بولے میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس عمر کو یہ قسم کھاتے ہوئے سنا ہے۔"یعنی اگر یہ بات غلط یا مشکوک ہوتی تو رسول اللہ ﷺ عمر بن خطاب کوضرور ٹوکتے۔منع فرماتے کہ قسم کھا کر نہ کہو۔

دجال کے معنی ہیں فریب کار، جھوٹا مدعی، قصداً غلط بات کوصحیح باور کرانے کی کوشش کرنے والا۔آغاز امر میں ابن صیاد یقیناً ایک دجال تھا۔فتنہ گر یہودیوں کے کہنے میں اگر

اس نے نبوت کا ڈھونگ رچایا تھا اور یہود نے لوگوں کو اس کا معتقد بنانے کی زبردست کوشش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ابن صیاد اور یہود کی یہ فریب کاری قطعاً ناکام ہوئی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کے پاس قسم کھا کر ابن صیاد کو جو دجال بتایا تھا تو انہوں نے قطعاً صحیح کہا تھا لیکن مدینہ سے نکل جانے کے بعد ابن صیاد نے پھر کہیں یہ فریب کاری نہیں کی پھر مدینہ منورہ آ کر شریف مسلمان آدمی کی طرح اس نے زندگی گذاری حضرت عمر کی اس قسم کی بنا پر یہ سمجھ لینا کہ ابن صیاد ہی وہ دجال تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے مسیح الدجال بتایا ہے نری زیادتی اور غلط فہمی ہے۔

ابوسلمہ والی راویت

اس کو تخریج کرنے کی شدید احمقانہ غلطی ابوداؤد سجزی نے کی ہے۔ اس کا ذکر کرنے سے پہلے میں یہ بتادوں کہ ایک صحابیہ عورت تھی فاطمہ بنت قیس چند غپ شپ بیان کرنے اور اللہ سے نہ ڈرنے والے افسانہ بازوں نے اس کے حوالے سے مسیح دجال کے متعلق ایک حدیث وضع کرنے اور لوگوں میں پھیلانے کا گناہ کمایا تھا اسے حدیث الجساسۃ کہا جاتا ہے اس میں مذکور ہے کہ مسیح دجال زنجیروں میں جکڑا ہوا کسی جزیرے میں ایک مکان کے اندر مقید ہے۔ وقت آنے پر اس کی زنجیریں کھول دی جائیں گی۔ وغیرہ وغیرہ

امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہ جھوٹی کہانی ثبت فرمادی تھی۔ اس کے مفصل ذکر اور اس پر مدلل بحث کا مقام ''صحیح مسلم کا مطالعہ'' نامی کتاب ہے۔ سردست تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ولید بن عبداللہ بن جمیع نے جس کا ذکر چند صفحات پہلے گذر چکا ہے کسی سے فاطمہ بنت قیس والی حدیث جساسہ سنی تھی ولید نے اللہ کی گرفت سے بے پروا ہو کر اس کے لیے دوسری سند گھڑ لی اور اسے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی طرف منسوب کردیا اور صاحب سنن امام ابوداؤد سجزی نے اسے اپنی کتاب میں ثبت فرمادیا۔ ابوداؤد نے لکھا ہے۔

حدثنا واصل بن عبد الاعلی اخبرنا ابن فضیل (محمد) عن الولیدبن عبد اللہ بن جمیع عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن عن جابر قال قال رسول اللہ ذات یوم علی المنبر بینما اناس یسیرون فی البحر فنفذ

طعامهم فرفعت لهم جزيرة فخرجوا يريدون الخبز فلقيتهم الجساسة. فقلت لابی سلمة ما الجساسة ؟ قال امرأة تجر شعر جلدها و راسها قالت فی القصر رجل فذکر الحدیث . قال ابو سلمة للولید هو المسیح . فقال لی ابن ابی سلمة شهد جابر انه هو ابن صائد قلت انه قد مات قال و ان مات قلت فانه قد اسلم قال و ان اسلم قلت فانه قد دخل المدینة قال و ان دخل المدینة. (سنن ابی داؤد کتاب الملاحم خبر الجساسة حدیث ۵)

اس حدیث میں جساسہ کا قصہ تو ولید بن عبداللہ بن جمیع کا گھڑا ہوا نہیں ہے البتہ اس نے اس کی اسناد گھڑی تھی۔ نہ یہ حضرت جابر کا بیان کیا ہوا ہے نہ ابوسلمۃ کا روایت کیا ہوا۔ اس قصہ کی روایت کو ابوسلمہ کے سر منڈھ کر اس نے ابوسلمہ کے فرزند عمر پر دروغ بافی کی کہ عمر بن ابی سلمہ نے مجھے بتایا کہ حضرت جابر نے کہا کہ وہ کس جزیرہ کے قصر میں زنجیروں میں جکڑا ہوا شخص ابن صیاد ہے۔ وہی المسیح الدجال ہے جو آخر زمانہ میں خروج کرنے والا ہے۔ پھر اس خبیث ولید نے یہ بیان کیا ہے کہ مجھے عمر بن ابی سلمہ کی بات سن کر تعجب ہوا میں نے کہا ابن صیاد تو مر چکا ہے نیز وہ مسلمان ہو چکا تھا نیز وہ مدینہ کے اندر رہنے بسنے والا تھا۔ ان حقائق کے باوجود ابن صیاد وہ دجال کیسے ہوسکتا ہے جو جزیرے میں مقید ہے۔ لیکن عمر بن ابی سلمہ نے اصرار کیا کہ گو ابن صیاد مر چکا ہے گو وہ مسلمان تھا گو وہ مدینہ میں داخل تھا۔ بہر کیف وہی مسیح دجال ہے اور وہی جزیرے میں مقید ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قطعاً نامعقول ہے کہ مر جانے کے بعد کوئی شخص مقید ہو۔ پھر اسے دنیا میں فتنہ وفساد پھیلانے اور اہل عالم کو گمراہ کرنے کے لیے اللہ آزاد کر کے بھیجے۔ میں کہتا ہوں کہ عمر ابن ابی سلمہ صالح و پرہیز گار علمائے حق میں سے تھے۔ مدینہ منورہ کے قاضی بھی رہے۔ وہ ایسے نہ تھے کہ حضرت جابر پر یا کسی اور پر دروغ بافی کرتے ولید بن عبداللہ بن جمیع نے ہی ان پر یہ افتراء پردازی کی تھی۔

اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ ابو داؤد نے سنن میں یہ قطعاً جھوٹی روایت کیوں درج کی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی کذاب رافضی نے سنن ابی داؤد میں کتاب الملاحم اور کتاب المہدی کا اضافہ کر دیا ہو۔

سالم بن ابی الجعد کی روایت

ابو داؤد نے ہی احمد بن ابراہیم سے اس نے عبید اللہ بن موسیٰ عبسی سے اس نے شیبان بن عبدالرحمٰن نحوی سے اس نے اعمش سے اس نے سالم بن ابن ابی الجعد نے اس نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ فقدنا ابن صیاد یوم الحرۃ (سنن ابی داؤد کتاب الملاحم ۔ ذکر ابن صاید حدیث ۴) یعنی خلیفہ یزید بن معاویہ کے حکم سے باغی اہل مدینہ کے برخلاف جو فوج کشی ہوئی تھی اور بہت سے لوگ مدینہ سے متصل سنگستان میں جسے حرہ کہتے ہیں قتل ہوئے تھے۔ تو ابن صیاد اس دن سے نہ مدینہ میں نظر آیا نہ کسی اور جگہ اس کے ہونے کا سراغ لگا۔

اغلب یہ ہے کہ وہ بھی اس موقع پر قتل ہو گیا تھا۔ مقتولین میں سے ہر ایک کی لاش تو جابر دیکھتے نہ پھرے ہوں گے نہ ہی حضرت جابر کی ابن صیاد سے کوئی قرابت داری تھی کہ اس کی تلاش کرتے۔ اہل مدینہ جب شکست کھا کر بھاگ نکلے تو ہتھیار ڈال کر امان طلب کر لی امیر لشکر مسلم بن عقبہ نے انہیں امان دے دی اور مقتولین کو بڑا سا گڑھا کھدوا کر دفن کرا دیا۔

---

(۵) ابن صیاد کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی حدیث

یہ حدیث ایوب بن تمیمہ سختیانی عبداللہ بن عون اور ابن شہاب زہری سے اور موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے۔ ایوب کی روایت صحیح مسلم و مسند احمد میں ہے۔

مسلم نے لکھا ہے:

حدثنا عبد بن حُمید ناروح بن عبادۃ ناھشام (الدستوائی) عن ایوب عن نافع قال لقی ابن عمر ابن صیاد فی بعض طرق المدینۃ فقال لہ قولا اغضبہ فانتفخ حتی ملأ السکۃ . فدخل ابن عمر علی حفصۃ و قد بلغھا فقالت لہ رحمک اللہ ما اردت من ابن صیاد . اما علمت ان رسول

الله ﷺ قال انما يخرج من غضبة يغضبها (صحيح مسلم طبع الهند م ص ۳۹۹ ، کتاب الفتن ۔ ذکر ابن صیاد)

ہشام نے ایوب سے اور اس نے نافع سے روایت کی ہے کہ نافع نے ذکر کیا کہ مدینہ کی کسی گلی میں عبداللہ بن عمر اور ابن صیاد کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ ابن عمر نے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے ابن صیاد غصہ میں اس قدر پھول گیا کہ گلی بھر دی یعنی گلی کی چوڑائی میں اس کا بدن بھر گیا۔ اس کے بعد ابن عمر اپنی بہن ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ انہیں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ بولیں اللہ تجھ پر رحم کرے۔ ابن صیاد سے تیرا کیا مطلب تھا: کیا تجھے علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کا خروج غصہ کی وجہ سے ہی ہوگا جو اسے کسی بات پر آ جائے گا۔ ہشام نے وہ بات بیان نہیں کی جس سے ابن صیاد کو غصہ آیا تھا۔ اس کا ذکر حماد بن سلمہ کی روایت میں ہے جو مسند احمد میں ہے حماد نے اس کی اسناد میں ایوب کے ساتھ فقیہ المدینہ عبیداللہ بن عمر بن حفص کا بھی ذکر کیا ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ:

حدثنا سریج و عفان و یونس قالوا حدثنا حماد بن سلمة عن ایوب و عبید الله عن نافع عن ابن عمر انه رأی ابن صائد فی سکة من سکک المدینة فسبه ابن عمر و وقع فیه فانتفخ حتی سد الطریق فضربه ابن عمر بعصا کانت معه حتی کسرها علیه ۔ فقالت له حفصة ما شانک و شانه ؟ ما یولعک به اما سمعت ان رسول الله ﷺ یقول انما یخرج الدجال من غضبة یغضبها۔ (مسند ٦ ص ۲۸۳ احادیث حفصة رضی الله عنها)

حماد بن سلمہ نے ایوب و عبیداللہ سے ان دونوں نے نافع سے اس نے اپنے آقا عبداللہ بن عمر کے متعلق روایت کی کہ ابن عمر نے مدینہ کی ایک گلی میں ابن صیاد کو دیکھا تو اسے گالی دی اور اس کے متعلق بدکلامی کی۔ وہ غصہ میں بھر کر اس قدر پھولا کہ راستہ بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر ابن عمر نے لاٹھی سے جو ان کے ہاتھ میں تھی اس کی خبر لی یہاں تک کہ مارتے مارتے اس پر لاٹھی توڑ دی۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ قصہ معلوم ہوا تو بھائی کو ڈانٹا اور سمجھایا کہ تیرا ابن صیاد سے کیا لینا دینا۔ اس سے بھڑنے کی کیا ضرورت

ہے کیا تو نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ دجال تو ایک غصہ کے باعث ہی نکلے گا جو اسے کسی بات پر آئے گا۔ ہشام کی روایت میں جو گرہ تھی حماد بن سلمہ کی روایت نے اسے کھول دیا لیکن کیا یہ باور کرنے کے لائق بات ہے کہ عبداللہ بن عمر جیسا صالح و متقی اور کریم بن کریم صحابی بلاوجہ کسی مسلمان کو گالی بکے پھر ناحق مارتے مارتے اس پر لاٹھی توڑ ڈالے؟ اگر نافع نے یہ ان ہوا قصہ بیان کیا تھا تو انہیں اس کا علم کیسے ہوا۔ وہ نہ خود ابن عمر کے ساتھ تھے۔ نہ ابن عمر کے ساتھ ام المومنین حضرت حفصہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے نہ ابن عمر نے انہیں یہ قصہ سنایا تھا۔ کسی یاوہ گو نے نافع کی طرف منسوب کر کے ایوب و عبیداللہ کو یہ قصہ بتا دیا تھا اسی لیے انہوں نے اسے بیان کرتے ہوئے حدثنا یا اخبرنا نافع یا سمعنا نافعا نہیں کہا۔ عن نافع کہا ہے۔ الغرض یہ قصہ سراسر غلط ہے اور اس میں ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے جو حدیث نبوی پیوند کی گئی ہے وہ بھی بالکل غلط اور موضوع ہے۔ کسی بھی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل نہیں کیا ہے کہ دجال کسی کی بات پر غصہ میں آ کر خروج کرے گا۔ اس قصہ کو گھڑنے والے شخص نے لوگوں کو دراصل یہ باور کرانا چاہا تھا کہ حضرت ام المومنین حفصہ بھی ابن صیاد کو دجال سمجھتی تھیں۔ اور میں شروع میں ہی بیان کر آیا ہوں کہ تابعین کے عہد میں جھوٹے لوگوں کا ایک گروہ تھا جو جھوٹی روایات گھڑ کر ابن صیاد کو مسیح دجال ثابت کرنا چاہتا تھا۔

عبداللہ بن عون کی روایت

اور سنئے عبداللہ بن عون بن ارطبان نے بھی نافع سے اس کی روایت کی ہے۔ اسے بھی امام مسلم نے بے سوچے سمجھے درج صحیح فرما دیا ہے۔ احمد نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ کہتے ہیں

> حدثنا روح بن عبادة ثنا ابن عون عن نافع عن ابن عمر قال لقيت ابن صائد مرتين. فاما مرة فلقيته و معه بعض اصحابه. فقلت لبعضهم نشدتكم بالله ان سألتكم عن شئ لتصدقني قالوا نعم. قلت اتحدثوني انه هو؟ قالوا لا (یہ عبارت غلط ہے عبارت یہ ہونی چاہئے) احدثتموني انه هو. قالوا لا. قلت كذبتم و الله لقد حدثني بعضكم و هو يومئذ اقلكم مالا و

ولدا انه لا یموت حتی یکون اکثر کم مالا و ولدا و هو الیوم کذلک.
قال فتحدثنا ثم فارقته.

عبداللہ بن عون نے نافع سے روایت کی نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر نے ذکر کیا کہ میں ابن صیاد سے (جب وہ مدینہ آ کر رہنے لگا تھا) دو بار ملا ہوں۔ پہلی بار ملاقات ہوئی تو اس کے ساتھ اس کے ملنے جلنے والے تھے تو میں نے ان میں سے کسی سے کہا میں تم لوگوں کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں اگر میں تم سے کسی چیز کے متعلق دریافت کروں تو تم مجھ سے سچ بولو گے۔ بولے جی ہاں۔ میں نے کہا تم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ وہ وہی ہے (یعنی تم نے اس ابن صیاد کے متعلق مجھے بتایا تھا کہ وہی مسیح دجال ہے) بولے جی نہیں ہم نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا۔ میں نے کہا تم نے غلط کہا بخدا تم میں سے کسی نے مجھے بتایا تھا اور اس وقت وہ یعنی ابن صیاد مال و اولاد کے لحاظ سے تم میں سب سے کم تر تھا۔ کہ وہ نہیں مرے گا تاوقتیکہ مال و اولاد کے لحاظ سے تم میں سب سے زیادہ ہو جائے اور وہ آج ایسا ہی ہے ابن عمر نے کہا کہ کچھ دیر ہم نے بات کی پھر میں اس سے الگ ہو گیا (میں کہتا ہوں کہ اس اول جلول بات کا مطلب نہ میری سمجھ میں آیا نہ کسی اور کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ آخر حضرت ابن عمر ابن صیاد کے ساتھیوں سے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے اور جو انہیں بتایا کہ تم میں سے کسی نے مجھ سے کہا تھا جب کہ وہ مفلس و بے نوا تھا "انه لا یموت حتی یکون اکثر کم مالا و ولدا و هو الیوم کذلک" تو اس کا کیا مطلب ہوا کیا ابن عمر کو اس پر تعجب ہو رہا تھا کہ وہ ابھی تک زندہ کیوں ہے جب کہ خوب مال دار اور صاحب اولاد ہو چکا ہے اور کیا ابن عمر نے اس شخص کے کہنے پر یقین کر لیا تھا اور سمجھ لیا تھا کہ مال و اولاد ہوتے ہی ابن صیاد مر جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اس پوری بات میں ذرا بھی معقولیت نہیں ہے محض مہمل بات ہے۔

اس کے بعد ابن عون کی اس روایت میں ہے کہ ابن عمر نے نافع کو بتایا

ثم لقیته مرة اخری و قد تغیرت عینه (مسلم کی روایت میں ہے) وقد نفرت عینه) فقلت متی فعلت عینک ما اری قال لا ادری. قلت ما تدری و هی فی راسک. فقال ما ترید منی یا ابن عمران شاء الله تعالیٰ ان

يخلقه في عصاک هذه خلقه و نخر کاشد نخير حمار سمعته قط فزعم بعض اصحابي اني ضربته بعصا کانت معي حتى تکسرت و انا فوالله ما شعرت قال (نافع) فدخل (ابن عمر) على اخته حفصة فاخبرها فقالت ما تريد منه ؟ اما علمت انه قال تعني رسول الله ﷺ ان اول خروجه على الناس من غضبة يغضبها (مسند ٦ ص ٢٨٤ صحيح مسلم ٢ ص ٣٩٩ طبع الهند)

یعنی دوبارہ میری ابن صیاد سے ملاقات ہوئی دیکھا تو اس کی ایک آنکھ کی حالت غیر ہوگئی ہے۔ اوپر کو ابھری ہوئی اور سوجی ہوئی ہے۔ میں نے کہا تیری آنکھ میں یہ تغیر کب ہوا؟ بولا میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا تو نہیں جانتا حالانکہ وہ تیرے سر میں ہے۔ بولا اے عمر کے بیٹے تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اگر اللہ چاہے کہ تیری لاٹھی سے ایسی ہی آنکھ پیدا فرمائے تو پیدا کر دے گا۔ اور اس نے گدھے کی طرح بڑی زور سے چنگھاڑ ماری تب بقول میرے بعض ساتھیوں کے میں نے اسے اپنی لاٹھی سے مارا۔ یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئی۔ لیکن خود مجھے اس کا پتہ نہیں کہ میں نے اسے مارا تھا۔ نافع کا بیان ہے کہ اس مار پیٹ کے بعد حضرت ابن عمر نے اپنی بہن ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جا کر انہیں یہ واقعہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا۔ بھیا تیرا اس سے کیا مطلب کیا تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں پر دجال کے خروج کا آغاز غصہ سے ہی ہوگا جو اسے کسی پر آئے گا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی بات ہے۔

یہ روایت قطعاً ان روایات کے خلاف ہے جن میں مذکور ہے کہ ابن صیاد پیدائشی کانا تھا۔ اور اس میں ایک بالکل غیر معقول بات مذکور ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عمر نے ابن صیاد کو پیٹتے پیٹتے اپنی لاٹھی کو توڑ دی اور وہ اسے زدوکوب کرنے سے قطعاً بے خبر رہے۔ پھر ایوب کی روایت میں یہ ہے کہ ابن عمر کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت حفصہ کو اس کی خبر ہوگئی تھی۔ اور ابن عون کی اس روایت میں ہے کہ خود ابن عمر نے حضرت حفصہ کو اس قصہ سے آگاہ کیا تھا۔ بہرکیف ابن عون کی روایت ساقط الاعتبار ہے۔ عبداللہ بن عون اہل سنت میں سے تھے شیعی یا رافضی نہ تھے لیکن بدحفظ تھے۔ سنی ہوئی باتیں انہیں ٹھیک یاد نہ رہتی تھیں۔ عموماً

کچھ کا کچھ بیان کر دیتے تھے۔ اس روایت میں بھی ایسی ہی ہوا ہے کہ موصوف کو اچھی طرح یاد نہ رہا کہ نافع نے کیا کہا تھا۔

زہری کی روایت

اس کی تخریج بخاری و مسلم و احمد و ترمذی نے کی ہے مطبوعہ قط اول "صحیح بخاری کا مطالعہ" ۳۰ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے اس حدیث کا نمبر ۳۱ ہے۔

یونس بن یزید ایلی نے زہری سے روایت کی ہے:

قال اخبرنی سالم بن عبد الله ان ابن عمر اخبره ان عمر انطلق مع النبی ﷺ فی رهط قبل ابن صیاد حتی وجد وه یلعب مع الصبیان عند اطم بنی مغالة و قد قارب ابن صیاد الحلم فلم یشعر حتی ضرب النبی ﷺ بیده ثم قال لابن صیاد اتشهد انی رسول اله فنظر الیه ابن صیاد فقال اشهد انک رسول الامیین.فقال ابن صیاد للنبی ﷺ اتشهد انی رسول الله فرفضه و قال آمنت بالله و برسله. فقال له ماذا تری؟ قال یأتینی صادق و کاذب. فقال اخسافلن تعدو قدرک. فقال عمر دعنی یا رسول الله اضرب عنقه فقال النبی ﷺ ان یکن هو فلن تسلط علیه و ان لم یکن هو فلا خیر لک فی قتله و قال سالم سمعت ابن عمر یقول ثم انطلق بعدذلک رسول الله و ابی بن کعب الی النخل التی فیها ابن صیاد و هو یختل ان یسمع من ابن صیاد شیئا قبل ان یراه ابن صیاد. فراه النبی ﷺ و هو مضطجع فی قطیفة له فیها زمرة فرأت ام ابن صیاد رسول الله ﷺ و هو یتقی بجذوع النخل فقالت لابن صیاد یا صاف. و هو اسم ابن صیاد. هذا محمد فثار ابن صیاد. فقال النبی ﷺ لو ترکته بین(صحیح بخاری ص ۱۸۱ کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه شعیب بن ابی حمزہ نے بھی زہری سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے مگر شعیب کی روایت کے آخر میں ہے فتناهی ابن صیاد قال النبی ﷺ لو ترکته بین (صحیح بخاری ص ۹۱۲ کتاب الادب باب قول الرجل للرجل اخسأ و ۳۵۹ کتاب الشهادات باب شهادة المختبئ)

عقیل بن خالد نے بھی زہری سے اسی اسناد کے ساتھ مگر صرف ابی بن کعب کے ساتھ تشریف لے جانے کا قصہ (صحیح بخاری ص ۴۲۵ کتاب الجہاد)

باب ما یجوز من الحذر والاحتیال مع من تخشی معرته

صالح بن کیسان نے بھی زہری سے اسی اسناد کے ساتھ دونوں قصے۔ عمر کا بھی اور ابی بن کعب کا بھی (صحیح مسلم م ص ۳۹۸ طبع الہند مسند م ص ۱۴۹)

یونس و شعیب و عقیل و صالح بن کیسان کی اسناد کے مطابق زہری نے سالم سے اس نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر اور چند دیگر اشخاص کے ساتھ ابن صیاد کی طرف تشریف لے گئے۔ بنی مغالہ کے ٹیلے کے پاس اسے لڑکوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا (بنی مغالہ یہود بنی قینقاع میں سے ایک خاندان تھا) اور وہ بلوغ کے قریب پہنچ گیا تھا (یعنی ۱۱۔۱۲ سال کا مراہق لڑکا تھا) اسے حضور ﷺ کے آجانے کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر اسے متوجہ کیا پھر آپ نے اس سے فرمایا کیا تو اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ابن صیاد نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ امیین یعنی اہل عرب کے رسول ہیں۔ (مدینہ کے اکثر یہود آپ کے متعلق اسی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ ابن صیاد نے اپنے بڑوں سے یہی سنا تھا) پھر وہ بولا کیا آپ اقرار کرتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں آپ نے اسے چھوڑ کر فرمایا ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا تجھے کیا نظر آتا ہے؟ بولا میرے پاس ایک جھوٹا آتا ہے اور ایک سچا۔ یعنی مجھے دو غیبی ہستیاں دکھائی دیتی ہیں ان میں سے ایک کی بتائی ہوئی باتیں سچ ثابت ہوتی ہیں اور ایک کی بتائی ہوئی باتیں غلط نکلتی ہیں۔ فرمایا تجھ پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے تجھ پر کوئی فرشتہ نہیں اترتا۔ اللہ بندوں کو اشتباہ والتباس میں نہیں ڈالتا اللہ کی طرف سے آئی اور فرشتہ حق کی بتائی ہوئی ہر بات حق ہوتی ہے تیری باگ ڈور تو شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی بتائی ہوئی بات اندھے کی لاٹھی ہے۔ کبھی لگ گئی کبھی نہ لگی۔ پھر آپ نے فرمایا (کہا جاتا ہے کہ تو دل کی بات بتا دیتا ہے) میں نے تجھ سے پوچھنے کے لیے ایک چیز دل میں چھپائی ہے (بتا وہ کیا

ہے)بولا وہ دخ ہے(دخ ایک گھاس کو کہتے ہیں جو باغ میں اگ آتی ہے)فرمایا۔دور ہوتو اپنی حد سے تجاوز نہ کر سکے گا۔حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے اس کی گردن مار دینے دیجئے ۔فرمایا اگر یہ وہ ہو یعنی مسیح دجال ہوتو تم اس پر قابو نہ پاسکو گے(کیونکہ اسے تو حضرت مسیح بن مریم کے ہاتھ سے قتل ہونا ہے)اور اگر یہ وہ نہ ہوتو اسے قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود عبداللہ بن عمر تو اس موقع پر آپ کے ساتھ تھے نہیں ۔ہوتے تو ضرور بتاتے کہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا اور جب وہ آپ کے ساتھ نہ تھے تو انہیں یہ سب باتیں کس سے معلوم ہوئیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ابن صیاد سے یہ بات چیت ہوئی عمر نے اسے قتل کرڈالنے کی اجازت چاہی تو آپ نے یہ جواب دے کرانہیں اس سے باز رکھا۔ابن عمر کواس سے نہ رسول اللہ ﷺ نے آگاہ کیا نہ ان کے والد حضرت عمر نے نہ کسی اور شخص نے ۔لامحالہ یہ ابن عمر کی بیان کی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ نہ ہی سالم ایسے تھے کہ اپنے والد کی طرف ان کہی بات بیان کرنے کی نسبت کرتے ۔یقیناً یہ زہری کی غلط بیانی ہے۔جیسا کہ میں ابھی اس کو مدلل طور سے واضح کردوں گا انشاءاللہ معمر نے بھی زہری سے اس کی روایت کی ہے۔معمر سے ہشام بن یوسف صنعانی نے (**صحیح بخاری ص ۴۲۹ کتاب الجهاد باب کیف یعرض الاسلام علی الصبی**)اور عبد اللہ بن مبارک نے(**صحیح بخاری ۹۷۹ کتاب القدر باب یحول بین المرء و قلبه**)اور عبدالرزاق نے(**سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خبر ابن صیاد**)مسند احمد(ج ۲ص ۱۴۸وص ۱۴۹)

ہشام وابن مبارک کی روایت تو سند ومتن کے لحاظ سے یونس وشعیب وغیرہ کی طرح ہے۔ ہشام کی روایت تام ہے اس میں دونوں قصے مذکور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمر وغیرہ کے ساتھ ابن صیاد کے پاس جانا اور گفتگو کرنا جب کہ وہ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا پھر آپ کا ابی بن کعب کے ساتھ جانا تا کہ آپ چھپ کر ابن صیاد کی بات سن سکیں مگر اس کی ماں کا اسے آگاہ کردینا۔مگر ابن مبارک کی روایت مختصر ہے۔رہے عبد الرزاق تو ان کی روایت سند ومتن میں اضافہ رکھتی ہے۔سند کا اضافہ یہ ہے ”**عن معمر**

عن الزهری عن سالم او عن غیر واحد قال قال ابن عمر انطلق رسول الله ﷺ و ابی بن کعب ۔ الخ (مسند۲ص ۱۴۹) زہری نے سالم سے یا چند اشخاص سے روایت کی کہ ابن عمر نے ذکر کیا۔ الخ

یہ اسناد بتاتی ہے کہ زہری کو ٹھیک یاد نہ تھا کہ عبداللہ بن عمر کی بیان کردہ یہ حدیث موصوف کو سالم سے پہنچی تھی یا سالم کے علاوہ دیگر اشخاص سے۔ یہ ہے زہری کی اصل اسناد۔ اور جب زہری نے یہ حدیث یونس بن یزید وعقیل وشعیب وصالح بن کیسان کو سنائی تھی تب اسناد سے اوعن غیر واحد ساقط کر دیا تھا عن سالم عن ابن عمر کہا تھا۔ یہ لوگ دھوکے میں آ گئے کہ زہری نے یہ حدیث سالم سے سنی تھی لہذا بالکل صحیح ہے۔ حالانکہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ یہ حدیث زہری نے کس سے سنی تھی۔ سالم سے سننے کا انہیں صرف گمان تھا یقین نہ تھا۔ زہری نے اپنے گمان اور شک کو یقین کا درجہ دے کر اس کی روایت کر ڈالی۔ اپنی روایات کو لوگوں میں پھیلانے کی خاطر اس طرح کی تلبیسات زہری کر گزرتے تھے۔

اور عبدالرزاق کی روایت میں متن کا اضافہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل میں سورۃ الدخان کی آیت یوم تأتی السماء بدخان مبین چھپائی تھی۔ آیت کے کلمات ابن صیاد کی زبان پر نہ آ سکے اس لیے وہ دخ دخ کر کے رہ گیا (مسند احمد ۲ ص ۱۴۸ سنن ابی داؤد کتاب الملاحم)

لیکن زہری کے تلامذہ کی روایات میں آیت کا ذکر نہیں۔ زہری سے یہ حدیث یونس، شعیب، عقیل، صالح بن کیسان اور معمر نے روایت کی ہے یونس وشعیب وعقیل وصالح نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔ اور معمر سے ہشام وابن مبارک وعبدالرزاق نے روایت کی ہے ہشام وابن مبارک کی روایت میں بھی آیت کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے یہ ہی سمجھ میں آتا ہے کہ آیت کا ذکر عبدالرزاق کا ادراج اور غلط اضافہ ہے۔

درایت کا فیصلہ یہ ہے کہ زہری کی روایت کی ہوئی اس حدیث میں دونوں قصے قطعاً غلط ہیں نہ ابن صیاد سے ملنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نہ حضرت عمر وغیرہ کے ساتھ گئے تھے نہ چوری چھپے اس کی بات سننے کے لیے ابی بن کعب کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ رسول

اللہ ﷺ کا ایک نابالغ یہودی بچہ سے ملنے کے لیے جانا اور اس سے اس انداز سے بات کرنا جیسے ہم عمر لوگوں سے بات کی جاتی ہے اور اس سے پوچھنا کہ تجھے کیا نظر آتا ہے اور اس کا امتحان لینے کے لیے دل میں چھپا کر کوئی بات پوچھنا۔ قطعاً مستبعد اور غیر معقول ہے۔ اور چھپ چھپ کر اس کی بات سننے کی سعی کرنا آپ کی متانت اور شانِ بلند سے کوئی میل رکھنے والی چیز نہیں ہے نہ معلوم زہری نے یہ قصے کس یاوہ گو سے سن لیے تھے۔ لیکن سالم بن عبداللہ بن عمر سے تو قطعاً نہیں سنے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ کی روایت

ابوداؤد نے لکھا ہے

حدثنا قتيبة نايعقوب بن عبد الرحمن عن موسى بن عقبه عن نافع قال كان ابن عمر يقول و الله ما اشك ان المسيح الدجال ابن صياد
(كتاب الملاحم . ذكر ابن صائد)

موسیٰ نے نافع سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمر اللہ کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ میں اس میں شک نہیں کرتا کہ مسیح دجال ابن صیاد ہی ہے۔''

ابوداؤد کے علاوہ کسی اور محدث نے حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ قول نقل نہیں کیا۔ لیکن یہ ان کا قول نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ نہایت متقی و بلند پایہ صحابی تھے۔ اٹکل پچو بات کہنے والے۔ یا گمان کو یقین کا درجہ دینے والے نہ تھے۔ ان کے سامنے ہی ابن صیاد نے مدینہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی عمر کے آخری کئی سال گذارے تھے۔ جب وہ مدینہ آکر رہا تھا تب ہی حضرت ابن عمر مسلمانوں کو بتا دیتے کہ یہ شخص دجال ہے۔ ابن عمر کی بات بے وزن نہ تھی۔ اہل مدینہ جو سب کے سب اہل اسلام تھے اور ان میں ہنوز بہت سے وہ حضرات بھی تھے جو صحبتِ نبوی کا شرف رکھتے تھے ابن صیاد کا مدینہ میں رہنا کبھی گوارا نہ کرتے۔ سنن ابی داؤد ہجری میں موجود حضرت ابن عمر کی طرف منسوب یہ قول میرے اس خیال کا مؤید ہے کہ کتاب الملاحم اور کتاب المہدی سنن ابی داؤد میں الحاقی ہیں۔ کسی رافضی کا اضافہ ہیں۔

(۶) ابن صیاد کے متعلق عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب حدیث

امام مسلم نے عثمان بن ابی شیبہ واسحاق بن ابراہیم سے انہوں نے جریر بن عبدالحمید سے اس نے اعمش سے روایت کی ہے اس نے شقیق بن سلمہ ابووائل سے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہمارا گذر چند بچوں پر ہوا ان میں ابن صیاد بھی تھا سب بچے آپ سے شرما کر بھاگ گئے ابن صیاد وہیں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بے حیائی اچھی نہ لگی۔ آپ نے اس سے فرمایا کیا تو اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ بولا نہیں بلکہ آپ اقرار کریں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس دریدہ دہنی پر حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اسے قتل کر دینے دیجئے فرمایا اگر یہ تمہاری نظر میں ایسا ہی خبیث گردن زدنی ہے تو تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ (کیونکہ نابالغ ہے اور معاہد قوم میں سے ہے) روایت کے الفاظ یہ ہیں:

> كنا مع رسول الله ﷺ فمررنا بصبيان فيهم ابن صياد ففر الصبيان و جلس ابن صياد فكأن رسول الله ﷺ كره ذلك فقال له النبي ﷺ تربت يداك اتشهد انى رسول الله ؟ فقال لا بل تشهد انى رسول الله فقال عمر بن الخطاب ذرني يا رسول الله حتى اقتله فقال رسول الله ﷺ ان يكن الذى ترى فلن تستطيع قتله. (صحيح مسلم طبع الهند ۲ ص ۳۹۷)

احمد نے یونس بن محمد سے اس نے معتمر سے اس نے اپنے والد سلیمان تیمی سے اس نے اعمش سے اسی طرح روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے ان يكن الذى تخاف فلن تستطيعه (مسند احمد ۴۵۷) ابو معاویہ نے بھی اعمش سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کنا نمشی مع النبی ﷺ فمر بابن صیاد فقال انی قد خبات لک خبأ قال ابن صیاد دخ قال فقال رسول الله ﷺ اخسأ فلن تعدو قدرک فقال عمر یا رسول الله دعنی اضرب عنقه . قال لا ان یکن الذی تخاف فلن تستطیع قتله (مسند ا ص ۳۸۰ . صحیح مسلم ۲ ص ۳۹۷)

اعمش سے یہ حدیث جریر وسلیمان تیمی وابو معاویہ نے روایت کی ہے۔ ان میں

سے کسی کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابن صیاد سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے بلکہ یہ مذکور ہے کہ وہ اتفاقیہ مل گیا تھا۔ مگر جریر و سلیمان تیمی کی روایت میں ہے کہ آپ نے ابن صیاد سے فرمایا اتشھد انی رسول اللہ۔ اس پر اس نے الٹا آپ سے یہ ہی کہا اس پر حضرت عمر نے اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ روایت ابو معاویہ میں اس کی بجائے یہ مذکور ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا۔ خبات لک خبأ۔ اس نے کہا دخ اس پر حضرت عمر نے اسے قتل کر ڈالنے کی اجازت چاہی۔ جریر و سلیمان تیمی دونوں ابو معاویہ سے بدرجہا ثقہ و ثبت ہیں۔ لہذا یہ سمجھنا بجا ہے کہ ابو معاویہ کو بھول ہوگئی۔ ابن مسعود کی حدیث میں جو ثابت ہے موصوف نے اسے چھوڑ کر زہری کی روایت کا مضمون لے لیا۔ ابن صیاد کے متعلق جو روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں ان سب میں یہ عبداللہ بن مسعود والی حدیث ہی درست و غیر معلول ہے جس کی تخریج مسلم نے جریر کے طریق سے کی ہے۔

---

(۲) نماز فجر کے بعد طواف کر کے سورج نکلنے سے پہلے دوگانۂ طواف ادا کر لینے کا مسئلہ

صحیح بات یہ ہے کہ اس شخص کو انتظار کرنا چاہئے جب اچھی طرح سورج نکل آئے تب دوگانہ طواف ادا کرے خواہ مسجد میں خواہ مسجد سے باہر۔ لیکن امام بخاریؒ اس کے قائل تھے کہ سورج نکلنے سے پہلے بھی دوگانہ طواف ادا کر لینا جائز ہے۔ اس کی دلیل میں بخاری نے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج صحیح کی ہے۔ جو حبیب بن ابی قریب بصری سے مروی ہے۔

عن عطاء عن عروة عن عائشة ان ناسا طافوا بالبيت بعد صلاة الصبح ثم قعدوا الى المذكر حتى اذا طلعت الشمس قاموا يصلون. فقالت عائشة قعدوا حتى اذا كانت الساعة التى تكره فيها الصلاة قامو ا يصلون. (صحيح بخارى طبع الهند ص ۲۲۰ كتاب المناسك باب الطواف بعدالصبح و العصر)

حبیب نے عطاء بن ابی رباح سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ چند لوگوں نے نماز فجر کے بعد خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر دوگانہ طواف ادا کیے بغیر واعظ کی مجلس وعظ میں سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکلنے لگا تب وہ اٹھ کر دوگانہ طواف پڑھنے لگے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ لوگ بیٹھے رہے یہاں تک کہ جب وہ گھڑی ہوگئی جس میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے تب اٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس سے امام بخاری نے یہ سمجھا سمجھایا ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے نزدیک سورج نکلنے سے پہلے دوگانہ طواف پڑھ لینا جائز ہے۔ لیکن اس استدلال اور قصہ کی صحت اس پر موقوف ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ ثابت ہو کہ وہ نماز فجر کے بعد مکہ میں سورج نکلنے تک مسجد حرام میں رکی ہوں یا رکا کرتی ہوں حالانکہ ثابت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت میں آپ اپنی منزل سے نماز فجر کے لیے حرم شریف میں آتی تھیں اور نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی علی الفور اپنی منزل واپس ہوجاتی تھیں۔ نماز کے بعد حرم شریف میں نہ رکتی تھیں۔ لہذا بخاری کا نقل کردہ یہ قصہ ہی سرے سے غلط ہے۔ اس کا راوی حبیب بن ابی قریبہ مختلف فیہ شخص ہے متعدد اہل علم نے اسے ثقہ بتایا ہے لیکن یحی بن سعید قطان اس سے مروی حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے۔ امام احمد نے اس کے متعلق کہا مااحتج بحدیثه۔ نسائی کا قول ہے لیس بالقوی (تہذیب التہذیب)

---

(۳) روزۂ عاشوراء کے متعلق سعید بن جبیر کی روایت کی ہوئی حدیث عبداللہ بن عباس

قال لما قدم النبی ﷺ المدینة وجد الیهود یصومون عاشوراء فسئلوا عن ذلک فقالوا هذا هو الیوم الذی اظهر الله فیه موسی وبنی اسرائیل علی فرعون ونحن نصومه تعظیما له. فقال رسول الله ﷺ نحن اولی بموسی منکم ثم امر بصومه (ص ۵۶۲۔ بنیان الکعبة باب اتیان الیهود

النبی ﷺ حین قدم المدینة) صحیح بخاری

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا کہ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو۔ بولے یہ وہی دن ہے جس میں اللہ نے (فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرقاب کر کے) موسیٰ کو فرعون پر غالب فرمایا تھا اس عظمت واہمیت کی غرض سے اس یادگار دن میں ہم روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے یہود سے کہا تم یہودیوں کی بہ نسبت ہم موسیٰ سے زیادہ قرب رکھنے والے ہیں۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو عاشورا کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث متقارب الفاظ کے ساتھ پانچ جگہ ہے مسلم وابوداؤد واحمد نے بھی اس کی تخریج کی ہے لیکن اس حدیث کی روایات میں سے کسی روایت کی اسناد میں بھی یہ مذکور نہیں کہ سعید بن جبیر نے یہ حدیث حضرت ابن عباس سے سنی تھی ہر روایت کی اسناد میں ''عن ابن عباس'' ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ سعید وابن عباس کے درمیان کوئی واسطہ ہو۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ فی الواقع ابن عباس نے یہ حدیث بیان کی تھی تب بھی یہ اُن کی مُرسَل روایت ہے۔ نہ معلوم انہوں نے یہ بات کس سے سنی تھی کیونکہ جس وقت کی یہ بات ہے اُس وقت ابن عباس مکہ میں شیر خوار بچے تھے۔

پھر اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عاشوراء کا روزہ نبی ﷺ اور آپ کے حکم سے مسلمانوں نے مدینہ میں آکر یہود کو دیکھ کر رکھا تھا حالانکہ ثابت یہ ہے کہ مکہ میں قبیلہ قریش اس روزے کا عادی تھا اور آپ بھی مکہ میں اس دن روزہ رکھتے رہے تھے مدینہ پہنچنے پر جب ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم آیا تب آپ نے صراحۃً لوگوں کو بتادیا کہ عاشوراء کا روزہ فرض نہیں ہے جس کا دل چاہے رکھے نہ رکھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ان قریشا کانت تصوم یوم عاشوراء فی الجاهلیة ثم امر رسول الله ﷺ بصیامه حتی فُرِض رمضان فقال رسول الله ﷺ من شاء فَلیَصُمه

ومن شاء افطر (صحیح بخاری ص ۲۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے صام النبی ﷺ یوم عاشوراء و امر بصیامه فلما فرض رمضان تُرِک۔ نافع کا بیان ہے وکان عبدالله لایصومه الا ان یوافق صومه. یعنی عبداللہ بن عمر عاشوراء کا روزہ نہیں رکھتے تھے ہاں عاشورا کا دن اُن دنوں میں پڑ جاتا جن دنوں میں وہ نفل روزہ رکھنے کے عادی تھے تب تو عاشوراء کے دن روزہ رکھ لیتے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۴ کتاب الصوم، باب الول)

الغرض عاشوراء کا روزہ ملت ابراہیم کے بقایا میں سے تھا۔ رہی یہ بات کہ مدینہ پہنچ کر یہود کی دیکھا دیکھی رسول اللہ ﷺ نے یہ روزہ رکھا ہو اور رکھنے کا حکم فرمایا ہو تو یہ سعید بن جبیر کی ہی کہی ہوئی بات ہے حضرت ابن عباس کی بیان کی ہوئی نہیں ہے کیونکہ سعید بن جبیر کے علاوہ اور کسی نے ان سے اس کی روایت نہیں کی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت

یہ ہی حدیث بخاری نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے احمد بن عبیداللہ غدانی (غین مضموم دال مفتوح) سے روایت کی ہے۔ کہا ہے

حدثنا احمد او محمد بن عبیدالله الغدانی ثنا حماد بن اسامة اخبرنا ابو عمیس عن قیس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن ابی موسی قال دخل النبی ﷺ المدینة واذا ناس من الیهود یعظمون عاشوراء ویصومونه فقال النبی ﷺ نحن احق بصومه فامر بصومه (صحیح بخاری ص ۵۶۲ کتاب المناقب بنیان الکعبة. باب اتیان الیهود نبی الله ﷺ حین قدم المدینة

صحیح میں یہ حدیث درج کرتے ہوئے بخاری کو شک ہو گیا کہ ان کے شیخ کا نام احمد تھا یا محمد۔ مگر التاریخ الکبیر میں بخاری نے بغیر شک احمد بن عبیداللہ الغدانی ذکر کیا ہے۔

بخاری کے شیخ احمد غدانی نے بیان کیا کہ ہم سے حماد بن اسامہ نے بیان کیا کہ ہمیں ابو عمیس یعنی عتبہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی قیس بن مسلم سے روایت کر کے اس نے طارق بن شہاب بجلی سے اس نے ابوموسیٰ اشعری سے کہ نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر

دیکھا کہ یہود میں سے کچھ لوگ عاشوراء (دسویں محرم) کو عظمت والا دن سمجھتے اوراس میں روزہ رکھتے ہیں۔تو نبی ﷺ نے فرمایا۔ ہم اس دن کا روزہ رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ پس آپ نے اس کے روزے کا حکم دیا۔

حماد بن اُسامہ ابو اسامہ سے یہ حدیث احمد عذانی کے علاوہ احمد بن حنبل وابوبکر بن ابی شیبہ ومحمد بن عبداللہ بن نمیر واحمد بن منذر وعلی بن مدینی نے بھی روایت کی ہے۔احمد بن حنبل وابوبکر ومحمد بن نمیر کی روایت یہ ہے کہ ابوموسیٰ نے بیان کیا کان یوم عاشوراء یوما یعظمه الیهود یتخذونه عیدا فقال رسول الله ﷺ صوموه انتم (مسند۴ ص ۴۰۹۔ صحیح مسلم ۱ ص ۳۵۹ کتاب الصوم) احمد بن منذر کی روایت بھی اسی طرح ہے۔اس اضافہ کے ساتھ قال ابو اسامة فحدثنی صدقة بن ابی عمران عن قیس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن ابی موسی قال کان اهل خیبر یصومون یوم عاشوراء یتخذونه عیدا ویلبسون نساء هم فیه حلیهم وشارتهم فقال رسول الله ﷺ فصوموه انتم (صحیح مسلم ایضا) علی بن مدینی سے بخاری نے حدثنا علی بن عبدالله ثنا ابو اسامة عن ابی عمیس عن قیس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن ابی موسی قال کان یوم عاشوراء یعده الیهود عیدا. قال النبی ﷺ فصوموه انتم (صحیح بخاری ص ۲۶۸ ج۱ کتاب الصوم)

پس احمد غدانی کی ذکر کی ہوئی حدیث پانچ ثبت وثقہ حضرات کی ذکر کی ہوئی حدیث سے ہٹ کر دوسری حدیث ہے۔اس نے وہ حدیث ذکر کی ہے جو سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی لیکن اسناد وہ ذکر کی ہے جو اُس حدیث کی اسناد ہے جس کی طارق بن شہاب نے ابوموسیٰ سے روایت کی ہے۔جو اسناد بیان کی ہے اس کی حدیث بیان نہیں کی۔اور جو حدیث بیان کی ہے اس کی اسناد ذکر نہیں کی۔

طارق بن شہاب والی حدیث کی اسناد میں سعید بن جبیر والی حدیث کا پیوند لگادیا۔ بخاری نے اس علت پر غور کیا ہوتا تو احمد غدانی کی بیان کی ہوئی اس غلط حدیث کو درج صحیح نہ کرتے۔

(۴) شب قدر کے بارے میں ابن عباس کی طرف منسوب ایک حدیث جو صحیح بخاری میں ابو مجلز وعکرمہ سے مروی ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا عبدالله بن ابی الاسود ثنا عبدالواحد ثنا عاصم (الاحول) عن ابی مجلز وعکرمه قالا قال ابن عباس قال النبی ﷺ هی فی العشر الاواخر هی فی تسع یمضین او فی سبع یبقین یعنی لیلة القدر (صحیح بخاری ص ۲۷۱ کتاب الصوم باب التمسوا لیلة القدر فی السبع الاواخر)

ہم سے عبداللہ بن ابی الاسود نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالواحد بن زیاد نے بیان کیا کہ ہم سے عاصم بن سلیمان احول نے بیان کیا ابو مجلز یعنی لاحق بن حُمید اور عکرمہ سے روایت کرکے ان دونوں نے کہا کہ عبداللہ بن عباس نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شب قدر رمضان کی آخری دس راتوں میں ہے۔ نو راتوں میں سے کسی رات میں جو گذر جائیں (یعنی ۲۱ سے ۲۹ تک کسی رات میں) یا سات راتوں میں جو رہ جائیں (یعنی ۲۴ سے ۳۰ تک کسی رات میں) اس کی اسناد سے بخاری نے یہ سمجھا کہ ابو مجلز و عکرمہ دونوں نے عبداللہ بن عباس سے یہ حدیث سنی تھی۔ لہٰذا اس کی سند متصل ہے۔ رُواۃ سب ثقہ ہیں پس یہ صحیح حدیث ہے۔

لیکن امام احمد نے عفان بن مسلم سے روایت کی ہے:

عن عبدالواحد ثنا عاصم الاحوال عن لاحق بن حُمَید وعکرمة قالا قال عمر من یعلم متی لیلة القدر. قالا فقال ابن عباس قال رسول الله ﷺ هی فی العشر فی سبع یمضین او سبع یبقین (مسند ا ص ۲۸۱)

محمد بن عقبہ سدوسی نے بھی عبدالواحد سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔

قالا قال عمر من یعلم متی لیلة القدر؟ فقال ابن عباس قال رسول الله ﷺ هی فی العشر وهی فی تسع یمضین او فی سبع یبقین (سنن بیهقی ۴ ص ۳۰۹)

عفان ومحمد بن عقبہ دونوں نے عبدالواحد سے اس کی روایت کی ہے اور اسناد میں بتایا ہے کہ ابومجلز وعکرمہ دونوں نے یہ کہا تھا کہ حضرت عمر نے حاضرین سے پوچھا" کون ہے جو جانتا ہو کہ شب قدر کس رات ہوتی ہے؟ حضرت عمر کے سوال کے جواب میں ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابومجلز وعکرمہ نے حضرت عمر کی مجلس کا واقعہ بیان کیا تھا کہ عمر نے حاضرین سے یہ سوال کیا۔ ابن عباس کے علاوہ کسی کے پاس اس کا جواب نہ تھا بس ابن عباس نے ہی ان کو حدیث سے جواب دیا اور ابومجلز یا عکرمہ نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ یقیناً وہ دونوں اس مجلس میں نہ تھے۔ لامحالہ دونوں نے یہ قصہ کسی اور شخص سے سنا ہوگا۔ وہ شخص کون تھا؟ اس کا ذکر نہ ابومجلز نے کیا نہ عکرمہ نے۔ لہٰذا یہ اسناد متصل نہیں بلکہ منقطع ہے۔ عبدالواحد بن زیاد سے یہ حدیث تین شخصوں نے سنی تھی۔ بخاری کے شیخ عبداللہ بن ابی الاسود نے، عفان بن مسلم ومحمد بن عقبہ سدوسی نے، عفان ومحمد بن عقبہ نے جیسا عبدالواحد سے سنا تھا ویسا ہی ٹھیک ٹھیک بیان کیا تھا لیکن عبداللہ بن ابی الاسود نے اس کی اسناد میں "قالا قال عمر من يعلم متى ليلة القدر قال ابن عباس" نہیں کہا۔ "قالا قال ابن عباس" کہہ دیا۔ امام بخاری کو عفان ومحمد بن عقبہ کی روایت معلوم نہ تھی۔ اپنے شیخ عبداللہ بن ابی الاسود کی روایت سے دھوکا کھا کر اس کی اسناد کو متصل گمان کرلیا۔ یہ تو اس حدیث کی سند کے متعلق بات ہوئی۔ رہا اس کا متن تو عبدالواحد کے تینوں شاگردوں نے الگ الگ اور مختلف ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ فی الواقع عبدالواحد نے کیا متن بیان کیا تھا۔ پس بخاری کی یہ حدیث نہ سند کے لحاظ سے درست ہے نہ متن کے لحاظ سے۔

---

(۵) مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنے والے لشکر کے دھنس جانے کی حدیث جو صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

حدثنا محمد بن الصباح ثنا اسماعيل بن زكريا عن محمد بن سوقة عن نافع بن جبير بن مطعم قال حدثتني عائشه قالت قال رسول الله ﷺ

يغزو جيش الكعبة فاذا كانوا ببيداء من الارض يُخسف باوّلهم واخرهم. قالت قلت يا رسول الله كيف يخسف باولهم واخرهم وفيهم اسواقهم ومن ليس منهم؟ قال يخسف باولهم واخرهم ثم يُبعثون على نياتهم (ص ۲۸۴) (كتاب البيوع باب ما ذكر في الاسواق)

بخاری نے کہا کہ ہم سے محمد بن صباح نے بیان کیا کہ ہم سے اسماعیل بن زکریا نے محمد بن سُوقہ سے روایت کر کے بیان کیا۔ اُس نے جبیر بن مطعم کے بیٹے نافع سے، نافع نے کہا کہ مجھ سے حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کرے گا (یعنی کعبہ شریفہ کو منہدم کر ڈالنے کی غرض سے آئے گا پس جب وہ زمین کے ایک صحرا میں ہوں گے تو ان کے اگلوں پچھلوں سب کو دھنسا دیا جائے گا۔ حضرت ام المؤمنین نے کہا کہ میں نے یہ سن کر عرض کیا وہ سب کیسے دھنسا دیے جائیں گے حالانکہ ان میں بازاری لوگ بھی ہوں گے اور وہ بھی جو ان میں سے نہ ہوں گے یعنی ان کا ارادہ کعبہ کی بے حرمتی کرنے کا نہ ہوگا کسی اور غرض سے ان کے شریک سفر ہو گئے ہوں گے۔ فرمایا سب ہی دھنسا دیے جائیں گے پھر ان کی نیتوں پر انہیں اٹھایا جائے گا (یعنی قیامت کے دن مجرمین کے ساتھ غیر مجرم لوگ نہ کیے جائیں گے)

''اسواقھم'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضرورت کی چیزیں فروخت کرنے کے لئے کسی قافلہ کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔

لیکن ابن ماجہ نے یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ ذکر کی ہے۔

حدثنا محمد بن الصباح ونصر بن علي وهارون بن عبدالله الحمال قالوا حدثنا سفيان بن عيينه عن محمد بن سوقة سمع نافع بن جبير يخبر عن ام سلمة قالت ذكر النبي ﷺ الجيش الذي يخسف بهم فقالت ام سلمة يا رسول الله لعل فيهم المكرة. قال انهم يبعثون على نياتهم. (سنن ابن ماجه ص ۳۰۵ طبع الهند ابواب الفتن باب جيش البيداء)

امام احمد نے بھی سفیان بن عیینہ سے اسی اسناد و متن کے ساتھ اس کی روایت کی

ہے (مسند ۶ ص ۲۸۹)

محمد بن سوقہ غنوی کوفی نے یہ حدیث دوشخصوں سے بیان کی تھی۔ اسماعیل بن زکریا سے اور سفیان بن عیینہ سے۔ دونوں کو بتایا تھا کہ مجھے یہ حدیث نافع بن جبیر سے پہنچی ہے۔ مگر اسماعیل کو اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بتایا تھا اور ابن عیینہ کو ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا۔ اس کا مطلب یہ ہی ہوا کہ اسے یہ حدیث اچھی طرح یاد نہ تھی۔ اس لیے نہ اسماعیل بن زکریا کی روایت کو صحیح کہا جا سکتا ہے نہ سفیان بن عیینہ کی روایت کو معلوم نہیں کہ فی الواقع نافع بن جبیر نے محمد بن سوقہ سے کیا بیان کیا تھا؟

---

(۶) صحیح بخاری کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ کی زرہ تیس صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے یہاں گرو تھی

امام بخاری نے کتاب الجہاد میں محمد بن کثیر سے اور کتاب المغازی میں قبیصہ بن عقبہ سے ان دونوں نے سفیان بن سعید ثوری سے روایت کی ہے۔

عن الاعمش عن ابراهيم عن الاسود عن عائشه قالت توفي النبي ﷺ ودرعه مرهونة عند يهودى بثلاثين صاعا من شعير (ص ۴۰۹ كتاب الجهاد باب ما قيل فى درع النبى ﷺ والقميص فى الحرب ص ۶۴۱ آخر كتاب المغازى. ذكر وفاة النبى ﷺ)

یزید بن ھارون نے بھی سفیان ثوری سے اس کی روایت کی ہے (مسند ۶ ص ۲۴۷)

سفیان ثوری کا بیان ہے کہ اعمش نے ابراہیم نخعی سے اس نے اسود بن یزید نخعی سے اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات ہوئی حال یہ تھا کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تیس صاع جو (تقریباً اسی کلو) کے عوض گرو تھی۔ (گروی رکھی ہوئی تھی)

لیکن ام المؤمنین رضی اللہ عنہا یہ غلط بات کیسے کہہ سکتی تھیں کیونکہ غزوۂ احزاب کے بعد ۵ ھ میں یہود بنی قریظہ کی سرکوبی کے بعد مدینہ کے نواح میں بھی کوئی یہودی نہ رہا تھا شہر مدینہ تو یہود کے وجود سے پہلے ہی پاک ہو چکا تھا ۱۰ ھ کے اواخر یا ۱۱ ھ کے اوائل میں کوئی یہودی مدینہ میں تھا ہی نہیں کہ اس کے پاس آپ اپنی زرہ رہن رکھتے۔

سفیان ثوری کے علاوہ اعمش سے عبدالواحد بن زیاد، یعلی بن عبید طنافسی، ابو معاویہ، حفص بن غیاث، جریر بن عبدالحمید، عبداللہ بن نمیر و یحیٰ بن زکریا و عیسیٰ بن یونس نے یہ حدیث روایت کی ہے مگر ان آٹھ ثقہ اشخاص کی روایت میں وفات کا ذکر نہیں ہے۔

عبدالواحد کی روایت یہ ہے:

ان النبی ﷺ اشتری طعاما من رجل یهودی الی اجل و رهنه درعا من حدید.

صحیح بخاری ص ۲۷۷ کتاب البیوع و ص ۳۲۱ کتاب الاستقراض و ص ۳۰۰ کتاب السلم و ص ۳۴۱ کتاب الرھن۔ صحیح مسلم کتاب البیوع یعنی نبی ﷺ نے ایک یہودی سے مدت طے کر کے ادھار غلہ خریدا تھا اور اس کے پاس آہنی زرہ رھن رکھ دی تھی۔

یعلی بن عُبید کی روایت بھی یہ ہی ہے (صحیح بخاری ص ۳۰۰ کتاب السلم ابو معاویہ کی روایت بھی یہی ہے۔ اس میں من حدید نہیں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۸۱ کتاب البیوع، صحیح مسلم)

حفص بن غیاث کی روایت بھی ابو معاویہ کی طرح ہے (صحیحین، نسائی) یہی جریر کی روایت ہے (صحیح بخاری ص ۳۴۱ کتاب الرھن)

عبداللہ بن نمیر و یحیٰ بن زکریا کی روایت بھی یہی ہے (مسند ۶ ص ۴۰ و ص ۱۶۰ عیسیٰ بن یونس کی روایت صحیح مسلم میں ہے عبدالواحد کی روایت کی طرح بس یہ واقعہ بنی قریظہ کے استیصال سے قبل کا ہے۔ سفیان ثوری نے غلطی سے اس میں وفات کا ذکر کر دیا تھا۔ بخاری نے سوچے سمجھے بغیر سفیان کی غلط روایت درج صحیح کر دی۔ بخاری کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ اگر وفات کے وقت آپ کی زرہ رہن رکھی ہوئی تھی تو اسے کس نے چھڑایا تھا، آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تو اسے چھڑاتے اور تاریخ میں اس کا ضرور ذکر ہوتا۔

(۷) اختلافِ قراءة کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث جس کی بخاری وغیرہ نے شعبہ کے طریق سے تخریج کی ہے

حدثنا ابو الولید ثنا شعبة قال عبدالملک بن مَیسَرَة اَخبَرَنی قال سمعت النزّالَ بن سبرةَ قال سمعت عبدالله یقول سمعتُ رجلا قرأ اٰیة سمعتُ من رسول الله ﷺ خلافها. فاخذتُ بیده فاتیتُ به رسول الله ﷺ فقال کلاکما محسن. قال شعبة اظنه قال لاتختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا فهلکوا (ص ۳۲۵ کتاب الخصومات. باب اول ص ۴۹۴ اواخر کتاب الانبیاء ص ۷۵۷ آخر کتاب فضائل القرآن.

امام بخاری نے صحیح میں یہ حدیث تین جگہ ذکر کی ہے اور امام احمد نے بھی اس کی روایت کی ہے (مسند اص ۳۹۳ و ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۵۶)

شعبہ نے عبدالملک بن میسرہ ھلالی کوفی سے اس نے نزّال بن سبرہ کوفی سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا تھا کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جو اس کے خلاف پڑھ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی قراءت سنی تھی (اور آپ نے مجھے سکھائی تھی) میں اس کا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور ماجرا عرض کیا (آپ نے اس سے بھی وہ آیت سنی اور مجھ سے بھی) پس فرمایا تم دونوں صحیح پڑھنے والے ہو۔ شعبہ کا بیان ہے کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ عبدالملک بن میسرہ نے اس کے بعد یہ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا تھا اختلاف نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں انہوں نے اختلاف کیا تھا تو وہ تباہ ہوگئے۔ وہ شخص کون تھا؟ کسی روایت میں اس کا نام مذکور نہیں ہے مسند احمد میں ہے کہ شعبہ نے کہا کہ میں نے یہ حدیث مسعر بن کدام سے بھی سنی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مسعر نے اس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد **لاتختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا فهلکوا** "نقل

کیا تھا. (مسند ۱ ص ۴۵٦)

لیکن یہ حدیث تو یہ بتا رہی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ہی ابن مسعود کو اور اس شخص کو جس کا نام مذکور نہیں ہے اختلاف میں ڈالا تھا۔ ابن مسعود کو جس طرح آپ نے وہ آیت سکھائی تھی دوسرے شخص کو اس کے برخلاف سکھائی۔ اور دونوں سے کہہ دیا کلا کما محسن۔ حالانکہ دو مختلف باتوں میں سے صحیح بات جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ تھی ایک ہی ہو سکتی تھی عبداللہ بن مسعود اور اس شخص کو اختلاف میں ڈال کر اختلاف نہ کرنے کی نصیحت فرمانے میں کیا معقولیت ہے؟

اور ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعود اور اس شخص کے درمیان وصل وفصل کا اختلاف نہ تھا۔ ورنہ ابن مسعود اس شخص کو پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس نہ لے جاتے۔ عام مسلمانوں کا بھی حال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص الحمدلله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین وصل کے ساتھ پڑھے اور دوسرا شخص الحمدلله رب العالمین • الرحمن الرحیم • مالک یوم الدین فصل کے ساتھ پڑھے تو اسے کوئی اختلاف قرار نہیں دیتا اور اس پر اعتراض نہیں ہوتا۔ شعبہ کی روایت کردہ یہ حدیث کوفی قاریوں کا تراشیدہ افسانہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ ابووائل، زر بن جیش اور عبدالرحمٰن بن عابس کے طریق سے بھی اختلاف قرأت کے متعلق حضرت ابن مسعود کی حدیث مروی ہے جو قطعاً موضوع اور ابن مسعود پر بہتان ہے۔ یہ سب روایات مسند احمد میں ہیں۔

---

(۸) حضرت عمر وھشام بن حکیم رضی اللہ عنہما کے درمیان سورۃ الفرقان کی قرأت میں اختلاف کی حدیث جو صحیح بخاری وغیرہ میں زھری کے طریق سے مروی ہے

زھری کا بیان ہے:

حدثنی عروة بن الزبیر ان المسور بن مخرمد و عبدالرحمن بن

عبدالقاری حدثاہ انهما سمعا عمر بن الخطاب يقول سمعت هشام بن حكيم يقرء سورة الفرقان فی حياة رسول الله ﷺ فاستمعت لقرائته فاذا هو يقرء علی حروف كثيرة لم يُقرِئنيها رسول الله ﷺ فكدت اساوره فی الصلاة فتصبّرت حتی سلم فلببته بردائه فقلت من اقرئک هذه السورة التی سمعتک تقرء. قال اقرأنيها رسول الله ﷺ فقلت كذبت فان رسول الله ﷺ اقرأنيها علی غيرما قرأت فانطلقت به اقوده الی رسول الله ﷺ فقلت انی سمعت هذا يقرء بسورة الفرقان علی حروف لم تقرئنيها فقال رسول الله ﷺ اَرسِلْه. اقرء يا هشام فقرأ عليه القراءة التی سمعتُه يقرء. فقال رسول الله كذلک انزلت. ثم قال اقرأ يا عمر فقرأتُ القراءة التی اقرأنی فقال رسول الله ﷺ كذلک انزلت ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرئوا ما تيسر منه (صحيح بخاری ص ۳۲۶ كتاب الخصومات و ص ۷۴۷ كتاب فضائل القرآن و ص ۷۵۴ و ص ۱۰۳۵ كتاب استتابة المعاندين والمرتدين و ص ۱۱۲۶ كتاب التوحيد) امام بخاری نے متقارب الفاظ کے ساتھ یہ حدیث پانچ جگہ ذکر فرمائی ہے۔

ابن شہاب زہری نے بتایا کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا۔ اس سے مسوّر بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن عبد نے بیان کیا۔ ان دونوں نے حضرت عمر سے یہ قصہ سنا۔ حضرت عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں میں نے ھشام بن حکیم کو نماز میں سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سنا وہ اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے میں کان لگا کر سننے لگا تو میں نے سنا کہ وہ بہت سے ایسے کلمات پڑھ رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے حالانکہ مجھے سورۃ الفرقان آپ نے ہی پڑھائی تھی مجھے سخت غصہ آیا (کہ یہ شخص قرآن کریم میں تحریف کر رہا ہے کچھ کا کچھ پڑھ رہا ہے۔ قریب تھا کہ میں نماز میں ہی اُس پر جھپٹ پڑوں لیکن میں نے ضبط کیا جب اس نے سلام پھیر دیا تو میں نے اسی کی چادر اس کے گلے میں ڈال کر کھینچی اور ڈپٹ کر پوچھا کہ یہ سورت تجھے کس نے پڑھائی اس نے کہا

رسول اللہ نے تب میں اسے کھینچتا ہوا رسول اللہؐ کے پاس لے گیا اور آپ کو ماجرا سنایا۔فرمایا اسے چھوڑ دو تو سہی۔اے ھشام سورۃ الفرقان پڑھو۔ھشام نے اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے اس سے سنی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے پھر فرمایا اے عمر تم پڑھو۔میں نے اسی طرح پڑھی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی اور میں نے یاد کی تھی۔فرمایا ٹھیک ہے یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے۔بے شک یہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے تو اس میں سے تمہیں جو آسان ہو پڑھو۔

اس حدیث کے متعلق میں تین باتیں عرض کروں گا

(اول) اس سے لازم آتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے عمر و ھشام دونوں کو اختلاف اور غلط فہمی میں ڈالا تھا۔جب آپ نے عمر کو سورۃ الفرقان پڑھائی تھی تو انہیں یہ نہیں بتایا کہ اس سورۃ کی فلاں فلاں آیت کو تم اس اس طرح بھی پڑھ سکتے ہو۔عمر کو آپ نے ان حروف سے بے خبر رکھا جن حروف پر اسے پڑھنے کی ھشام بن حکیم کو تعلیم دی تھی۔اگر عمر کو وہ حروف معلوم ہوتے تو انہیں ھشام پر غصہ نہ آتا اور جب آپ نے ھشام کو یہ سورت پڑھائی تو یہ نہیں بتایا کہ اس کی فلاں فلاں آیت کو تم اِس اِس طرح بھی پڑھ سکتے ہو۔ھشام کو آپ نے ان حروف سے بے خبر رکھا جن حروف پر اسے پڑھنے کی عمر کو تعلیم دی تھی۔حالانکہ وہ حروف جن سے آپ نے عمر کو بے خبر رکھا اللہ کے اتارے ہوئے تھے اسی طرح وہ حروف جن سے ھشام کو آگاہ نہیں کیا اللہ کے اتارے ہوئے تھے۔آپ نے اللہ کے نازل فرمودہ کچھ حروف عمر سے بھی چھپائے اور ھشام سے بھی۔اتفاقیہ حضرت عمر ھشام سے سورۃ الفرقان نہ سن لیتے تو اُن حروف کا علم نہ عمر کو ہوتا نہ ھشام کو۔۔۔

سوال یہ ہے کہ کسی عقلمند مسلمان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ اس لازم آنے والی بات کو باطل نہ سمجھے؟ ہرگز نہیں۔ہر مسلمان یہی عقیدہ رکھتا ہے اور یہ ہی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بے کم و کاست اللہ کی نازل فرمودہ آیات بندوں کو پہنچائی ہیں۔کوئی حرف یا کلمہ نہیں چھپایا۔اور جس بات سے کوئی غلط بات لازم آئے وہ خود غلط ہوتی ہے۔بنا بریں حضرت عمر و حضرت ھشام رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ قصہ جو زہری نے بیان کیا ہے قطعاً غلط اور بے اصل ہے۔

(ثانی) معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنھما کی شدید نگرانی میں پورا قرآن مجید ایک مصحف میں لکھا گیا۔ تو سورۂ فرقان میں وہ حروف کہاں ہیں جو عمر کو معلوم نہ تھے یا جن کا ھشام بن حکیم کو علم نہ تھا۔

(ثالث) اس حدیث کے آخر میں زہری نے بتایا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے **فاقرؤا ما تیسر منه**۔ اس میں **منه** کی ضمیر مجرور ''**سبعة احرف**'' کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا منھا ہونا چاہئے، نہ کہ منہ حالانکہ **فاقرؤا ماتیسر منه** میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو سورۃ المزمل کے اواخر میں مذکور ہے۔ اس میں ضمیر مجرور یقیناً قرآن کی طرف راجع ہے۔ زہری نے اللہ تعالیٰ کے قول کو اس حدیث کے آخر میں پیوند کر کے اسے رسول اللہ ﷺ کا قول قرار دیدیا۔ زہری کا خیال ہوگا کہ اس کی یہ تلبیس کسی پر نہ کھلے گی۔

الغرض یہ حدیث سراسر باطل ہے۔ زہری پر بے جا اعتماد کر کے اور غور وفکر سے کام لئے بغیر امام بخاری نے اسے درجِ صحیح کر دیا ہے مسلم و ترمذی ونسائی واحمد نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ زہری کے علاوہ اور کسی شخص نے عروہ بن زبیر سے اس کی روایت نہیں کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ زہری نے یہ حدیث عروہ سے نہیں سنی، نہ عروہ نے بیان کی۔ کسی یاوہ گو نے عروہ کی طرف منسوب کر کے زہری کو سنادی تھی۔ زہری نے اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اسناد میں عَنْ عروۃ کہا تھا جیسا کہ امام مالک کی اسناد میں ہے زہری کے دیگر شاگردوں نے غلطی سے عن عروۃ کی بجائے اخبرنی عروۃ یا حدثنی عروۃ کہہ دیا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۲۶)

---

(۹) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے رضاعی بھائی کے آنے کا قصہ

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ابو الولید قال ثنا شعبة عن الاشعث عن ابیه عن مسروق عن عائشة

ان النبی ﷺ دخل علیها وعندها رجل فکأنه تغیّر وجهه کأنه کرہ ذلک۔ فقالت انه اخی (من الرضاعة) فقال انظرن من اخوانکن فانما الرضاعة من المجاعة (ص ۷۶۴ کتاب النکاح باب من قال لارضاع بعد حولین)

ہم سے ابوالولید یعنی ھشام بن عبدالملک طیالسی نے بیان کیا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا اشعث سے روایت کر کے اس نے اپنے والد ابوالشعثاء سے اس نے مسروق سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی ﷺ (باہر سے ایک بار) ان کے پاس تشریف لائے دیکھا تو ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر روئے انور متغیر ہوگیا گویا کہ آپ کو اس کا ام المؤمنین کے گھر بیٹھنا بُرا لگا۔ حضرت عائشہ نے آپ کی ناگواری محسوس کر کے عرض کیا۔ یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ فرمایا تم عورتیں اچھی طرح دیکھ لیا کرو کہ تمہارے رضاعی بھائی کون ہیں۔ جب بچہ عورت کے دودھ سے بھوک مٹاتا ہو اس زمانہ میں ماں کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ پینے سے ہی وہ اس کی رضاعی ماں بن سکتی ہے یعنی جب بچہ غذا کھانے لگے اور اس کا دودھ پینا چھوٹ جائے اس وقت کوئی عورت اسے دودھ پلا دے تو وہ اس کی ماں نہ بنے گی۔

اس حدیث کے متعلق میں تین باتیں عرض کرتا ہوں

اول یہ کہ بخاری کے شیخ ابوالولید نے اس میں "فکأنه" غلط کہہ دیا تھا۔ اس حدیث کے تمام طرق و روایات تحفۃ القاری ۹ کتاب الشھادات میں مذکور ہیں (ص ۴۰۷ تا ص ۴۰۹)

دوم یہ کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ رضاعی بھائی حقیقی بھائی کی طرح محرم ہے۔

سوم یہ کہ یہ قصہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث کی تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس شخص سے واقف نہ تھے اور یہ بڑی عجیب وبعید بات ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا رضاعی بھائی مدینہ میں آئے اور حضور ﷺ سے ملاقات کئے اور اپنا تعارف کرائے بغیر سیدھا آپ کے گھر ام المؤمنین کے پاس آ کر بیٹھ جائے اور کسی روایت میں اس کا نام بھی مذکور نہیں ہے کہ کون تھا کس کا بیٹا تھا کس خاندان سے تھا۔ کہاں سے آیا تھا۔

اس لیے یہ قصہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۰) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سلیمان بن یسار کے آنے کے متعلق بخاری کی روایت جو قطعاً غلط ہے

امام بخاری نے لکھا ہے:

"وقال سلیمان بن یسار استأذنتُ علی عائشة فعرفت صوتی. قالت سلیمان ادخل فانک مملوک مابقی علیک شئی (صحیح بخاری ص ۳۶۲ کتاب الشهادات باب شهادة الاعمی الخ)

بخاری نے جزم و یقین کے ساتھ یہ قصہ ذکر کیا ہے مگر مختصراً ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ابن سعد نے طبقات میں اسے پورا نقل کیا ہے کہ سلیمان بن یسار نے کہا تھا

استأذنتُ علی عائشة فعرفت صوتی فقالت سلیمان فقلت سلیمان فقالت ادیتَ مابقی علیک من کتابتک؟ قلت نعم الاشیئا یسیرا قالت ادخل فانک عبد مابقی علیک شئی (فتح الباری)

میں نے حضرت عائشہ سے حاضری کی اجازت چاہی۔ انہوں نے میری آواز پہچان کر کہا سلیمان ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں سلیمان ہوں فرمایا تمہارے بدل کتابت میں سے جو رہ گیا تھا کیا تم ادا کر چکے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں بس معمولی سی رقم رہ گئی ہے۔ فرمایا اندر آ جاؤ کیونکہ تم ابھی آزاد نہیں ہوئے جب تک کچھ بھی تمہارے ذمہ باقی ہے تم غلام ہو...... یعنی اگر سلیمان بن یسار نے اپنے مالک کو بدلِ کتابت کی پوری رقم ادا کر دی ہوتی تو آزاد ہو جاتا اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اسے اندر آنے کی اجازت نہ دیتیں۔ مگر یہ قصہ قطعاً غلط اور گھڑا ہوا ہے سلیمان بن یسار ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اس نے نہ کبھی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا نہ ان سے کوئی حدیث اور علمی بات سنی مگر ان کی طرف منسوب کر کے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب سلیمان بن یسار کی مُرسل روایات ہیں اور اہل علم مُرسل روایت کو صحیح

نہیں مانتے اس لیے کسی شقی واحمق اور جاہل انسان نے یہ قصہ گھڑلیا تا کہ سلیمان بن یسار کے متعلق لوگوں کو بتایا جاسکے کہ اس کا ام المؤمنین حضرت صدیقہ سے براہِ راست سماع ثابت ہے۔ یہ قصہ گھڑنے والا جاہل یوں تھا کہ سلیمان بن یسار ایسا آزادشدہ غلام نہ تھا جس نے مالک سے اپنی آزادی مال کے عوض خریدی ہو اور مالک نے اسے مکاتب بنایا ہو کہ تو اتنی رقم مجھے ادا کردے تو آزاد ہو جائے گا۔ وہ تو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مملوک غلام تھا جسے انہوں نے محض بغرض اجر وثواب بغیر کسی عوض کے آزاد فرما دیا تھا قصہ گھڑنے والے نے اسے مکاتب ظاہر کیا ہے جو قطعاً غلط ہے اس میں شدید جہالت کی بات یہ ہے کہ کوئی مسلمان عورت خاص اپنے مملوک غلام کے سامنے بے پردہ آسکتی ہے نہ کہ کسی اور شخص کے مملوک کے سامنے۔ سورۃ النور میں عام مؤمن عورتوں کو اور سورۃ الاحزاب میں خاص امہات المؤمنین کو یہ ہدایت دی گئی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ سلیمان بن یسار ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مملوک نہ تھا وہ تو غیر کا مملوک تھا اور عاقل و بالغ تھا پھر کیسے درست ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پردہ نہ کیا ہو اور اندر آنے کی اجازت دیدی ہو۔

---

(۱۱) رسول اللہ ﷺ کا عبداللہ بن اُبی کے پاس جانے کا قصہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

حدثنا مسدد ثنا معتمر قال سمعت ابی ان انساً قال قیل للنبی ﷺ لو اتیت عبدالله بن اُبی. فانطلق الیه النبی ﷺ ورکب حمارا فانطلق المسلمون یمشون معه وهی ارض سبخة فلما اتاه النبی ﷺ قال الیک عنی والله لقد اذانی نتن حمارک فقال رجل من الانصار منهم والله لحمار رسول الله ﷺ اطیب ریحا منک. فغضب لعبدالله رجل من قومه فشتمه فغضب لکل واحد منهما اصحابه فکان بینهما ضرب بالجرید والایدی والنعال. فبلغنا انها نزلت "وان طائفتان من المؤمنین

اقتتلوا فاصلحوا بینهما (صحیح بخاری ۳۷۱ کتاب الصلح)

مسلم نے بواسطہ محمد بن عبدالاعلیٰ اور امام احمد نے بواسطہ عارم معتمر سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر ۔ مسند ۳ ص ۱۵۷ و ۲۱۹)

مسدد نے بیان کیا کہ ہم سے معتمر نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سلیمان بن طرخان تیمی سے سنا کہ حضرت انس نے کہا کہ نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ عبداللہ سے مل لیتے (تو اچھا ہوتا) آپ نے یہ بات مان لی اور ایک گدھے پر سوار ہوکر اس کے پاس آئے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا ایک گروہ بھی تھا اور وہ شورہ زمین تھی۔ جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے تو وہ (نخوت ونفرت سے) بولا۔ مجھ سے الگ ہٹ تیرے گدھے کی بدبو نے مجھے اذیت میں ڈال دیا ہے۔ یہ بات سن کر انصار میں سے ایک شخص نے کہا تو یہ کہہ رہا ہے بخدا رسول اللہ کا گدھا بو میں تجھ سے پاکیزہ تر ہے۔ پس عبداللہ کی حمایت میں اس کی قوم میں سے ایک آدمی نے غصہ میں بھر کر اس انصاری مسلمان کو گالی دی۔ تب اس کے بھی کچھ حمایتی بپھر گئے اور اس کے بھی اور ان میں باہم لکڑیوں سے اور ہاتھوں اور جوتوں سے مار پیٹ ہوئی۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ ان ہی دونوں گروہوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

وانْ طائِفَتانِ مِنَ المُؤمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُما عَلَىٰ الاُخْرىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حتَّى تَفِىْٓءَ اِلىٰ امرِاللّٰه فَاِنْ فَاۤءَ تْ فَاَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بالعَدْلِ وَاقسِطُوْا اِنَّ اللّٰه يُحِبُّ المُقْسِطِيْنَ ○

اور اگر مسلمانوں میں سے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو پس اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی کرے تو لڑو اُس فریق سے جو زیادتی کررہا ہے تاکہ پلٹ آئے وہ اللہ کے حکم کی طرف، پس اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور حق دار کو اس کا حق دو بے شک اللہ صحیح حق ادا کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اس حدیث کی سند بھی صحیح نہیں ہے اور متن تو قطعاً غلط ہے معتمر سے اس کی روایت مسدد اور محمد بن عبدالاعلیٰ اور عارم یعنی محمد بن فضل سدوسی نے کی ہے لیکن

تینوں کی اسناد میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو یہ بتاتا ہو کہ سلیمان تیمی نے حضرت انس سے یہ حدیث سنی تھی۔ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر مقدمی نے بھی معتمر سے اس کی روایت کی ہے کہ معتمر کے باپ سلیمان نے بتایا تھا کہ اسے حضرت انس کے متعلق معلوم ہوا کہ انہوں نے بیان کیا تھا۔ مقدمی کی اسناد سے واضح ہوتا ہے کہ سلیمان تیمی نے براہِ راست انس سے یہ حدیث نہیں سنی۔ کسی نے انس کی طرف منسوب کر کے اسے سنائی تھی۔ کس نے؟ اس کا سلیمان نے ذکر نہیں کیا۔ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں۔

واخرجه الاسماعيل عن المقدمي عن معتمر عن ابيه انه بلغه عن انس بن مالک۔ پس اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ اس میں ابراہیم تیمی اور حضرت انس کے درمیان ایک مجہول واسطہ ہے اور جب سند متصل نہیں منقطع ہے تو اس کو صحیح قرار دینے کی کوئی تک نہیں بخاری و مسلم کو دھوکا لگا کہ منقطع سند کو متصل سمجھ لیا۔ کیونکہ بخاری کے شیخ مسدد نے اور مسلم کے شیخ محمد بن عبدالاعلیٰ نے اس کی اسناد میں عن انس کہا تھا۔ حالانکہ لفظ عن اتصال پر دلالت نہیں کرتا۔ اس میں انقطاع و اتصال دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ رہا متن تو وہ یوں غلط ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن ابی کی ملاقات کا جو ذکر ہے تو یہ غزوۂ بدر سے پہلے کی بات ہو سکتی ہے جب کہ عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھی مسلمان نہیں ہوئے تھے غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو اہل مکہ پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تو اس سے متاثر ہو کر ہی وہ اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہوا تھا۔ اور سورۃ الحجرات کی آیت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے کہ اس کا نزول ان دو گروہوں کی باہمی لڑائی پر ہوا تھا جو اس ملاقات کے وقت لڑ پڑے تھے تو حضرت انس تو بڑی چیز ہیں کوئی بھی عقلمند آدمی یہ بات نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ لڑائی تو باشندگان یثرب میں سے اہل ایمان و اہل کفر کے درمیان ہوئی تھی۔ اور آیت میں ذکر باہم لڑ پڑنے والے دو مسلمان گروہوں کا ہے۔ پھر یہ آیت سورۃ الحجرات کی ہے جس کے متعلق تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی تھی۔

میں مانتا ہوں کہ بخاری و مسلم نے مقدمی کی روایت پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی منقطع سند کو متصل گمان کر لیا تھا۔ لیکن اس کے متن کو سمجھنے اور اس میں غور کرنے اور

آیت شریفہ کے معنی ومطلب میں تدبر کرنے سے انہیں کس چیز نے روکا تھا؟ ذرا بھی عقل و درایت سے کام لیتے تو اس باطل حدیث کو درج صحیح کرنے کی غلطی سے بچ جاتے۔

---

(۱۲) یاایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم الایۃ کے شانِ نزول کے متعلق بخاری وغیرہ کی روایت کی ہوئی ایک غلط حدیث

یاایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم او آخران من غیرکم ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت کے شان نزول کے متعلق بخاری وابوداؤد وترمذی کی روایت کی ہوئی ایک غلط حدیث جو ایک قصے پر مشتمل ہے۔

بخاری نے علی بن عبداللہ مدینی سے، ابوداؤد نے حسن بن علی سے اور ترمذی نے سفیان بن وکیع سے۔ ان تینوں نے یحییٰ بن آدم سے اس نے زکریا بن ابی زائدہ سے اس نے محمد بن ابی القاسم طویل کوفی سے اس نے سعید بن جبیر کے فرزند عبدالملک سے اس نے اپنے والد سعید بن جبیر سے روایت کی ہے۔

عن ابن عباس قال خرج رجل من بنی سھم مع تمیم الداری و عدی بن بداء فمات السھمی بارض لیس بھا مسلم فلما قدما بترکتہ فقدوا جاما من فضۃ مخوصا من ذھب فاحلفھما رسول اللہ ﷺ ثم وجدوا الجام بمکۃ فقالوا ابتعناہ من تمیم وعدی. فقام رجلان من اولیائہ فحلفا لشھادتنا احق من شھادتھما وان الجام لصاحبھم. قال وفیھم نزلت ھذہ الآیۃ (صحیح بخاری ص ۳۹۰ کتاب الوصایا. سنن ابی داؤد، کتاب القضاء باب شھادۃ اھل الذمۃ فی الوصیۃ فی السفر سنن الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدہ)

سعید بن جبیر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ خاندان بنی سہم میں سے ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ بغرض تجارت شام کی طرف) روانہ ہوا (بنو سہم قبیلۂ قریش میں سے ایک معروف خاندان ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے تھے) دورانِ سفر اس سرزمین میں جہاں کوئی مسلمان نہ تھا اُس سہمی شخص کا انتقال ہوگیا۔ تمیم و عدی نے اس کا متروکہ سامان واپس آکر اس کے گھر والوں کے حوالہ کردیا۔ گھر والوں کے علم میں تھا کہ وہ ایک چاندی کا گلاس لے کر گیا تھا جس میں سونے کی پتریاں لگی ہوئی تھیں۔ سامان دیکھا تو وہ گلاس نہ ملا (تمیم وعدی سے پوچھا۔ دونوں نے لاعلمی ظاہر کی تب یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا گیا) آپ نے انہیں قسم دلائی لیکن دونوں نے قسم کھا کر یہی بتایا کہ ہم اس گلاس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔

پھر انہوں نے وہ گلاس کسی کے یہاں پایا پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم نے تو اسے تمیم اور عدی سے خریدا ہے (اب حقیقت عیاں ہوگئی تمیم داری وعدی نے وہ گلاس چھپالیا تھا) تب مرجانے والے سہمی کے وارثین سے دو شخصوں نے اٹھ کر قسم کھا کر کہا کہ تمیم وعدی کی شہادت کے مقابلہ میں ہماری شہادت قبول ہونے اور مانی جانے کے زیادہ لائق ہے یہ گلاس ہمارے مرجانے والے آدمی کا ہی ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ ان ہی لوگوں کے بارے میں سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

لیکن اس قصے کا آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ آیت شریفہ میں تو یہ حکم ارشاد ہوا ہے کہ کوئی مسلمان آخری وقت میں کسی کے حق میں اپنے کچھ مال کی وصیت کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ دو دیندار اور معتبر گواہوں کے سامنے وہ وصیت کرے یہ تو معلوم ہی ہے کہ وصیت کسی وارث کے لیے نہیں ہوسکتی اور تہائی مال سے زائد میں بھی وصیت نہیں چلتی۔ وصیت کرنے والا اپنے گھر اور وطن میں ہی ہو تو اس کی وصیت کے وہ دو گواہ اس کے خاندانی ہوں اور اگر وطن سے باہر کہیں وصیت کرنے کی صورت پیش آجائے جہاں خاندانی لوگ موجود نہ ہوں تو غیر خاندان کے دو مسلمان اس کے گواہ ہوسکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قصہ میں وصیت کا کوئی ذکر نہیں۔ مرنے والے سہمی شخص نے تمیم داری اور عدی بن بداء کے سامنے یہ

وصیت نہیں کی تھیں کہ میرے مال میں سے فلاں شخص کو اس مقدار میں مال دید یا جائے اس نے تو ان سے بس یہی کہا ہوگا کہ میرے چھوڑے ہوئے اسباب ومتاع کو مہربانی فرما کر میرے گھر والوں کو پہنچا دینا۔

لہٰذا یہ کہنا کہ یہ قصہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے بالکل بے تکی بات ہے۔ ابن عباس ایسے کم فہم نہ تھے کہ یہ بے تکی بات کہتے رہا یہ قصہ تو معتمر کی روایت میں اختصار ہے۔ ابو صالح باذام نے جسے باذام اور باذان بھی کہا جاتا ہے جو حضرت علی کی بہن ام ھانی کا آزاد کردہ تھا پورا قصہ نقل کیا ہے۔ اس کی روایت ترمذی نے کی ہے اور اسناد میں تصریح کی ہے کہ ابن عباس نے اس کی روایت خود تمیم داری سے کی تھی۔ تمیم کا بیان ہے کہ وہ اور عدی بن بداء دونوں عیسائی تھے اور ملک شام تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ ان کے پاس بدیل بن ابی مریم پہنچ گیا جو خاندان بنی سہم کا آزاد کردہ تھا اس کے اسباب تجارت میں چاندی کا ایک گلاس بھی تھا اسے وہ بادشاہ کے حضور لے جانے کا قصد رکھتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا حتی کہ زندگی کی آس نہ رہی تب اس نے تمیم وعدی کو وصیت کی کہ میرا اسباب ومتاع میرے گھر والوں کو پہنچا دینا۔ اس کا انتقال ہو گیا تو تمیم وعدی نے اس کے اسباب میں سے وہ گلاس نکال کر ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ اور پانچ سو پانچ سو آپس میں بانٹ لیے بقیہ اسباب لا کر اس کے گھر والوں کو دید یا گھر والوں نے ان سے گلاس کے متعلق پوچھا تو انہیں بتا دیا کہ مرحوم نے جو ہمارے حوالہ کیا تھا وہ ہم نے آپ لوگوں کو پہنچا دیا ہے تمیم کا بیان ہے کہ جب میں مشرف بہ اسلام ہو گیا (تہذیب التھذیب میں ہے کہ تمیم داری ۹ ھ میں مسلمان ہوئے تھے) تو ہمارا وہ گناہ مجھے بہت کھلا۔ میں نے مرنے والے کے گھر والوں کے پاس جا کر اس کا اعتراف کر لیا اور پانچ سو درہم انہیں دیدیے اور بتایا کہ پانچ سو عدی بن بداء کے ذمہ ہیں۔ انہوں نے یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا **فسألهم البينة فلم يجدوا فامرهم ان يستحلفوه بما يعظم به على اهل دينه فحلف فانزل الله ياايها الذين شهادة بينكم.** الآیۃ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان سے ثبوت مانگا جو ان کے پاس نہ تھا تب فرمایا کہ اس سے قسم لو جو عیسائی لوگ کھایا کرتے ہیں وہ یعنی عدی بن بداء قسم

کھا گیا کہ میں اس گلاس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ہم نے اسے نہیں بیچا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی تب عمرو بن عاص اور بنی سہم میں سے ایک اور شخص نے اٹھ کر قسم کھائی (کہ عدی بن عداء کے ذمہ گلاس کی قیمت کے پانچ سو درھم ہیں) تب عدی بن عداء سے وہ رقم وصول کی گئی۔(سنن الترمذی تفسیر سورۃ المائدہ)

اس قصہ میں ابو صالح باذام نے یہ بالکل غلط کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ثبوت مانگا۔کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔جرم تو تمیم داری کے اعتراف اور پانچ سو درہم ادا کرنے سے قطعاً ثابت ہو چکا تھا۔ابن جریج نے یہ قصہ عکرمہ سے روایت کیا ہے، اس کی روایت میں ہے کہ وہ سہمی شخص جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنی وصیت اور سامان کی فہرست لکھ کر اپنے اسباب میں رکھ دی تھی تمیم داری وعدی بن بداء نے جب اُس کا اسباب اس کے گھر والوں کے حوالہ کیا تو انہیں اسباب میں وہ تحریر مل گئی۔اس کی تحریر کے مطابق اسباب میں سے گلاس کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں نہ تھیں۔ان سے پوچھا گیا تو گلاس کے متعلق دونوں نے یہ کہا کہ ہم نے اُس سے خرید لیا تھا۔اور دیگر چیزوں کا انکار کر دیا۔

اللہ ہی جانے کہ ان مختلف ومتعارض روایات میں سے کونسی روایت صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے۔میرا خیال تو یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی نہیں ہوا۔نہ ابن عباس نے اسے بیان کیا۔ہوا بھی ہو تو سورۂ مائدہ کی آیت کے نزول کا سبب نہیں ہے۔

---

(۱۳) صحیح بخاری کی ایک حدیث جس میں اذا سألتم الله فاسألوه الفردوس ہے جس کی عطاء بن یسار نے حضرت ابوھریرہ سے روایت کی ہے۔

حدثنا يحي بن صالح (الوحاظي) ثنا فليح عن هلال بن علي عن عطاء بن يسار عن ابي هريرة قال قال النبي ﷺ من آمن بالله وبرسوله واقام الصلاة وصام رمضان كان حقا على الله ان يدخله الجنة جاهد في سبيل

الله او جلس فی ارضه التی ولد فیها. قالوا یا رسول الله افلا نبشر الناس؟ قال ان فی الجنة مأته درجة اعدها الله للمجاهدین فی سبیل الله. ما بین الدرجتین کما بین السماء والارض فاذا سألتم الله فاسألوه الفردوس فانه اوسط الجنة واعلی الجنة. اراه قال وفوقه عرش الرحمن ومنه تفجر انهار الجنة. وقال محمد بن فلیح عن ابیه وفوقه عرش الرحمن. انه لم یشک کما شک یحی بن صالح او حاظی(صحیح بخاری ص ۳۹۱ کتاب الجهاد باب درجات المجاهدین فی سبیل الله)

یعنی یحی بن صالح کی طرح محمد بن فلیح نے بھی اپنے باپ فلیح سے یہ حدیث روایت کی ہے۔اس کی روایت میں ''أراه قال''نہیں ہے۔یحی بن صالح نے شک کے ساتھ اس حدیث میں وفوقه عرش الرحمن کا ذکر کیا تھا۔اسے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ فلیح نے اس حدیث میں یہ لفظ کہا تھا یا نہیں مگر محمد بن فلیح کی روایت میں شک نہیں ہے۔اسے یاد تھا کہ فلیح نے اس حدیث میں یہ لفظ ذکر کیا تھا۔میں کہتا ہوں کہ تعجب ہے بخاری نے اس سے اہم فرق کو نظر انداز کر دیا جو یحی بن صالح ومحمد بن فلیح کی روایتوں میں ہے وہ یہ کہ یحی نے تو ''جاهد فی سبیل الله او جلس فی ارضه التی ولد فیها ذکر کیا تھا۔اور محمد بن فلیح نے جاهد کی جگہ هاجر نقل کیا تھا۔اس کی تخریج بھی بخاری نے کی ہے۔ قال حدثنا ابراهیم بن المنذر ثنا محمد بن فلیح قال حدثنی ابی عن هلال الخ (ص ۱۱۰۴ کتاب التوحید باب قوله وکان عرشه علی الماء

شریح نے بھی فلیح سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے(مسند۲ص۳۳۵)

یونس بن محمد نے بھی فلیح سے مگر اسناد میں ایک بار عن عبدالرحمٰن بن ابی عمرة عن ابی هریرة کہا تھا اور ایک بار عن عطاء بن یسار عن ابی هریرة(مسند۲ص۳۳۵)

ابو عامر عقدی نے اور فزارہ بن عمر نے بھی فلیح سے عن هلال بن علی عن عبدالرحمٰن بن ابی عمرة عن ابی هریرة (مسند۲ص۳۳۵وص۳۳۹)پس فلیح سے یہ حدیث۔یحی بن صالح وحاظی نے (بخاری)محمد بن فلیح نے (بخاری) سریج ویونس وابو عامر نے (احمد)روایت کی ہے۔

اس کے متعلق دو باتیں ذہن نشین کیجئے اول یہ کہ یحی بن صالح کی روایت میں جاھد ہے اور محمد بن فلیح وسریج و یونس وابو عامر سب کی روایت میں ھاجر۔ پس جاھد شاذ اور یحی بن صالح کی غلطی ہے۔ فلیح نے اس میں ھاجر ذکر کیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان پانچ راویوں میں سے دو کی اسناد میں هلال بن علی عن عطاء بن یسار عن ابی هریرة ہے اور دو کی اسناد میں هلال بن علی عن عبدالرحمن بن ابی عمرة عن ابی هریره اور ایک کی اسناد میں دونوں کا شک کے ساتھ ذکر ہے اس سے ثابت ہوا کہ فلیح کو اس کی سند محفوظ نہ تھی۔ وہ اس میں مضطرب تھا کبھی عطاء بن یسار کا ذکر کر دیتا کبھی عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ کا لہٰذا یہ حدیث صحیح السند نہیں ہے۔

اب عطاء بن یسار کو دیکھیے اس سے یہ حدیث ھلال بن علی اور زید بن اسلم اور محمد بن حجادہ تین شخصوں نے روایت کی۔

ھلال بن علی نے یہ بتایا ہے کہ عطاء بن یسار نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ (صحیح بخاری)

رہے زید بن اسلم تو ان سے حفص بن میسرہ وھمام بن یحی اور عبدالعزیز دراوردی نے اس کی روایت کی ہے۔ حفص کی روایت سنن ابن ماجہ میں ہے:

حدثنا سويد بن سعيد ثنا حفص بن ميسرة عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار ان معاذ بن جبل قال سمعت رسول الله ﷺ يقول الجنة مائة درجة بين كل درجة منها مابين السماء والارض وان اعلاها الفردوس وان اوسطها الفردوس وان العرش على الفردوس منها تفجر انهار الجنة فاذا سألتم الله فسلوه الفردوس (سنن ابن ماجه ص ۳۳۱ طبع الهند باب صفة الفردوس)

عبدالعزیز دراوردی کی روایت مسند احمد وسنن ترمذی میں ہے **عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ قال من صام رمضان وصلى الصلاة وحج البيت. لا ادرى ذكر الزكاة ام لا. الا كان حقا على الله ان يغفرله ان هاجر في سبيل الله او مكث بارضه التى ولد بها. قال معاذ**

الا اخبر بها الناس؟ فقال رسول الله ﷺ ذرالناس يعملون فان في الجنة مائة درجة. مابين كل درجتين كما بين السماء والارض. والفردوس اعلى الجنة و اوسطها وفوق ذلك عرش الرحمن ومنها تفجر انهار الجنة فاذا سألتم الله فاسئلوه الفردوس (مسند ۵ ص ۲۴۰) (سنن ترمذی ۲ ص ۷۶ طبع هند ابواب صفة الجنة) اس میں الا قطعاً غلط ہے۔

اورعطاء بن یسار نے معاذ بن جبل کو دیکھا بھی نہیں پس یہ روایت منقطع ہے۔

ھمام بن یحی کی روایت سنن ترمذی میں ہے عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال في الجنة مائة درجة ما بين كل درجتين كما بين السماء والارض والفردوس اعلاها درجة ومنها تفجر انهار الجنة الاربعة ومن فوقها يكون العرش فاذا سألتم الله فاسئلوه الفردوس (سنن ترمذی ۲ ص ۷۶) (باب ما جاء في صفة درجات الجنة ابواب صفة الجنة)

محمد بن جحادہ کی روایت بھی ترمذی نے تخریج کی ہے قال حدثنا عباس العنبری ثنا يزيد بن هارون ناشريك عن محمد بن جحادة عن عطاء عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ في الجنة مائة درجة ما بين كل درجتين مائة عام (ايضا) شریک ضیف و منکر الحدیث شخص تھا۔ اور یہ متن ھلال بن علی کے ذکر کیے ہوئے متن کی بہ نسبت مختصر بھی ہے اور اس سے مختلف بھی اس لیے اس روایت کو ھلال بن علی کی روایت کی مُتابع قرار دینا درست نہ ہوگا۔ ان روایات کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ عطاء بن یسار کو یہ حدیث اچھی طرح یاد نہ تھی اور وہ اس کی روایت میں مضطرب تھا۔ کبھی ابو ہریرہ کا ذکر کر دیا کبھی معاذ بن جبل کا کبھی عبادہ بن صامت کا۔ یہ تو سند کا اضطراب ہے۔ اب متن دیکھیے تو کبھی یوں کہہ دیا کہ اللہ نے جنت میں مجاہدین کے لیے سو درجے رکھے ہیں کبھی یہ کہ جنت میں سو درجے ہیں نماز اور روزے کا تو ذکر کیا ہے اور ایک روایت میں حج کا بھی ذکر ہے لیکن زکاۃ کا کسی روایت میں ذکر نہیں۔

عطاء بن یسار ایک قصہ گو واعظ تھا نہ قوی الحفظ تھا نہ نافع وغیرہ کی طرح اہل علم میں

معدود تھا۔ دورانِ وعظ اناپ شناپ روایات ذکر کرنے کا عادی تھا۔ ابن یسار کے اضطراب کی وجہ سے ہی امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔

امام بخاری بھی اس سے صرف نظر کر لیتے تو بہتر تھا۔ عطاء بن یسار کے علاوہ کسی بھی ثقہ راوی نے نہ حضرت ابوہریرہ سے اس کی روایت کی ہے نہ حضرت معاذ بن جبل سے نہ حضرت عبادہ بن صامت سے البتہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے تقریباً اسی مضمون کی حدیث مروی ہے۔ نسائی نے لکھا ہے "اخبرنا هارون بن محمد بن بكار بن بلال ثنا محمد بن عيسىٰ بن القاسم بن سُميع ثنا زيد بن واقد ثني بُسر بن عبد الله عن ابی ادريس الخولانی عن ابی الدرداء قال قال رسول الله ﷺ من اقام الصلاة واتى الزكاة ومات لايشرك بالله شيئا كان حقا على الله ان يغفرله هاجر او مات فی مولده فقلنا يا رسول الله الانخبر بها الناس فيستبشروا بها. فقال ان للجنة مائة درجة بين كل درجتين كما بين السماء والارض اعدها الله للمجاهدين فی سبيله ولولا ان اشق على المؤمنين ولا اجد ما احملهم عليه ولا تطيب انفسهم ان يتخلفوا بعدی ما قعدت خلف سرية ولوددت انی أقتل ثم احيى ثم اقتل (سنن النسائی كتاب الجهاد. درجة المجاهدين)

امام بخاری نے عطاء بن یسار کی حدیث ذکر کی ہے اُس کے راویوں کی بہ نسبت نسائی کی تخریج کی ہوئی ابوالدرداء والی اس حدیث کے راوی زیادہ ثقہ ہیں۔

---

(۱۴) اللہ تعالیٰ کے ارشاد لايستوی القاعدون

من المؤمنين غير اولی الضرر والمجاهدون فی سبيل الله باموالهم وانفسهم کے متعلق ابواسحاق کی حدیث جسے اس نے براء بن عازب کی طرف منسوب کر کے بیان کیا تھا اور زھری کی حدیث جسے اس نے زید بن ثابت کی طرف منسوب کر کے بیان کیا تھا۔ نیز عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی حدیث

ابو اسحاق سبیعی سے شعبہ و اسرائیل بن یونس وزہیر بن معاویہ ومسعر بن کدام

وسلیمان بن طرخان تیمی وابوبکر بن عیاش نے متقارب الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت براء بن عازب نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر اپنا ارشاد نازل فرمایا۔

لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون یعنی وہ مؤمنین جو جہاد نہ کریں اور وہ جو جہاد کریں۔ برابر نہیں ہیں جہاد کرنے والا مسلمان جہاد نہ کرنے والے مسلمان سے بدرجہا افضل ہے۔

اس میں غیر اولی الضرر نہ تھا۔رسول اللہ ﷺ نے اسے لکھنے کے لئے زید بن ثابت کو بلوایا۔وہ حاضر ہوئے ادھر عمرو بن ام مکتوم نے جو نابینا صحابی تھے عرض کیا۔ جہاد کرنے کو میرا جی تو بہت مچلتا ہے لیکن میں اندھا ہوں ۔یہ فضیلت کیسے حاصل کروں،ان کی اس گذارش پر اللہ تعالیٰ نے غیر اولی الضرر نازل فرما کر واضح فرمادیا کہ اس آیت میں ذکر ان جہاد نہ کرنے والے مسلمانوں کا ہے جو غیر معذور ہوں معذور مسلمان مراد نہیں ہیں۔

شعبہ کی روایت صحیح بخاری وصحیح مسلم ومسند احمد میں ہے۔شعبہ کی روایت میں ہے کہ زید بن ثابت لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون لکھ چکے تھے تو ابن ام مکتوم عرض گذار ہوئے۔تب غیر اولی الضرر کا اضافہ آپ نے زید سے کرایا۔

(صحیح بخاری ص ۳۹۷ کتاب الجہاد وص ۶۶۱ کتاب التفسیر سورۃ النساء، صحیح مسلم کتاب الجہاد،مسند احمد ۴ص ۲۸۲و۲۹۹)

اسرائیل کی روایت صحیح بخاری میں ہے(ص ۶۶۱ کتاب التفسیر سورۃ النساء ص ۷۴۶ کتاب فضائل القرآن،زہیر بن معاویہ کی روایت مسند احمد میں ہے(ج ۴ص ۳۰۱)

مسعر کی روایت صحیح مسلم میں اور سلیمان تیمی کی روایت سنن نسائی میں ہے ابوبکر بن عیاش کی روایت بھی نسائی نے تخریج کی ہے۔(کتاب الجہاد)

ابواسحاق سبیعی کوفی ہمدانی کے متعلق وضاحت کے ساتھ بتایا جاچکا ہے کہ ثبت وثقہ اور کثیر الحدیث شخص تھے اور آخر عمر میں ان کے خرمن حفظ وحواس پر بڑھاپے کی بجلی ایسی گری کہ احساس ہی نہ ہوتا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ جوانی وقوت اور کھولت کے زمانے میں حدیثیں روایت کرنے کا مشغلہ رہا تھا وہی مشغلہ آخر دم تک رہا۔آخری دور میں جن

لوگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں اور اُن کی روایت کی ہے ان کی روایت کردہ حدیثوں میں غلطیاں ہی غلطیاں ہیں۔ شاذ و نادر ہی ان کی کوئی روایت ایسی ہوتی ہے جس میں غلطیوں اور نامعقول اور بے تکی باتوں کی آمیزش نہ ہو۔ یہ چھ راویان احادیث ایسے ہی ہیں جنہوں نے ابو اسحاق سے ان کے آخری دور میں حدیثیں سنی تھیں۔

زیر کلام حدیث کی روایت کا ناظرین تفصیلی مطالعہ کریں تو ہر روایت میں ایسی بات ملے گی جو دیگر روایات میں نہیں ہے۔ قدرِ مشترک کے طور پر ان چھ اشخاص کی روایات میں جو بات مذکور ہے وہ یہ ہی ہے کہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو اس میں غیرُ اُولی الضرر نہ تھا۔ ابن ام مکتوم کے عرض گذار ہونے پر اللہ نے یہ لفظ نازل فرمایا۔ ابو اسحاق تو اختلال حواس کی وجہ سے اس کی روایت کرنے میں کچھ معذور تھے لیکن بخاری و مسلم کو کیا ہو گیا تھا۔ ان کی سمجھ میں کیوں نہ آیا کہ یہ حدیث روایت کرنے کے لائق نہیں کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی طرف وہ فعل منسوب کیا گیا ہے جو بندوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ ایک لائق فائق بندہ کچھ لکھتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی عبارت میں کوئی خلل و قصور رہ جائے دوسرا شخص اسے اس قصور سے آگاہ کرے تب وہ عبارت میں کچھ بڑھا کر اس قصور کو دور کر دے ایسا بھی ہوتا ہے اور خوب ہوتا ہے کہ لکھنے والا جب اپنے لکھے ہوئے پر نظر ثانی کرتا ہے تو اسے خود معلوم ہو جاتا ہے کہ جو اس نے پہلے لکھا تھا اُس میں یہ کمی رہ گئی تھی۔ نظر ثانی میں اسے ٹھیک کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق تو یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے نبی پر کوئی آیت اتارے جس میں کوئی لفظ رہ جائے۔ پھر اس لفظ کو نازل فرما کر اس کمی کو دور کرے۔ **سبحانه وتعالیٰ عما یقولون علوا کبیرا**۔ مگر سفیان ثوری نے ابو اسحاق سے حدیثوں کا استفادہ اس زمانہ میں کیا تھا جب وہ صحیح الحواس تھے۔ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے سفیان ثوری نے بھی ابو اسحاق سے یہ حدیث روایت کی ہے جو پاک صاف اور بے داغ ہے۔ سفیان ثوری کی روایت یہ ہے۔

امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا وکیع ثنا سفیان عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب یقول لما نزلت هده الآیة وفضل الله المجاهدین علی القاعدین اجرا

عظیما اتاه ابن ام مکتوم فقال یا رسول الله ما تأمرنی. انی ضریر البصر. فانزل الله عزوجل غیر اولی الضرر. فقال رسول الله ﷺ ائتونی بالکتف والدواة او اللوح والدواة (مسند ۴ ص ۲۹۹)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کو اللہ کی آیت پڑھ کر سنائی:

لایستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم فضل الله المجاهدین باموالهم و انفسهم علی القاعدین درجةً وکلا وعد الله الحسنی وفضل الله المجاهدین علی القاعدین اجرا عظیما درجٰتٍ منه ومغفرةً ورحمة وکان الله غفورا رحیما ۰

ابن ام مکتوم آئے انہوں نے شروع سے یہ آیت نہیں سنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا "وفضل الله المجاهدین علی القاعدین اجراً عظیماً الآیة. عرض کیا یا رسول اللہ میں تو نابینا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں شروع سے آیت پڑھ کر سنائی جس میں اللہ کا اتارا ہوا کلمہ غیر اولی الضرر ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت لکھوائی۔ بخاری و مسلم کو یہ حدیث بیان کرنی تھی تو سفیان ثوری کے طریق سے اس کی تخریج کرتے۔

زہری کی روایت کردہ حدیث زید بن ثابت

صالح بن کیسان نے ابن شہاب زہری سے روایت کی ہے:

عن سهل بن سعد الساعدی انه قال رأیت مروان بن الحکم جالسا فی المسجد فاقبلتُ حتی جلست الی جنبه فاخبرنا ان زید بن ثابت اخبره ان رسول الله ﷺ املی علیه "لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل الله الآیة فجاءه ابن ام مکتوم وهو یملیها علی. قال یا رسول الله لو استطیع الجهاد لجاهدت وکان رجلا اعمی فانزل الله علی رسوله وفخذه علی فخذی فثقلت علی حتی خفت ان ترض

فخذی ثم سُرّی عنه فانزل الله غیر اولی الضرر.

(صحیح بخاری ص۳۹۷ کتاب الجہاد۔ باب قول الله لایستوی القاعدون الخ و ص۶۶۰ کتاب التفسیر سورۃ النساء)

ترمذی نے بھی صالح بن کیسان کی یہ روایت تخریج کی ہے (تفسیر سورۃ النساء) اور نسائی کی اسناد میں ہے عن عبدالرحمٰن بن اسحاق عن الزہری (سنن نسائی کتاب الجہاد. فضل الله المجاهدین علی القاعدین)

یعنی زہری نے سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کی ہے سہل نے ذکر کیا کہ میں نے مروان بن حکم (امیر مدینہ) کو مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا تو میں بھی آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ زید بن ثابت نے اسے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے لکھنے کے لیے یہ آیت املا کی لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون ابھی آپ اِملا فرما ہی رہے تھے کہ ابن ام مکتوم نابینا آ گئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ کاش مجھے جہاد کرنے کی استطاعت حاصل ہو جائے تو میں بھی جہاد کروں آپ پر وحی نازل ہونے لگی لیٹ گئے میری رانوں پر آپ کی ران تھی۔ تو مجھے بے حد وزن محسوس ہوا۔ اندیشہ ہو گیا کہ میری ران چورا چورا ہو جائے گی۔ نزول وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے بتایا کہ اس آیت میں من المؤمنین کے بعد اللہ تعالیٰ نے غیر اولی الضرر نازل فرما دیا ہے۔ اور امام احمد نے اس اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے:

حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهری عن قبیصة بن ذؤیب عن زید بن ثابت قال کنت اکتب لرسول الله ﷺ فقال اکتب "لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل الله. الآیة فجاء عبدالله بن ام مکتوم فقال یارسول الله انی احب الجهاد فی سبیل الله ولکن بی من الزمانة ماتری وذهب بصری قال زید فثقلت فخذ رسول الله ﷺ علی فخذی حتی خشیت ان ترضها فقال اکتب لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله. (مسند ۵ ص ۱۸۴)

پس زہری اس حدیث کی اسناد میں مضطرب تھے۔ معمر کو یہ بتایا کہ قبیصہ بن ذویب نے زید بن ثابت سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور صالح بن کیسان و عبدالرحمٰن بن اسحاق کو یہ کہ زید سے اس کی روایت کرنے والا مروان ہے اور مروان سے سہل بن سعد ساعدی اور یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ حدیث سہل سے سنی تھی نہ یہ کہ قبیصہ نے مجھے سنائی تھی۔ عن سہل بن سعد اور عن قبیصۃ بن ذویب کہا ہے۔ اس اضطراب کی وجہ سے یہ حدیث صحیح الاسناد نہیں ہے اغلب یہ ہی ہے کہ زہری نے یہ حدیث نہ سہل بن سعد سے سنی تھی نہ قبیصہ سے۔ کسی یاوہ گو نے اسے سہل کی طرف منسوب کر کے سنا دی تھی اور کسی نے قبیصہ کی طرف منسوب کر کے۔ فہم و درایت استعمال کرنے سے زہری وغیرہ کو کوئی سروکار نہ تھا۔ پس یہ حدیث بھی حدیث براء کی طرح باطل ہے۔

اور سنئے ابوداؤد نے سعید بن منصور سے اور امام احمد نے سفیان بن داؤد سے اور ان دونوں نے ابوالزناد کے بیٹے عبدالرحمان سے روایت کی ہے:

عن خارجة بن زيد قال قال زيد بن ثابت انى قاعد الى جنب النبى ﷺ يوما اذا وحى اليه و غشيته السكينة ووقع فخذه على فخذى حين غشيته السكينة. قال زيد فلا والله ما وجدت شيئا اثقل من فخذ رسول الله ﷺ ثم سرى عنه فقال اكتب يا زيد فاخذت كتفا فقال اكتب لايستوى القاعدون من المؤمنين والمجاهدون. الآية فكتبت ذلك فى كتف فقام حين سمعها ابن ام مكتوم وكان رجلا اعمى فقام حين سمع فضيلة المجاهدين. قال يا رسول الله فكيف بمن لايستطيع الجهاد ممن هو اعمى واشباه ذلك قال فوالله ما مضى كلامه. او ما هو الا ان قضى كلامه غشيت النبى ﷺ السكينة فوقعت فخذه على فخذى فوجدت من ثقلها كما وجدت فى المرة الاولى ثم سرى عنه فقال اقرأ فقرات عليه. فقال النبى ﷺ غير اولى الضرر، قال زيد فالحقتها فوالله كانى انظر الى ملحقها عند صدع كان فى الكتف (مسند ۵ ص ۱۹۰)

یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی گھڑی ہوئی ہے اور شعبہ وغیرہ کی روایت کی

ہوئی حدیث براء کے خلاف ہے کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ زید بن ثابت کے سامنے یہ آیت غیر اولی الضرر کے بغیر نازل ہوئی تھی اور اُس میں ہے کہ اس کے نازل ہونے پر آپ نے زید کو طلب کیا تھا۔

---

(۱۵) سفر جہاد میں روزہ رکھنے کی فضیلت کی حدیث جو سہیل بن ابی صالح سے مروی ہے

امام بخاری و نسائی نے عبدالرزاق کے طریق سے روایت کی ہے:

قال اخبرنا ابن جریج اخبرنی یحی بن سعید وسهیل بن ابی صالح انهما سمعا النعمان بن ابی عیاش عن ابی سعید الخذری قال سمعت النبی ﷺ یقول من صام یوما فی سبیل الله بعّد الله وجهه عن النار سبعین خریفا (صحیح بخاری ص ۳۹۸ کتاب الجهاد سنن نسائی کتاب الصیام باب ثواب من صام یوما فی سبیل الله (باب فضل الصوم فی سبیل الله)

ابن جریج نے بتایا کہ مجھے یحیٰ بن سعید انصاری اور سہیل بن ابی صالح نے خبر دی کہ ان دونوں نے نعمان بن ابی عیاش زُرَقی انصاری مدنی سے سنا اس نے ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے اللہ اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال کے فاصلہ پر رکھے گا۔

امام احمد و نسائی نے شعبہ کے طریق سے اس کی روایت کی ہے۔ شعبہ نے اس کی اسناد میں **عن سهیل بن ابی صالح عن صفوان بن یزید عن ابی سعید الخذری** ۔ کہا تھا (مسند ۳ ص ۴۵) **سنن نسائی کتاب الصیام حماد بن سلمه** کی اسناد اس حدیث میں یہ ہے **عن سهیل بن ابی صالح عن النعمان بن ابی عیاش عن ابی سعید** (مسند ۳ ص ۸۳)

یہ ہی یزید بن عبداللہ بن الهاد کی اسناد ہے (سنن ابن ماجہ ص ۱۲۴ ابواب الصوم سنن نسائی، کتاب الصیام)

سفیان ثوری سے بھی یہ حدیث مروی ہے مگر ان کے شاگردوں میں سے قاسم ویزید بن ابی حکیم عدنی وعبداللہ بن ولید عدنی اور عبیداللہ بن موسیٰ نے کہا ہے عن سفیان عن سھیل عن النعمان عن ابی سعید (نسائی وترمذی) اور عبداللہ بن نمیر نے کہا ہے حدثنا سفیان عن سمی عن النعمان بن ابی عیاش عن ابی سعید (مسند ۳ ص ۲۶ وص ۵۹۔ سنن نسائی) یعنی عبداللہ بن نمیر نے سمی کو سفیان کا شیخ بتایا ہے اور قاسم وغیرہ نے سھیل کو۔

حمید بن اسود نے کہا ہے **حدثنا سهيل عن النعمان بن ابی عياش قال سمعت ابا سعيد الخدری. (سنن نسائی)**

اور ابو معاویہ کی اسناد یہ ہے عن سھیل عن المقبری عن ابی سعید (سنن نسائی)

انس بن عیاض اور سعید بن عبدالرحمان نے بھی سھیل سے اس کی روایت کی ہے۔ ان دونوں کی اسناد میں ہے عن سھیل عن ابیہ ابی صالح عن ابی ھریرۃ ہے انس کی روایت مسند احمد وسنن نسائی میں ہے (مسند ۲ ص ۳۰۰۔ سنن النسائی کتاب الصیام)

اور سعید بن عبدالرحمٰن کی روایت سنن نسائی میں ابن جریج نے اس کی اسناد میں سھیل کے ساتھ یحیٰ بن سعید کا بھی پیوند لگا دیا ہے لیکن سھیل کے بقیہ سات تلامذہ نے یحیٰ بن سعید کا ذکر نہیں کیا پس یحیٰ بن سعید کا ذکر ابن جریج کا غلط اضافہ ہے۔ اس حدیث کی اسانید کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ سھیل اس میں شدید اضطراب میں مبتلا تھا اور اس کی اسناد اسے اچھی طرح محفوظ نہ تھی۔ کبھی اسے ابوسعید خدری کی حدیث بتا دیا کبھی ابوہریرہ کی حدیث قرار دیدیا۔ شعبہ کو اس نے یہ حدیث سنائی تو بتا دیا کہ مجھے یہ حدیث صفوان بن یزید سے پہنچی ہے اور ابو معاویہ سے کہہ دیا کہ میں اس کی روایت سعید مقبری سے کر رہا ہوں۔ انس بن عیاض اور سعید بن عبدالرحمٰن کو یہ باور کرایا کہ میں نے اس کی روایت اپنے والد ابو صالح ذکوان سے کی ہے۔ حماد بن سلمہ وغیرہ کو نعمان بن ابی عیاش کا نام بتا دیا۔ سھیل کے اس اضطراب کو رفع کرنے اور حقیقت حال جاننے کی کوئی صورت نہیں اسی لئے امام مسلم نے اس

کی تخریج کرنے سے اجتناب کیا ہے یہ تو اس کی اسناد کا حال ہے۔ رہا اس کا متن تو وہ منکر اور قصاص یعنی واعظین کا گھڑا ہوا ہی لگتا ہے۔ سفرِ جہاد میں روزہ رکھنے میں کوئی خوبی و نیکی نہیں ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے لیس من البرّ الصیامُ فی السفر۔

(۱۶) حضرت ابوھریرہ سے مروی حدیث کہ ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو اس نے چینٹیوں کا استھان ہی جلوادیا جس سے بے شمار چیونٹیاں جل کر ہلاک ہوگئیں

یہ حدیث زہری واعرج وہمام بن منبہ ومحمد بن سیرین وحسن بصری سے مروی ہے۔ زھری واعرج کی روایت صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ زہری نے کہا ہے۔

عن سعید بن المسیب وابی سلمة ان ابا ھریرة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول قرصت نملة نبیا من الانبیاء فامر بقریة النمل فاُحرِقت فاوحی الله الیه اَنْ قرصتک نملة احرقت امة من الامم تسبح الله (صحیح بخاری ص ۴۲۴ کتاب الجھاد فی باب بعد باب اذا حرّق المشرک المسلم ھل یحرق ۔ صحیح مسلم کتاب قتل الحیات وغیرھا ج ۴ ص ۳۹ طبع مصر سنن ابی داؤد اواخر کتاب الادب باب فی قتل الذتر مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۲ سنن ابن ماجه ص ۲۴۰ طبع ھند ابواب الصید باب ما ینھی عن قتله)

یعنی زہری نے سعید بن مسیب وابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک چیونٹی نے ایک نبی کے بدن میں کاٹ لیا تو اس نے چیونٹیوں کے پورے استھان میں آگ لگوادی تو اللہ نے اسے وحی فرمائی کہ اس وجہ سے ایک چیونٹی نے تمہیں کاٹ لیا تم نے چیونٹیوں کی ایک پوری قوم کو جلوادیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔

اس کی اسناد میں زہری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اس نے سعید بن میسیب وابوسلمہ سے یہ حدیث سنی تھی نہ ان دونوں کے متعلق یہ بتایا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث سنی تھی اور ابوالزناد نے اعرج سے روایت کی ہے

عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال نزل نبی من الانبیاء تحت شجرة فلدغته نملة فامر بجهازه فاخرج من تحتها ثم امر ببیتها فاحرق بالنار فاوحی الله الیه فهلا نملة واحدة (صحیح بخاری ۴۶۷ کتاب بدء الخلق . صحیح مسلم سنن ابی داؤد، مسند ۲ ص ۴۴۹)

یعنی ایک نبی نے اثنائے سفر (دوپہر میں) ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کیا۔ان کے لئے بستر بچھا دیا گیا ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو اپنا سامان وہاں سے ہٹوا کر چیونٹی کے بل میں آگ لگوا دی اللہ نے وحی فرمائی کہ تمہیں انتقام ہی لینا تھا تو ایک ہی چینوٹی کو جلا دیتے یعنی جس نے تمہیں کاٹا تھا (دیگر بہت سی بے قصور چینٹیوں کو کیوں پھونک دیا) یہ ہی حدیث محمد بن سیرین نے ابوھریرہ سے مرفوعا روایت کی ہے (نسائی)

اور حسن بصری سے قتادہ واشعث نے بروایت قتادہ حسن نے اسے حضرت ابوھریرہ کے قول کی حیثیت سے ذکر کیا تھا۔اسناد میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہ تھا اور بروایت اشعث حسن نے ابوہریرہ کا بھی ذکر نہیں کیا تھا بس یہ کہا تھا **نزل نبی من !الانبیاء تحت شجرة** ۔الخ

ان روایات میں سے کسی بھی روایت میں اُس نبی کا نام مذکور نہیں ہے اور ابوھریرہ کے علاوہ اور کسی صحابی سے یہ قصہ مروی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے۔بعض کا قول ہے کہ وہ نبی عزیر تھے۔حکیم ترمذی اور کلاباذی اور قرطبی نے یہ بتایا ہے کہ وہ موسی علیہ السلام تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط بکواس ہے۔آخر کلاباذی وقرطبی وحکیم ترمذی کے پاس کونسا ذریعہ علم تھا جس سے انہیں وہ معلوم ہوگیا جو نہ ابوہریرہ کو معلوم تھا نہ رسول اللہ ﷺ کو۔

میں کہتا ہوں کہ ایک نبی کا جو فعل اس حدیث میں مذکور ہے وہ انبیائے کرام کی

سیرت سے کوئی میل نہیں رکھتا۔ یہ قصہ قطعاً رسول اللہ ﷺ کا بیان فرمایا ہوا نہیں ہے۔ ابوھریرہ نے کعب احبار یا کسی اور نومسلم یہودی یا عیسائی سے یہ قصہ سنا ہوگا۔ اپنے اصحاب سے اس کی روایت کی انہوں نے یہ خیال کر کے کہ ابوھریرہ کی بتائی ہوئی ہر بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہے غلطی سے اس کو حدیث مرفوع کے طور پر ذکر کر دیا۔

---

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف منسوب حدیث

جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالدؓ بن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا تھا۔ پھر فرمایا تھا اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد

عبدالرزاق بن همام اور عبدالله بن مبارک نے معمر بن راشد سے روایت کی ہے عن الزهری عن سالم عن ابیه قال بعث النبی ﷺ خالد بن الولید الی بنی جذیمة فدعاهم الی الاسلام فلم یحسنوا ان یقولوا اسلمنا فجعلوا یقولون صبأنا صبأنا فجعل خالد یقتل ویأسر و دفع الی کل رجل منا اسیراً حتی کان ذات یوم فامر ان یقتل کل رجل اسیره. فقلت والله لا اقتل اسری ولا یقتل رجل من اصحابی اسیره. حتی قدمنا علی النبی ﷺ فذکرناه له فرفع النبی ﷺ یدیه فقال اللهم انی ابرأ الیک مما صنع خالد. مرتین صحیح بخاری ص ۶۲۲ کتاب المغازی باب، بعث النبی ﷺ خالد بن الولید الی بنی جذیمة. ص ۱۰۶۶ کتاب الاحکام باب اذا قضی الحاکم بجور او خلاف اهل العلم فهو مردود.

یعنی زہری نے سالم سے اس نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ خالد نے انہیں مسلمان ہو جانے کو کہا تو وہ اسلمنا (ہم مسلم بن گئے) نہ کہہ سکے اس کی بجائے صبأنا صبأنا (ہم صابی بن گئے) کہنے لگے تو خالد نے انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اور ہم میں سے یعنی لشکر اسلام

میں سے ہر شخص کو ایک ایک قیدی دیدیا۔ یہاں تک کہ ایک دن ہوا تو خالد نے حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ نہ میں اپنے قیدی کو قتل کروں گا نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ یہاں تک کہ ہم نے واپس آ کر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر فرمایا خدایا جو کام خالد نے کیا ہے میں تیرے حضور اس سے بیزاری و بے تعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔ بخاری کے علاوہ نسائی نے عبداللہ بن مبارک کے طریق سے اور امام احمد نے عبدالرزاق کے طریق سے اسی طرح اس کی روایت کی ہے۔

(سنن نسائی کتاب آداب القضاۃ باب الرد علی الحاکم اذا قضی بغیر الحق مسند احمد ۲ ص ۱۵۰)

معمر کے علاوہ زہری سے یہ قصہ اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ اور جس انداز سے معمر کی روایت میں یہ قصہ مذکور ہے قطعاً غیر معقول اور بے تکا ہے۔ اگر یہ قصہ یوں بیان کیا جاتا کہ خالد بن ولید نے بنی جذیمہ کو دعوتِ اسلام دی۔ وہ مٹھی بھر مسلمانوں کو خاطر میں نہ لائے اور جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں انہیں شکست ہو گئی جنگ میں مجاہدین کے ہاتھوں ان کے کافی آدمی مارے گئے۔ آخر انہوں نے امان مانگی اور ہتھیار ڈال دیئے تب خالد نے بقیۃ السیف لوگوں کو گرفتار کیا اور ہر مجاہد کی نگرانی میں ایک ایک قیدی دیدیا ایک دو دن بعد خالد نے سب قیدیوں کو طلب کیا اور کہا اگر تم اسلام قبول کر لو تو آزاد کر دیے جاؤ گے ورنہ لقمہ شمشیر بنو گے۔ وہ بجائے اس کے کہ اسلمنا اسلمنا کہتے صبانا صبانا کہنے لگے خالد نے یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ قبول اسلام سے انکار کر رہے ہیں انہیں قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن عبداللہ بن عمر نے خالد کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا کہ بخدا نہ میں اس قیدی کو قتل کروں گا جو میری نگرانی میں ہے نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔

اس انداز سے یہ قصہ بیان کیا جاتا تو بے تکا نہ ہوتا گو پھر بھی غلط اور خلاف واقعہ ہی ہوتا۔ کیونکہ قبیلۂ بنی جذیمہ مکہ کے قریب ہی رہتا تھا۔ اور یہ قصہ ہوا ہوتا تو فتح مکہ کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔ جب کہ اسلام جزیرہ عرب میں پھیل چکا تھا پھر یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ

اس قبیلہ کے لوگ اسلمنا کہنے کی بجائے صبانا کہیں۔ پھر کسی کافر کو دعوتِ اسلام دی جائے اور وہ جواب میں کہے اسلمتُ (میں مسلمان ہو گیا) تو اس کا جواب غیر معتبر ہے۔ اسے کہنا پڑے گا **اشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله** یعنی میں اللہ کی یکتائی اور محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ اس شہادت کے بغیر اسے مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر خالد بن ولید نے بنی جذیمہ کو دعوتِ اسلام دی تھی اور انہوں نے اسے قبول کر لیا تھا تو ان کے ایک ایک فرد کو جواب میں کلمہ شہادت بولنا تھا اور جب ان میں سے کوئی کلمۂ شہادت زبان پر نہ لایا اور صبانا صبانا پکارا تو خالد انہیں دعوت اسلام قبول کرنے سے سرتاب سمجھنے اور انہیں گردن زدنی قرار دینے میں قطعاً حق بجانب تھے۔ لہٰذا یہ قطعاً بکواس ہے کہ عبداللہ بن عمر نے امیر کی شدید مخالفت کی تھی اور **و الله لا اقتل اسیری ولا یقتل احد من اصحابی اسیره** کہا تھا اس مہم میں مجاہدین کے امیر خالد بن ولید تھے اور انہوں نے اگر اسلام سے سرتاب قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا تو یہ حکم ناروا و خلاف شرع نہ تھا۔ عبداللہ بن عمر کوئی گروہ بند آدمی نہ تھے کہ **لایقتل احد من اصحابی اسیره** کہتے۔ مجاہدین میں ان کے اصحاب کون لوگ تھے جو امیر خالد بن ولید کے بجائے ان کا حکم مانتے۔ اور یہ بھی قطعاً غلط اور رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک پر افتراء و بہتان ہے کہ آپ نے خالد کے عمل کو ناروا قرار دیا اور ہاتھ اٹھا کر **اللهم انی ابرء الیک مما صنع خالد** فرمایا ہو۔

اس قصہ کو گھڑنے اور بیان کرنے سے مقصود خالد بن ولید کی مذمت ہے کہ عامۃ المسلمین جسے سیف اللہ اور مجاہد عظیم اور اسلام کا بطل جلیل قرار دیتے ہیں وہ ایک خوں ریز و سفاک شخص تھا۔ خالد بن ولید کے متعلق یہ ناپاک خیال رافضیوں کا ہے اس کے دو سبب ہیں اول یہ کہ حضرت خالد کا بیٹا عبدالرحمٰن شیر بچہ بنی مخزوم حضرت معاویہ کے جانباز ساتھیوں اور حمایتیوں میں سے تھا۔ دوم یہ کہ وہ دیکھتے اور جانتے تھے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ خالد بن ولید کی عظمت کا قائل اور ان کا ثنا خواں ہے۔ ایران و شام میں جو عظیم الشان فتوحات خالد بن ولید کو حاصل ہوئی تھیں جن کی وجہ سے اسلامی مملکت کو بڑی وسعت نصیب ہوئی ہے اُن کا ذکر ہر مسلمان کو سرشار اور خالد کی محبت سے معمور رکھتا ہے۔ مگر یہ

احساس رافضیوں کے دلوں کو تڑپاتا تھا کہ ان کے محبوب مقتدا شیرِ خدا علی مرتضٰی کے کارناموں میں بس مرحب یہودی کا قتل آتا ہے وہ بھی مختلف فیہ ہے۔اس احساس کے تحت انہوں نے متعدد کہانیاں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلائیں جن سے خالد بن ولید اور دیگر صحابہ کبار کے مقابلہ میں علی بن ابی طالب کی برتری ثابت ہو۔اُن ہی جھوٹی کہانیوں میں سے یہ بنی جذیمہ کا قصہ ہے۔

دراصل یہ قصہ حکیم بن عباد رافضی کذاب نے گھڑا تھا۔ابن اسحاق نے کہا ہے

حدثنی حکیم بن عباد عن ابی جعفر الباقر قال بعث رسول الله ﷺ خالد بن الولید حین افتتح مکة الی بنی جذیمة داعیاً لهم ولم یبعثه مقاتلا فاتاهم فقال ضعوا السلاح فان الناس قد اسلموا فوضعوه فامر بهم فکتفوا ثم عرضهم علی السیف فذکر القصة وزاد ثم دعا رسول الله ﷺ علیا فقال اذهب الی هؤلاء القوم واجعل امر الجاهلیة تحت قدمیک حتی جاء هم ومعه مال فلم یبق لهم احد الا وداه (فتح الباری)

مجھ سے حکیم بن عباد نے بیان کیا ابو جعفر باقر یعنی محمد بن علی سے روایت کر کے ابو جعفر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح کر لیا تو خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کے پاس تبلیغ اسلام کی غرض سے بھیجا ان سے جنگ کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا۔خالد نے (اپنے ساتھیوں کے ساتھ) ان کے پاس پہنچ کر ان سے کہا کہ ہتھیار رکھ دو (ہم سے جنگ کرنا فضول ہے) کیونکہ تمام لوگ یعنی اہل مکہ مسلمان ہو چکے ہیں۔انہوں نے ہتھیار رکھ دیے تب خالد نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان کی مشکیں کس لو چنانچہ ان میں سے ہر ایک کے کاندھوں سے ملا کر ہاتھ باندھ دیے گئے۔(اس طرح سب کو بے بس کر دیا گیا) پھر ان کو تلوار پر پیش کر دیا گیا یعنی حکم دیدیا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔کچھ مسلمانوں نے خالد کے اس حکم پر عمل کیا مگر عبداللہ بن عمر نے اس کی مخالفت کی کہ نہ میں کسی قیدی کو قتل کروں گا نہ میرا کوئی ساتھی یہ گناہ کرے گا۔واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو ماجرا سنایا گیا الخ۔

اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پھر نبی ﷺ نے حضرت علی کو بلا کر حکم دیا کہ

بنی جذیمہ کے یہاں جا کر جاہلیت کے کام کو قدموں سے روند دو۔ حسب حکم علی مال لے کر گئے اور ان کے ایک ایک مقتول کی دیت ادا کی۔

یعنی خالد بن ولید کی بھیانک غلطی کا تدارک علی سے کرایا گیا۔ ابو جعفر باقر متقی وپرہیزگار اور راست گفتار شخص تھے حکیم بن عباد کذاب رافضی نے ابو جعفر کی طرف اس جھوٹی کہانی کو روایت کرنے کی نسبت کر کے قطعاً افترا پردازی و دروغ بانی کی تھی۔ مگر چونکہ یہ روایت مرسل تھی اور اہل علم کے نزدیک مرسل روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ اس لئے کسی اور رافضی نے اس میں تصرف کر کے اسے متصل السند بنا دیا اور چپکے سے معمر کی کتاب میں جو ان احادیث پر مشتمل تھی جو معمر نے زہری سے اور اس نے سالم سے اور اس نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے سنی تھیں اسے درج کر دیا۔ اغلب یہ ہے کہ معمر جب بصرہ میں مقیم تھے وہیں کوئی شاطر رافضی تقیہ کر کے ان کے تلامذہ میں شامل ہوا اور یہ کارروائی کر گذرا۔ تہذیب التھذیب میں امام ابو حاتم کا قول مذکور ہے **ما حدث معمر بالبصرة فیه اغالیط وھو صالح الحدیث**۔ بخاری ونسائی نے اس کے معنی پر غور نہیں کیا اور ظاہری اسناد سے دھوکا کھا کر اسے صحیح گمان کر لیا۔ روافض تھے عجب طرح کی مخلوق تحصیل حاصل کی غرض سے انہوں نے روایات گھڑنے اور لوگوں میں پھیلانے کا نہایت بے باکی کے ساتھ جرم عظیم کیا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً بڑی فضیلت رکھنے والے اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ اُن کی فضیلت کا ثبوت قطعاً روافض کی گھڑی ہوئی روایات کا محتاج نہ تھا۔

---

(۱۸) ھشام بن عروہ کی روایت جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لبید بن اعصم خزرجی جادوگر نے سخت جادو کیا تھا جس کی وجہ سے آپ کچھ دن بہت پریشان رہے

امام بخاری نے ھشام کی یہ روایت آٹھ جگہ ذکر کی ہے۔

صحیح بخاری ص ۴۵۰ کتاب الجھاد ص ۴۶۲ کتاب بدء الخلق پھر ص ۴۶۲ کتاب بدء

الخلق ص ۸۵۷ کتاب الطب باب السحر ص ۸۵۸ کتاب الطب باب ھل یستخرج السحر ص ۸۵۸ کتاب الطب باب السحر ص ۸۹۵ کتاب الادب

اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سخت بھول کی شکایت ہوگئی خیال ہوتا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ وہ آپ نے نہ کیا ہوتا کسی بیوی سے ہم بستر ہوئے ہیں اس لیے غسل فرماتے حالانکہ ایسا نہ ہوتا۔ کھانا کھا چکے ہیں حالانکہ نہ کھایا ہوتا۔ بدن میں ضعف آنے لگا اور نڈھال ہوتے چلے گئے تب دعا فرمائی اور دو فرشتوں کے ذریعہ آپ کو خواب میں بتایا گیا کہ لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا ہے اور وہ ذی اروان نامی ایک کنوئیں میں ہے۔ دن میں آپ چند اصحاب کے ساتھ اس کنوئیں پر پہنچے اور وہ جادو اس میں سے نکلوایا۔

اس حدیث کی صرف ھشام بن عروہ نے اپنے والد عروہ سے اور عروہ بن زبیر نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت کی ہے۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول اور نہایت گرامی مرتبہ انسان تھے۔ انسان ہونے کے لحاظ سے جو عوارض انسان کو پیش آسکتے ہیں آپ کو بھی پیش آئے جیسے تدریجاً جسمانی نشو ونما، جوانی، بھوک، پیاس، بیماری، ادھیڑ پن پھر بڑھاپا، کمزوری، پھر وفات۔

لیکن حق تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تھا۔ **واللہ یَعْصِمُکَ من الناس**۔ شروع سے آخر تک آپ زندگی بھر اس وعدۂ حق کے مطابق حق تعالیٰ کی عصمت وحفاظت میں رہے۔ آپ کے دشمنوں نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد اور سفر یا حضر میں آپ کو ہلاک کرنے کی زبردست تدبیریں کیں کھلی اور چھپی ہر طرح کی چالیں چلیں مگر ناکامی و نامرادی کے سوا انہیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ بحیثیت قوم یثرب میں رہنے والے اور یثرب کے آس پاس بسنے والے ظالم یہودی آپ کے بدترین دشمن تھے۔ اُنہوں نے آپ کو جادو سے بھی ہلاک کر ڈالنے کی خوب کوششیں کیں۔ بے خبری میں سر مبارک پر بھاری چکی کا پاٹ ڈال دینے کی بھی سازش رچی۔ آپ کو زہر دیکر مار دینے کی بھی تدبیر کی۔ اندھیرے میں آپ کو قتل کر ڈالنے کے منصوبے بھی گانٹھے لیکن حق تعالیٰ کی

عصمت ہمیشہ ان کی تدبیروں کو ان کے منہ پر مارتی رہی۔ یثرب کے خزرجی منافق ساحر اعظم لبید بن اعصم نے بھی جو جادو میں یہودیوں کا بھی گرو بن گیا تھا آپ پر جادو کیا۔ اس کا جادو بھی دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اللہ کی عصمت کے مقابلہ میں اس کا یا کسی بھی جادوگر کا جادو آپ پر نہیں چل سکتا تھا۔ پس ھشام بن عروہ کی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ اس جادو کے اثر سے آپ شدید بھول میں مبتلا ہو گئے تھے تو اسے ہم حق تعالیٰ کے ارشاد واللہ یعصمک من الناس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان ہوئی کہانی سمجھتے ہیں۔

ھشام کی بیان کی ہوئی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عروہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی تھی۔ ہر روایت کی اسناد میں ''ھشام عن ابیہ عن عائشہ ہے میں سمجھتا ہوں کہ عروہ کو یہ کہانی کسی شخص نے ام المؤمنین کی طرف منسوب کر کے بتائی ہوگی۔ عروہ نے اس کا نام ذکر نہیں کیا اور ''عن عائشۃ'' کہہ کر اس کو اپنے فرزند ھشام سے بیان کر دیا۔ ایسی متعدد حدیثیں ہمارے علم میں ہیں جن کی عروہ نے عن عائشہ کہہ کر روایت کی تھی حالانکہ وہ حدیثیں عروہ نے ام المؤمنین سے نہیں سنی تھیں۔ یہ حدیث بھی میرے نزدیک ایسی ہی ہے۔ اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اصولاً صحیح نہیں ہے اور درایۃً باطل ہے۔

---

(۱۹) کسی کاہن (جوتشی) کی بتائی ہوئی بات کے کبھی صحیح ثابت ہونے کی توجیہ جو صحیح بخاری وغیرہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

ان الملائکۃ تنزل فی العنان وھو السحاب فتذکر الامر قُضی فی السماء فتسترق الشیاطین السمع فتسمعہ فتوحیہ الی الکھان فیکذبون معھا مائۃ کذبۃ من عند انفسھم (صحیح بخاری ص ۴۵۶ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ)

یعنی اللہ کا حکم لے کر اس کی تعمیل کے لئے آسمان سے فرشتے بادل میں اترتے ہیں۔ بادل میں باہم ذکر کرتے ہیں کہ اللہ کی جناب سے فلاں فلاں اور یہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے شیاطین چوری چھپے ان کی کوئی بات سن لیتے ہیں تو اسے کاہنوں کو بتا دیتے ہیں وہ ایک بات میں سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر لوگوں کو بتا دیتے ہیں (فرشتوں سے سنی ہوئی بات صحیح نکلتی ہے (اس طرح غیب کی خبر دینے والے اس کاہن کی لوگوں میں واہ واہ ہونے لگتی ہے کہ دیکھو جیسا اس نے کہا تھا ویسا ہی ہوا ہے۔

یہ لیث بن سعد کی بیان کردہ حدیث ہے جو اس نے سلیمان بن یسار مصری سے سنی تھی۔ اس نے محمد بن عبدالرحمٰن ابو الاسود سے اس نے عروہ بن زبیر سے روایت کی تھی۔ سعید بن ابی ھلال نے بھی ابو الاسود سے یہ حدیث سنی تھی (صحیح بخاری ص ۴۶۴ بدء الخلق باب صفۃ ابلیس وجنودہ)

اس میں ہے فتقرها فی اذان الکھان کما تقر القارورة اور ھشام بن یوسف صنعانی نے معمر بن راشد سے سنا اس نے زہری سے اس نے یحیٰ بن عروہ سے اس نے اپنے والد عروہ سے روایت کی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا سأل رسول اللہ ﷺ ناس عن الکھان فقال لیسوا بشئ فقالوا یا رسول اللہ انھم یحدثونا احیانا بشئی فیکون حقا فقال تلک الکلمة من الحق یخطفھا الجنی فیقرھا فی اِذن ولیه فیخلطون معھا مائة کذبة (صحیح بخاری ص ۸۵۷ کتاب الطب آخر باب الکھانة)

ابن جریج نے بھی زہری سے اس کی روایت کی ہے۔ اسی طرح مگر اس میں ہے فیقرھا فی اذن ولیه قرالدجاجة۔ (صحیح بخاری ص ۸۷ کتاب الادب باب قول الرجل للشیئ لیس بشئ (مسند ٦ ص ۸۷)

معقل بن عبیداللہ نے (صحیح مسلم کتاب السلام) اور شعیب نے بھی زہری سے اسی طرح ان روایات میں تصریح ہے کہ کاہنوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال چند لوگوں نے کیا تھا۔ اور صحیح مسلم میں عبدالرزاق کے طریق سے ہے قال اخبرنا معمر عن

الزهری عن یحی بن عروۃ بن الزبیر عن ابیہ عن عائشۃ قالت قلت یا رسول الله ان الکھان کانوا یحدثوننا بالشئی فنجدہ حقا. قال تلک الکلمۃ الحق یخطفھا الجنی الخ

اس میں مذکور ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا تھا کہ کاہن لوگ ہم سے بات بیان کرتے تھے تو وہ بالکل صحیح نکلتی تھی الخ یہ عبدالرزاق کی سخت بھول اور غلط بیانی تھی کیونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی کبھی کسی کاہن سے بات چیت نہ ہوئی تھی نہ انہوں نے کسی کاہن کی کہی ہوئی بات کا یہ تجربہ کیا تھا کہ وہ حق ثابت ہوئی ہے۔ عبدالرزاق کو معمر سے سنی ہوئی حدیث ٹھیک یاد نہ رہی۔ معمر کی صحیح روایت وہ ہے جو ہشام بن یوسف نے بیان کی ہے جس کی تخریج بخاری نے کی ہے۔

پس عروہ سے یہ حدیث دو شخصوں نے روایت کی تھی ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن نے جسے یتیم عُروہ کہا جاتا تھا اس لئے کہ اس کی عروہ کے گھر ہی پرورش ہوئی تھی۔ باپ کے انتقال کے بعد عروہ نے اسے اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔

اور یحیٰ بن عروہ نے ابوالاسود کی روایت میں عنان یعنی بادل میں فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے یحیٰ بن عروہ کی روایت میں نہیں ہے۔

اہل عرب کاہن اس شخص کو کہتے تھے جو مقفٰی مسجع عبارت میں لوگوں کو مستقبل کی باتیں بتایا کرتا اور پیشین گوئیاں جھاڑا کرتا تھا کہ آئندہ یہ ہونے والا ہے۔ لوگ اس کے پاس اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے پہنچتے تھے اور مقرر نذرانہ پیش کرتے تھے جسے حلوان کہا جاتا تھا۔ کاہن اس کا مدعی ہوتا تھا کہ اس کی بعض جنات سے دوستی ہے۔ وہی اسے غیب کی باتیں بتاتے ہیں کہانت کا پیشہ اختیار کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی کاہن بننے والے کو کافی محنت وریاضت کرنی پڑتی تھی۔ تنہائی میں مقفٰی مسجع عبارت بولنے کی مشق کرنا۔ اور اس انداز سے بات کہنا کہ جھوٹ نہ پکڑا جائے کافی دقت طلب کام تھا۔ کسی گروہ کا چیلا بن کر اور اس کی خدمت کر کے اس فن کے آداب ونکات سیکھنا ضروری تھا۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی یہ فن سیکھتی تھیں پھر کہانت کی دکان چلاتی تھیں۔ عورت کو کاہنہ کہتے

تھے کاہنوں کی بتائی ہوئی باتوں کو ماننے والے جاہلوں کا حال یہ تھا کہ ان کی بکی ہوئی جھوٹی اور فضول باتوں کو نظر انداز کر دیتے اور اتفاقیہ کاہن کا کوئی تیر نشانہ پر لگ گیا یعنی کوئی واقعہ ایسا ہی ہوگیا جیسا کاہن نے بتایا تھا تو اسے خوب شہرت دیتے اور دیگر لوگوں کو بھی اس کاہن کے پاس جانے کی ترغیب دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لایعلم الغیب الا اللہ**۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مستقبل کا حال جاننے کے لیے کاہن کے پاس جانے کو اور اس کی کہی ہوئی بات کو سچ ماننے کو کفر بتایا ہے۔

اس حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے کاہن کی بتائی ہوئی بات کو لیس بشیٔ کچھ نہیں" کہا تھا۔ لیکن یہ جو اس میں مذکور ہے کہ کاہن کی بتائی ہوئی وہ بات صحیح ہوتی ہے جو کسی فرشتے سے سن کر کوئی جن اس کے کان میں ڈال دیتا ہے تو یہ قرآن کریم کی تصریحات کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی بات نہیں ہے۔ نزولِ قرآن کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے تو ایسا ہو جاتا تھا کہ گھات میں لگے ہوئے جنات میں سے کسی جن کو کوئی آسمانی خبر معلوم ہو جائے لیکن نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہو جانے پر اسے ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ سورۃ الجن میں مؤمن جنات کا قول بیان فرمایا گیا ہے۔ "**وَاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا**" (اور ہم سطح آسمان کے قریب کچھ ٹھکانوں میں سننے کے لیے جا بیٹھتے تھے پس اب جو وہاں پہنچ کر سنے تو اپنے لئے ایک شعلۂ سوزاں تیار پائے۔ یعنی اب کسی جن کا سابق کی طرح سننا ممکن نہ رہا سورۃ الحجر میں ہے **وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ**۔

اور سورۃ الصافات میں ہے **لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ**" یعنی وہ فرشتوں کی بات نہیں سن سکتے اور انہیں ہر طرف سے پھینکا جاتا ہے دھتکار کر۔ اور (اس ہنگامی سزا کے علاوہ) ان کے لیے (آخرت میں) دائمی عذاب ہے مگر جو

یکبارگی کوئی بات لے اڑا تو ایک تیز شعلہ اس کے پیچھے لگ گیا۔ آ گا روک کر اسے بھسم کر ڈالا۔ پس شیطان پرست کاہن اور جوتشی لوگ جو لوگوں کو غیب کی باتیں بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارے جن دوست کی بتائی ہوئی ہیں جو آسمان سے سن کر آیا ہے تو بالکل غلط کہتے ہیں۔ شیاطین اپنی افتادِ طبع اور جذب شوق کے تحت اس کی کوشش ضرور کرتے ہیں اور سن گن لینے کے لئے آسمان کی طرف ضرور جاتے ہیں لیکن ان کی ہر کوشش ناکام کردی جاتی ہے۔ جو جن شیطان اوپر چڑھتا ہے جس طرف سے بھی چڑھتا ہے اسی طرف سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے جیسے مکھیاں میٹھی چیز پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی ہیں یا پروانے روشنی پر آ آ کر مرتے ہیں۔ گھر کے صحن میں گوشت دھونے کے لیے بیٹھو تو جن کووں کی نظر پڑے گی فوراً آ موجود ہوں گے بھگاؤ دھتکارو۔ اڑ جائیں گے اور پھر آ جائیں گے۔

---

(۲۰) حمید بن ھلال کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ

حضرت انس نے بنی غنم کی گلیوں میں جبریل علیہ السلام اور ان کے ساتھی ملائکہ کے گھوڑوں کا غبار اٹھتا ہوا دیکھا تھا یہود بنی قریظہ پر فوج کشی کے وقت

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا موسی بن اسماعیل ثنا جریر بن حازم عن حمید بن ھلال عن انس قال کانی انظر الی الغبار ساطعا فی زقاق بنی غنم موکب جبریل حین سار رسول اللہ ﷺ الی بنی قریظة (صحیح بخاری ص ۵۹۱ کتاب المغازی) باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الی بنی قریظة)

امام احمد نے بواسطہ وھب بن جریر جریر بن حازم کی یہ حدیث اسی اسناد و متن کے ساتھ روایت کی ہے۔ (مسند ۳ ص ۲۱۲)

بنی غنم قبیلہ خزرج میں سے ایک خاندان کا نام ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام نے بحکم حق یہود بنی قریظہ پر ان کی غداری و عہد شکنی کی پاداش میں فوج کشی

فرمائی تھی اور بنی غنم کے محلہ میں ہوکر گذرے تھے تو گلی میں ضرور غبار اٹھا ہوگا۔ مگر اس غبار کے متعلق حضرت انس کیسے کہہ سکتے تھے کہ یہ فرشتوں کے گھوڑوں کے سموں سے اٹھا ہوا غبار ہے یقیناً یہ بات حضرت انس کی کہی ہوئی نہیں ہے بلکہ حمید بن ھلال کی غلط بیانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسحاق بن راہویہ نے اپنی روایت سے اسے ساقط کر دیا تھا چنانچہ امام بخاری نے ہی کہا ہے حدثنا اسحاق اخبرنا وھب بن جریر ثنا ابی قال ابی (جریر بن حازم) قال سمعت حمید بن ھلال عن انس بن مالک قال کانی انظر الی غبار ساطع فی سکة بنی غنم. قال البخاری وزاد موسی یعنی ابن اسماعیل موکب جبرئیل علیه السلام (صحیح بخاری ص ۴۵۷ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکة)

اس باب میں یہ حدیث ذکر کر کے بخاری نے یہ بتایا ہے کہ اسحاق کی یہ روایت مختصر ہے موسی بن اسماعیل کی روایت تام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمد نے کہا ہے حدثنا وھب بن جریر قال ثنا ابی قال سمعت حمید بن ھلال یحدث عن انس بن مالک قال کانی انظر الی غبار موکب جبرئیل علیه السلام ساطعا فی سکة بنی غنم حین سار النبی ﷺ الی بنی قریظة (مسند ۳ ص ۲۱۳)

پس جریر بن حازم سے یہ حدیث موسی بن اسماعیل اور وھب بن جریر دونوں نے یکساں روایت کی تھی یعنی دونوں کی روایت میں موکب جبریل کا ذکر تھا۔ وھب بن جریر سے امام احمد اور اسحاق بن راہویہ نے احمد کی روایت میں موکب جبریل کا ذکر ہے اسحاق کی روایت میں نہیں ہے بخاری کا خیال یہ تھا کہ اسحاق نے اختصاراً اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے غلط ہونے کی وجہ سے اسحاق نے اسے ساقط کر دیا تھا۔ دراصل جریر بن حازم نے اس کی اسناد میں عن انس غلط کہہ دیا ہے۔ ابن سعد نے سلیمان بن مغیرہ کے طریق سے روایت کی ہے عن حمید بن ھلال قال کان بین بنی قریظة وبین النبی ﷺ عهد فلما جاء ت الاحزاب نقضوه و ظاهروهم فلما هزم الله الاحزاب تحصنوا ۔ یہاں تک تو حمید بن ھلال کا بیان بالکل درست ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا

ہے "فجاء جبریل ومن معه من الملائکة فقال یا رسول الله انهض الی بنی قریظة فقال ان فی اصحابی جهداً. قال انهض الیهم فلأضعضعنهم قال فادبر جبریل ومن معه من الملائکة حتی سطع الغبار فی زقاق بنی غنم من الانصار (فتح الباری باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الی بنی قریظة) پس یہ حدیث حمید بن ھلال کی مرسل روایت ہے جریر بن حازم نے غلطی سے عن انس کہہ کر مرسل کو متصل بنادیا اس لئے دھوکا کھا کر امام بخاری نے اسے درج کر دیا۔

(۲۱) سات حروف کے متعلق ابن عباس کی طرف منسوب حدیث جس کی زہری نے روایت کی ہے

عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال اقرانی جبرئیل علی حرف فلم ازل استزیده فیزیدنی حتی انتهی الی سبعة احرف

(صحیح بخاری ص ۴۲۷ بدء الخلق ذکر الملائکة وص ۷۴۶ کتاب فضائل القرآن باب انزل القرآن علی سبعة احرف صحیح مسلم اص ۲۷۳ کتاب الصلاة طبع ھند مسند احمد اص ۲۶۴ وص ۲۹۹)

زہری نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اس نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبریل نے مجھے قرآن ایک حرف پر پڑھایا تو میں برابر ایک سے زاید حرف پر پڑھنے کی ان سے خواہش کرتا رہا (جبریل نے کہا دو حرف پر پڑھ لیا کریں پھر میرے اصرار پر تین پھر چار پھر پانچ پھر چھ حروف پر پڑھ لینے کو کہا) آخر میں سات حروف پر پڑھنے کی اجازت دی۔

یہ حدیث شروع سے آخر تک لغو ہے۔ اسے روایت کرنے والوں میں سے کسی نے یہ نہ سوچا کہ (۱) ایک سے زاید حرف پر پڑھنے کی خواہش رسول اللہ ﷺ کو کیوں ہوتی جس حرف پر جبریل نے آپ کو قرآن پڑھایا تھا اسی پر قناعت کیوں نہ فرمائی۔

(۲) کوئی پڑھنے والا کسی کتاب کو ایک ہی طرز پر پڑھے تو یہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے سات یا چھ یا پانچ یا چار یا تین یا دو انداز سے پڑھے۔ اس طرح کہ مثلاً ایک بار انعمت علیھم پڑھا۔ پھر نعمت پڑھ دیا۔ تیسری بار اَنعَمت اور چوتھی بار اُنعمتَ اور پانچویں بار نُعمتُ اور چھٹی بار اُنعُمتَ اور ساتویں بار اِنعمتَ پڑھ دیا۔

یہ تو شدید حرج اور تکلف و تکلیف اور اغلاط میں مبتلا کر دینے والی صورت ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی یہ خواہش نہ ہوسکتی تھی کہ قرآن کے متعلق آپ کی امت ضیق و حرج تکلیف و تکلف اور اغلاط میں مبتلا ہو (۳) پھر کوئی بتائے تو سہی کہ قرآن کریم کی کس آیت۔ کس جملے اور کس کلمہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو بتایا تھا کہ اسے تم اس طرح بھی پڑھ سکتے ہو اور اس طرح بھی۔ صحیح تو کیا کسی ضعیف حدیث میں بھی یہ بات نہیں مل سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو قرآن کریم سکھایا۔ صحابہ سے بے شمار تابعین نے سیکھا اور اُن سے بے شمار اتباع تابعین نے۔ اسی طرح ہر دور میں تواتر و تسلسل کے ساتھ قرآن کریم جملہ آیات و کلمات سمیت نقل ہوتا ہوا ہم کو پہنچا ہے، امیر حجاج بن یوسف ثقفی کے عہد تک مصاحف شریفہ کی کتابت اعراب و حرکات کے بغیر ہوتی رہی پھر تمام موجودہ اور آئندہ مسلمانوں کی سہولت کے لئے امیر حجاج نے ستر نہایت ثقہ و معتبر علمائے کرام کو آیات قرآن کو اعراب و حرکات سے آراستہ کرنے پر مامور کیا۔ وہی مصحف پوری دنیا میں پڑھا جاتا یاد کیا جاتا اور چھاپا جاتا ہے۔ مگر برا ہو اختلاف سے گرویدگی وشغف رکھنے والوں کا انہوں نے قرآنِ کریم کو بھی اختلاف کی آماجگاہ بنادینے کی بھرپور کوششیں کی ہیں۔ اور اس اختلاف کو حق ثابت کرنے کے لئے مرفوع حدیثیں بھی گھڑیں صحابہ کرام کی طرف منسوب کر کے آثار بھی تصنیف کیے۔ جاہل اور اللہ سے نہ ڈرنے والے راویوں نے ان موضوع احادیث و آثار کو روایت کر کے مسلمانوں میں پھیلایا اور محدث مصنفین نے سادہ لوحی و عدم بصیرت کی وجہ سے انہیں اپنی کتابوں میں ثبت کر دیا۔ ان ہی موضوع احادیث میں سے یہ زیر بحث حدیث بھی ہے جس کی زہری نے عبید اللہ سے اور اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔

(۲۲) خیمہ جنت کے متعلق حدیث جوابوعمران جونی سے مروی ہے

ابوعمران عبدالملک بن حبیب ازدی بصری کی کنیت ہے۔ اسے ثقہ تابعی بتایا گیا ہے۔ اس نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے فرزند ابوبکر سے اور اس نے اپنے والد ابوموسی اشعری سے خیمہ جنت کے متعلق حدیث مرفوع روایت کی ہے۔ اس کے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے کہ اپنے والد ابوموسی اشعری سے اس نے کوئی حدیث سنی تھی یا نہیں؟ اہل علم میں کسی نے اس کا اثبات کیا ہے اور کسی نے نفی۔ ابن سعد نے طبقات میں اس کا اثبات کیا ہے کہ اس کا نام ابوبکر ہی ہے **اسمہ کنیتہ و کان قلیل الحدیث یستضعف مات فی ولایۃ خالد القسری**۔ یعنی اس کا سرمایہ علم چند ہی حدیثیں ہیں اور اسے ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ خیمہ جنت کے متعلق اس کی بیان کردہ حدیث ابوعمران جونی سے ہمام بن یحیٰ اور عبدالعزیز بن عبدالصمد عمی اور ابوقدامہ یعنی حارث بن عبید نے روایت کی ہے۔

ہمام کی روایت میں ہے کہ اس خیمہ کا طول ساٹھ میل ہوگا۔ دراصل ہمام سے اس کی روایت حجاج بن منہال عفان بن مسلم عبدالصمد بن عبدالوارث اور یزید بن ہارون نے کی ہے۔

حجاج سے امام بخاری نے

قال حدثنا حجاج بن منهال ثنا همام قال سمعت ابا عمران الجونی یحدث عن ابی بکر بن عبدالله بن قیس (یعنی ابا موسی) الاشعری عن ابیه ان النبی ﷺ قال الخیمة درّة مجوّفة طولها فی السماء ثلاثون میلا۔ فی کل زاویة منها للمؤمن من اهل لایراهم الاخرون (ص ۴٦٠ بدء الخلق باب ماجاء فی صفة الجنة وانها مخلوقة)

مطلب یہ ہے کہ سورۃ الرحمٰن میں **حورٌ مقصوراتٌ فی الخیام** فرما کر اہل

ایمان کے لیے جن خیموں کا ذکر ہوا ہے تو جنتی مومن کا وہ خیمہ اندر سے تراشا ہوا ایک موتی ہوگا جس کی لمبائی آسمان میں تیس میل ہوگی۔ اس کے ہر گوشہ میں مؤمن کے لیے بیوی ہوگی دوسرے گوشہ کی بیویوں کو وہ نظر نہ آئے گی۔

عفان سے احمد نے روایت کی ہے۔ اس کی روایت میں طولها ستون میلا ہے۔ (مسند۴ ص۴۰۰) عبدالصمد سے بھی احمد نے اس کی روایت میں بھی ستون ہے (مسند ۴ ص۴۱۹) یزید بن ہارون سے بھی احمد نے یہی (مسند۴ ص۴۱۱)

یزید بن ہارون کی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے (صحیح مسلم کتاب صفۃ الجنۃ)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ بخاری کے شیخ حجاج نے ستون کی جگہ ثلاثون غلط کہہ دیا تھا اور لفظ فی السماء بھی بخاری کی اس روایت میں غلط ہے عبدالعزیز بن عبدالصمد عمی کی روایت میں عرضها ستون میلا ہے (مسند احمد ۵ ص۴۱۱) صحیح مسلم سنن ترمذی)

اور ظاہر ہے کہ جب خیمہ کا عرض ساٹھ میل ہوگا تو طول اس سے زیادہ ہی ہوگا۔

ابو قدامہ کی روایت میں طولها ستون میلا ہے۔ اس کا پورا متن یہ ہے ان للمؤمن فی الجنة خیمة من لؤلؤة واحدة مجوّفة طولها ستون میلا. للمؤمن فیها اهلون یطوف علیهم المؤمن فلا یری بعضهم بعضا (صحیح مسلم) مجھے تو یہ حدیث ابوبکر بن ابی موسیٰ کی غپ شپ ہی معلوم ہوتی ہے فی نفسہ یہ شخص ضعیف تھا اور اپنے والد سے اس کا سماع ثابت نہیں۔

---

(۲۳) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے سے غضب فرو ہو جانے کی حدیث جو عدی بن ثابت رافضی نے سلیمان بن صُرد خزاعی سے روایت کی ہے

یہ حدیث ذکر کرنے سے پہلے میں سلیمان بن صرد کے متعلق بتا دوں کہ کون تھا؟ یہ

کوفہ کا باشندہ اور قبیلہ بنی خزاعہ میں سے ایک جاہل اور فسادی شیعی تھا۔ حضرت علی کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھا معاویہ اور آل معاویہ کا بغض اس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔

حضرت معاویہ کے عہد میں تو کوئی خاص حرکت نہ کر سکا۔ مگر یزید بن معاویہ کے عہد میں یہ شخص ان شریر کوفیوں کا پوری طرح ہم نوا بن گیا جنہوں نے حضرت حسین بن علی کو جب وہ مدینہ سے مکہ چلے گئے تھے یزید بن معاویہ کے خلاف مسلح بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ انہیں خطوط پر خطوط لکھ کر اپنی وفاداری و جان نثاری کا یقین دلایا کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں۔ آپ کے آتے ہی ہم اہل کوفہ حاکم کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو قتل یا گرفتار کر کے کوفہ کا تخت حکومت آپ کے حوالہ کر دیں گے۔ کوفہ پر قابض ہوتے ہی مسلمانوں کی اکثریت آپ کے زیر علم آ جائے گی اور جلد ہی مکہ و مدینہ اور بلادِ شام پر آپ قابض ہو جائیں گے۔ کوفیوں کے جھانسے میں آ کر جب حضرت حسین کوفہ کے قریب پہنچے تو آپ کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے والے کوفیوں میں سے ایک شخص بھی آپ کی حمایت کے لیے نہ آیا۔ حضرت حسین کے قتل ہو جانے کے بعد آپ کو خطوط لکھ کر بلانے والے یہ کوفی اشرار جن میں سلیمان بن صرد خزاعی اور مسیّب بن نجبہ فزاری پیش پیش تھے جمع ہوئے اور سب نے متفقہ طور پر اعتراف کیا کہ ہم نے حضرت حسین کے ساتھ غداری کر کے بہت بڑا گناہ کمایا ہے۔ اس گناہ سے توبہ کی شکل یہ ہی ہے کہ ہم ہر اُس شخص کو قتل کر ڈالیں جس نے حسین اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کی تھی خواہ اس کوشش میں ہمیں اپنی جانیں گنوانی پڑیں۔ اشرار کی اس پارٹی نے اپنا نام تَوّابُون رکھا اور سب کوفہ سے نکل نکل کر مقام نخیلہ میں جمع ہو گئے۔ متفقہ طور پر انہوں نے سلیمان بن صرد کو اپنا قائد و امیر مان لیا۔ والی کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو اس فتنہ کی خبر ہوئی ان کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر لے کر نکلا۔ عین الوردہ نامی مقام پر فریقین میں جنگ ہوئی جس میں سلیمان بن صرد خزاعی مسیّب بن نجبہ اور تمام توابین مارے گئے۔ عدی بن ثابت کذاب رافضی نے جو شیعوں کی مسجد کا امام اور ان کا خاص واعظ تھا یہ غضب ڈھایا کہ ایسی روایات گھڑیں جن سے سلیمان بن صرد کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان ہی میں سے یہ حدیث ہے جس کی تخریج بخاری و مسلم نے کی ہے۔

بخاری نے کہا:

حدثنا عبد ان عن ابی حمزة (محمد بن میمون السَّکرِی) عن الاعمش عن عدی بن ثابت عن سلیمان بن بن صرد قال کنت جالسا مع النبی ﷺ و رجلان یستبان فاحدهما احمر وجهه وانتفخت او داجه فقال النبی ﷺ کلمة لو قالها لذهب عنه مایجد. لو قال اعوذ بالله من الشیطن الرجیم ذهب عنه ما یجد. فقالوا له ان النبی ﷺ قال تعوَّذ بالله من الشیطن الرجیم فقال وهل بی جنون؟ (ص ۴۶۴ بدء الخلق باب صفة ابلیس وجنوده حدیث ۱۵) کذا رواه جریر عن الاعمش به (صحیح بخاری ص ۹۰۳ کتاب الادب)

بقول عدی بن ثابت انصاری رافضی سلیمان بن صُرد نے کہا کہ میں رسول اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور دو شخص آپس میں گالم گلوج کررہے تھے۔ ان میں سے ایک کا چہرہ غصے کی وجہ سے لال ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ حال دیکھ کر فرمایا ایک کلمہ ہے اگر یہ اسے کہہ لیتا تو غصہ کی یہ زیادتی ختم ہوجاتی۔ یہ اعوذ بالله من الشیطن الرجیم کہہ لیتا تو یہ حالت جاتی رہتی۔ حاضرین نے اس سے کہا کہ نبی ﷺ یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ لے۔ وہ بولا کیا مجھے کچھ جنون ہے؟

اگر فی الواقع سلیمان بن صرد نے یہ قصہ بیان کیا تھا تو یوں کہا ہوگا کان النبی ﷺ جالسا ورجلان یستبّان. الخ

عدی بن ثابت نے اسے بدل کر کنت جالسا عند النبی ﷺ کہہ دیا ہے الغرض یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ عدی بن ثابت وسلیمان بن صرد دونوں غیر ثقہ ہیں اور سلیمان تابعی ہے صحابی نہیں ہے اگر یہ حدیث سلیمان بن صرد کی بیان کی ہوئی ہے تو یہ اس کی مرسل روایت ہے۔

(۲۴) عبداللہ بن مسعود وعمار بن یاسر وحذیفہ بن یمان رضی اللہ عنھم کی منقبت میں

اورسورۃ اللیل میں والذکر والانثی پڑھنے کے بارے میں علقمہ بن قیس نخعی کوفی کی حدیث جواس نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی۔

مغیرہ بن مقسم ضبی نے ابراہیم نخعی سے اور اس نے علقمہ سے روایت کی ہے:

قال قدمت الشام فصليت ركعتين ثم قلت اللهم يسرلي جليسا صالحا فاتيت قوما فجلست اليهم فاذا شيخ قد جاء حتى جلس الى جنبي قلت من هذا قالوا ابو الدرداء فقلت اني دعوت الله ان ييسرلي جليسا صالحا فيسرك لي. قال ممن انت؟ قلت من اهل الكوفة قال اوليس عندكم ابن ام عبد صاحب النعلين والوسادة والمطهرة؟ او ليس فيكم الذي اجاره الله من الشيطن يعني على لسان نبيه ﷺ او ليس فيكم صاحب سرالنبي ﷺ الذي لايعلم احد غيره قال كيف يقرء عبدالله والليل اذا يغشى. فقرأتُ عليه والليل اذا يغشى والنهار اذا تجلى والذكر والانثى. قال والله لقد اقرئنيها رسول الله ﷺ من فيه الى فيَّ ص ٥٢٩ كتاب المناقب. مناقب عمار وحذيفه.

تنبیہ: امام بخاری کی اس حدیث میں اسناد یہ ہے "حدثنا مالك بن اسماعيل ثنا اسرائيل عن المنيرة..... اور بعینہ اسی اسناد کے ساتھ بخاری نے اسے مختصراً بدء الخلق میں ذکر کیا ہے۔ اس میں ہے "عن علقمة قال قدمت الشام فقلت من ههنا؟ قالوا ابو الدرداء قال افيكم الذي اجاره الله من الشيطان على لسان نبيه ﷺ (ص ۴٦۴ كتاب بدء الخلق. صفة ابليس وجنوده)

کتاب المناقب میں جو پوری حدیث ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ علقمہ نے بیان کیا کہ میں ملک شام پہنچا (دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا) تو میں نے دو رکعت نماز پڑھی

(جسے تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے) پھر میں نے دعا میں کہا خدایا کوئی نیک ہم نشین میرے لئے میسر فرما۔ دیکھا تو چند لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں میں بھی ان کے پاس آ بیٹھا اچانک ایک بڑے میاں آ کر میری برابر بیٹھ گئے۔ میں نے حاضرین سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ بولے ابوالدرداء صحابی ہیں۔ میں نے (حضرت ابوالدرداء سے کہا میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ مجھے کوئی نیک ہم نشین میسر ہو جائے اللہ نے آپ کو میرے لئے بھیجد یا یعنی میری دعا قبول فرمالی۔ فرمایا تم کن لوگوں میں سے ہو۔ میں نے عرض کیا باشندگان کوفہ میں سے فرمایا بھلا کیا تمہارے یہاں ام عبد کا بیٹا یعنی عبداللہ بن مسعود نہیں ہے۔ رسول اللہ کا خادم خاص۔ آپ کے جوتے اور تکیہ اور وضو کا برتن اپنے ساتھ رکھنے والا۔ بھلا کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جسے اللہ نے شیطان سے پناہ دی تھی یعنی رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبر کے مطابق۔ (مراد اس سے عمار بن یاسر ہیں)۔ کیا تم لوگوں میں نبی ﷺ کا راز داں نہیں ہے کہ جس کے سوا کوئی آپ کے راز نہیں جانتا تھا۔ اس سے مراد حذیفہ بن یمان ہیں پھر ابوالدرداء نے فرمایا بتاؤ عبداللہ بن مسعود سورۃ واللیل اذا یغشی کیسے پڑھتے ہیں۔ میں نے پڑھ کر وہ سورت سنائی واللیل اذا یغشی والنھار اذا تجلی والذکر والانثی. یہ سن کر ابوالدرداء نے قسم کھا کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح مجھے یہ سورت سکھائی تھی۔ آپ کی زبان مبارک سے ہی میں نے اسے سیکھا تھا۔ اس لئے مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ عام صحابہ کرام اور اہل اسلام اس سورت میں وما خلق الذکر والانثی پڑھتے تھے۔ اور یہ ہی ان ساتوں مصاحف میں لکھا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کر مملکت اسلامیہ کے سات صوبوں میں بھیجے تھے اور حکم صادر فرمایا تھا کہ تمام اہل اسلام اسی مصحف کے مطابق قرآن لکھیں اور یاد کریں۔ علقمہ کا کہنا تھا کہ اس سورت میں وما خلق الذکر والانثی نہیں ہے ہمارے استاد عبداللہ بن مسعود نے ہمیں والذکر والانثی بتایا تھا۔ علقمہ چاہتے تھے کہ سب لوگ اسی طرح پڑھیں ماخلق کے بغیر لیکن بحمد اللہ علقمہ اور اس کے ساتھیوں کی یہ کوشش پاؤں نہ چل سکی۔ اہل اسلام متفقہ طور پر وما خلق الذکر والانثی پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ علقمہ کا بیان ہے کہ ابودرداء رضی اللہ

عنہ نے بھی پرزور طریقہ سے یہ ہی بتایا تھا کہ والذکر والانثی ہے وما خلق الذکر والانثی نہیں ہے۔

محدثین: بخاری ومسلم واحمد وترمذی نے تو اپنی اپنی کتابوں میں ابوالدرداء کے متعلق علقمہ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث نقل کی ہے تین مسلمانوں میں بحمداللہ اسے راہِ قبول نہ مل سکی۔

یہ پوری حدیث تو امام بخاری نے کتاب المناقب میں ذکر کی ہے اور بدء الخلق میں اسی اسناد کے ساتھ اسے مختصراً ذکر کیا ہے مگر شرط اختصار ملحوظ نہیں رکھی۔ طویل حدیث کو مختصر کر کے بیان کرنا جائز ہے بشرطیکہ معنی میں فرق نہ پڑے۔

اور یہاں واضح طور سے یہ فرق دو جگہ پڑ رہا ہے۔ اول یہ کہ حدیث مختصر میں مذکور ہے کہ علقمہ نے لوگوں سے پوچھا مَنْ ھٰھُنا یعنی یہاں اس شہر میں بزرگ اور لائق زیارت ہستی کون ہے۔ لوگوں نے جواب دیا ابوالدرداء ہیں اور حدیث تام میں یہ ہے کہ علقمہ چند اشخاص کے پاس بیٹھ گئے تو ایک بڑے میاں آ کر اس کی برابر بیٹھ گئے علقمہ نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں بتایا گیا کہ ابوالدرداء ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دو الگ الگ بات ہیں۔ دوم یہ کہ حدیث تام میں اولیس فیکم من اجارہ اللہ من الشیطن ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ ابوالدرداء جانتے تھے کہ عمار بن یاسر کوفہ میں ہیں۔ اور حدیث مختصر میں ہے افیکم من اجارہ اللہ من الشیطن کیا تم میں وہ شخص ہے جسے اللہ نے شیطان سے پناہ دی ہے یعنی وہ پوچھ رہے تھے کہ عمار کوفہ میں ہیں یا نہیں...... اسی لئے میں نے کہا کہ بخاری نے حدیث تام کو مختصر کرنے کی شرط اختصار ملحوظ نہیں رکھی۔

اعمش نے بھی ابراہیم نخعی سے یہ حدیث روایت کی ہے:

عن علقمة قال دخلت فی نفر من اصحاب عبداللہ الشام فسمع بنا ابوالدرداء فاتانا فقال افیکم من یقرء قلنا نعم قال فایکم اقرء فاشاروا الیَّ فقال اقرا فقرات واللیل اذا یغشی والنھار اذا تجلی والذکر والانثی قال انت سمعتھا من فی صاحبکم؟ قلت نعم قال وانا سمعتھا من فی

النبی ﷺ وھولاء یأبون علینا.
(صحیح بخاری ص ۷۳۷ کتاب التفسیر سورۃ واللیل اذا یغشی، یہ سفیان ثوری کی اعمش سے روایت کی ہوئی حدیث ہے۔

اور حفص بن غیاث نے اعمش سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

قدم اصحابُ عبدالله علی ابی الدرداء فطلبھم فوجدھم فقال ایکم یقرء علی قراءۃ عبدالله قالوا کلنا. قال فایکم احفظ؟ فاشاروا الی علقمة قال کیف سمعته یقرء واللیل اذا یغشی. قال علقمة والذکر والانثی. قال اشهدوا انی سمعت النبی ﷺ یقرء هکذا. وھؤلاء یریدون علیّ ان اقرء "وما خلق الذکرو الانثی" والله لا اُتابعھم
(صحیح بخاری ص ۷۳۷)

حفص بن غیاث کی اس روایت میں قدم اصحابُ عبدالله علی ابی الدرداء فطلبھم غلط ہے صحیح عبارت قدم اصحاب عبدالله الشام فطلبھم ابو الدرداء ہے۔

ابو معاویہ نے بھی اعمش سے اس کی روایت کی ہے جو سفیان ثوری کی روایت کی طرح ہے (مسند احمد ۶ ص ۴۵۱ صحیح مسلم ا ص ۲۷۴ طبع ھند۔ سنن الترمذی۔ ابواب القراءۃ)

اعمش نے اس حدیث میں عمار بن یاسر و حذیفہ و ابن مسعود کے مناقب کا ذکر نہیں کیا۔ اعمش کی روایت کا مضمون یہ ہے کہ علقمہ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کا جنہوں نے حضرت ابن مسعود سے قرآن پڑھا تھا ایک گروہ ملک شام گیا۔ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے سنا کہ کوفہ سے ابن مسعود کے شاگرد آئے ہیں تو حضرت ابو الدرداء ان سے ملنے کے لیے آئے۔ پوچھا ابن مسعود کی قراءۃ کے مطابق تم میں قرآن پڑھنے والا کون ہے۔ بولے ہم سب ان ہی کے شاگرد ہیں۔ پوچھا تم میں سے کس کو زیادہ اچھا یاد ہے۔ سب نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا۔ تب ابو درداء نے علقمہ سے پوچھا بتاؤ ابن مسعود واللیل اذا یغشی کیسے پڑھتے ہیں۔ علقمہ نے پڑھا واللیل اذا یغشی والنہار اذا

تجلی والذکر والانثی ۔ابودرداء نے کہا خود میں نے نبی ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے اور میں ایسے ہی پڑھتا ہوں مگر یہاں جو اہل علم اور حفاظ قرآن ہیں اصرار کرتے ہیں کہ وما خلق الذکر والانثی پڑھنا چاہئے، واللہ میں ان کی بات نہ مانوں گا۔ ابراہیم نخعی کے اس حدیث میں دو راوی ہیں۔ مغیرہ بن مقسم ضبی اور سلیمان بن مہران اعمش، دونوں کی روایتوں میں یہ اختلاف ہے کہ بروایت مغیرہ علقمہ مسجد میں تحیۃ المسجد کے بعد چند اشخاص کے پاس بیٹھ گیا کہ ایک بڑے میاں آ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ علقمہ نے پوچھا یہ صاحب کون ہیں۔ کہا گیا کہ ابوالدرداء ہیں۔ اور اعمش کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابوالدرداء کو پتہ چلا کہ کوفہ سے عبداللہ بن مسعود کے چند شاگرد آئے ہیں ابودرداء ان سے ملنے کے لئے آئے۔ ملاقات کی غرض یہ معلوم کرنا تھا کہ ابن مسعود سورۃ اللیل میں "والذکر والانثی" پڑھتے ہیں جیسا کہ خود ابودرداء پڑھتے ہیں یا "وما خلق الذکر والانثی" پڑھتے ہیں جیسا کہ دمشق کے تمام قراء کی قراءت ہے۔

اور داؤد بن ابی ھند نے شعبی سے اس نے علقمہ سے روایت کی ہے کہ علقمہ نے کہا:

لقیت اباالدرداء فقال لی ممن انت؟ قلت من اهل العراق. قال من ایهم؟ قلت من اهل الکوفة قال هل تقرء علی قراء ة عبدالله بن مسعود؟ قلت نعم. قال فاقرأ. فقرأت واللیل اذا یغشی والنهار اذا تجلی والذکر والانثی. قال فضحک ثم قال هکذا سمعت رسول الله ﷺ یقرء ها. (صحیح مسلم ۱ ص ۲۷۵ کتاب الصلاة، مسند ۶ ص ۴۴۸)

شعبی کی اس روایت سے علقمہ وابودرداء کی ملاقات کے متعلق مغیرہ کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

پس علقمہ سے اس قصہ کی روایت عامر شعبی وابراہیم نخعی نے کی ہے۔ دونوں کی روایت میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن مسعود اور ابو درداء رضی اللہ عنہما دونوں والذکر والانثی پڑھا کرتے تھے اور ابو درداء نے علقمہ کو بتایا کہ یہ ہی نبی کریم ﷺ کی قراءۃ تھی شعبی کی روایت میں ابن مسعود وعمار بن یاسر وحذیفہ رضی اللہ عنھم کے مناقب کا ذکر نہیں

ہے۔ ابراہیم سے اعمش و مغیرہ بن مقسم نے روایت کی ہے۔ اعمش کی روایت بھی ذکر مناقب سے خالی ہے۔

بس مغیرہ کی روایت میں اس کا ذکر ہے۔ لیکن عمار بن یاسر کی منقبت جو اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ اللہ نے عمار بن یاسر کو شیطان سے پناہ دی ہے۔ تو عمار بن یاسر کی سیرت اس کی قطعاً تردید کر رہی ہے۔

عمار کو حضرت علی سے بڑی محبت تھی وہ چاہتے تھے کہ حضرت عمر کے بعد علی کو ہی خلیفہ بنایا جائے۔ حضرت علی سمیت جب تمام مسلمانوں نے حضرت عثمان سے بیعت کر لی تو عمار نے بھی کر لی۔ حضرت عثمان کے عہد میں ایک بار سرعام عمار اور ابولہب کے بیٹے کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا دونوں فحش کلامی پر اتر آئے اُس نے اس کی مردہ ماں پر اور اس نے اُس کی مردہ ماں پر زنا کا الزام لگایا۔

حضرت عثمان نے بحکم قرآن دونوں پر حد قذف جاری کی۔ اس واقعہ سے عمار کے دل میں حضرت عثمان کا شدید بغض بھر گیا اور ان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔ جن لوگوں نے عثمان کے خلاف فتنۂ بغاوت بھڑکایا تھا عمار ان میں پیش پیش تھے۔ عثمان کے قتل ہو جانے اور حضرت علی کے خلیفہ بن جانے کے بعد بھی آخر وقت تک عمار کو اپنے ناروا رویہ پر ندامت نہ ہوئی اور جب بھی عثمان کا ذکر کیا کلمہ شر ہی موصوف کی زبان سے نکلا۔ عثمان کو منافق اور کافر و مرتد بتاتے رہے۔

بلاشبہ وہ حضرت علی کے فدائی تھے۔ لوگوں کو حضرت علی کے زیر علم لانے میں اپنی توانائیاں صرف کر دیں جنگ جمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آخر جنگ صفین میں اپنی جان ہی علی پر قربان کر دی اس لئے شیعانِ علی کے نزدیک عمار بن یاسر بڑی محبوب شخصیت ہیں۔ انہوں نے عمار کی فضیلت و منقبت میں بہت سی حدیثیں گھڑی ہیں۔ منقبت عمار کے متعلق ابودرداء کی طرف منسوب یہ حدیث بھی شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ خالص جھوٹ پاؤں نہیں چلتا۔ اس لئے منقبتِ عمار کے ساتھ حضرت ابن مسعود اور حضرت حذیفہ کی منقبت کا بھی پیوند لگا دیا ہے۔

مغیرہ بن مقسم ضبی کوفی محدثین میں سے ہے۔اس کی روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں۔رافضی تو نہ تھا مگر شیعی ضرور تھا۔اس حدیث میں مناقب کا ذکر مغیرہ کا ہی بڑھایا ہوا معلوم ہوتا ہے رہی ''والذکر والانثی'' کی قراءت۔تو اس کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے کبھی سہو ونسیان کے طور پر لفظ ما خلق ساقط ہوگیا۔والذکر والانثی پڑھ دیا حفاظِ قرآن سے ایسی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کوفی تلامذہ ان کے لئے شدید تعصب رکھتے اور سمجھتے تھے کہ صحابۂ کرام میں قراءتِ قرآن وعلم قرآن میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔خود ان سے پوچھا نہیں کہ آپ نے والذکر والانثی پڑھا ہے حالانکہ دیگر صحابہ وما خلق الذکر والانثی پڑھتے ہیں اور یہ ہی عثمان امیر المؤمنین کی طرف سے آئے ہوئے مصحف میں ہے۔ابن مسعود سے اس کے متعلق پوچھ لیتے تو وہ بتا دیتے کہ ماخلق مجھ سے سہواً چھوٹ گیا ہے۔علقمہ وغیرہ نے گمان بلکہ یقین کرلیا کہ ہمارے شیخ عبداللہ بن مسعود نے جو ما الذکر والانثی پڑھا ہے۔یہ ہی صحیح ہے۔ہمارے شیخ کی وہی قرأت ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تھی اور جو لوگ وما خلق الذکر والانثی پڑھتے ہیں ان کی قراءت صحیح نہیں ہے۔اپنی غلط گمانی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے علقمہ نے بتایا کہ میں نے شام کا سفر کیا تھا اس میں ابو درداء صحابی سے میری ملاقات ہوئی۔الخ

میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے دمشق میں علقمہ کو حضرت ابو درداء کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہو لیکن علقمہ کا یہ بیان کہ ابو درداء بھی والذکر والانثی پڑھتے ہیں غلط اور ناسزائے قبول ہے کیونکہ جب حضرت ابو بکر کے عہد اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی شدید نگرانی اور صحابہ کرام کی شہادت میں قرآن کریم ایک مصحف میں لکھا گیا تھا تو ابو درداء مدینہ میں ہی تھے۔اگر ابو درداء کے علم میں یہ بات ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ نے والذکر والانثی پڑھایا ہے تو ضرور اس کا ذکر کرتے یقیناً وہ ابو بکر وعمر وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کو اس سے آگاہ کرتے۔حالانکہ علقمہ کے سوا کسی نے ابو درداء سے اس کی روایت نہیں کی۔پھر حضرت عثمان کا بھیجا ہوا مصحف جب دمشق پہنچا اور وہاں کے تمام قراء

وماخلق الذکر والانثی پڑھتے تھے تو ابودرداء خاموش رہے انہوں نے امیر المؤمنین عثمان کو اس سے آگاہ نہیں کیا کہ مصحف میں ماخلق زائد لکھا گیا ہے۔والذکر والانثی ہونا چاہیئے تھا۔ظاہر ہے کہ یہ تو جب ہوتا کہ فی الواقع علقمہ نے ابودرداء کے متعلق جو بات بتائی تھی درست ہوتی۔ان وجوہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ یہ صرف علقمہ کی غلط بیانی تھی۔بنابریں میں اس حدیث کو قطعاً باطل سمجھتا ہوں۔

---

(۲۵) گرگٹ کے متعلق صحیح بخاری کی حدیث کہ وہ اپنی پھونک سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ دہکاتا تھا

حدثنا عبیداللہ بن موسی او ابن سلام عنه ثنا ابن جریح عن عبدالحمید بن جبیر عن سعید بن المسیب عن ام شریک ان رسول الله ﷺ امر بقتل الوزغ وقال کان ینفخ علی ابراهیم علیه السلام (ص ۴۷۴ کتاب الانبیاء ذکر ابراهیم علیه السلام)

امام بخاری کو یاد نہ رہا کہ خود عبیداللہ بن موسیٰ بلخی سے یہ حدیث بلا واسطہ سنی تھی یا بواسطہ محمد بن سلام۔بہرکیف عبیداللہ نے ابن جریح سے سنی اس نے عبدالحمید بن جبیر سے اس نے سعید بن مسیب سے اس نے ام شریک انصاریہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا اور کہا کہ یہ جانور اپنی پھونک سے حضرت ابراھیم علیہ السلام پر آگ دہکاتا تھا۔

یحیٰ بن سعید قطان (احمد) محمد بن بکر برسانی وروح بن عبادہ (احمد ومسلم) نیز عبداللہ بن وھب (مسلم) اور ابو عاصم نے بھی ابن جریح سے یہ حدیث اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔(مسند احمد ۶ ص ۴۲۱۔صحیح مسلم ۴ص ۳۸ طبع مصر۔سنن دارمی ص ۲۵۵ طبع الھند)

سفیان بن عیینہ نے بھی عبدالحمید بن جبیر سے اس کی روایت کی ہے۔اس میں کان

تنقیح علی ابراھیم نہیں ہے۔ بخاری نے کہا ہے:

حدثنا صدقة بن الفضل ثنا ابن عیینة ثنا عبدالحمید بن جبیربن شیبة عن سعید بن المسیب ان ام شریک اخبرته ان النبی ﷺ امرها بقتل الاوزاغ (ص ۴۶۶ کتاب بدء الخلق) امام احمد اور ابوبکر بن ابی شیبہ وعمر والناقد واسحاق بن ابراھیم وابن ابی عمر نے بھی ابن عیینہ سے اس کی روایت کی ہے (مسند ۶ ص ۴۶۲ صحیح مسلم ۴ ص ۳۸ طبع مصر. سنن ابن ماجه ص ۲۴۰ طبع الهند)

تو کیا ابن عیینہ نے اس حدیث کو مختصر کر دیا تھا جو ابن جریج نے بیان کی تھی؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے کیونکہ یہ کوئی بڑی اور لمبی حدیث نہ تھی کہ ابن عیینہ اسے مختصر کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن جریج کی روایت غلط ہے۔ اس نے عبدالحمید کی بیان کردہ حدیث میں دوسری حدیث کا پیوند لگا دیا جس کی قتادہ نے سعید بن میسب سے روایت کی ہے جو سند کے لحاظ سے منقطع اور متن کے لحاظ سے غلط اور جھوٹی ہے۔ اس کی تخریج نسائی نے کی ہے:

عن قتادة عن سعید بن المسیب ان امرأة دخلت علی عائشة وبیدها عکاز فقالت ماهذا؟ فقالت لهذه الاوزاغ لان نبی الله ﷺ حدثنا انه لم یکن شئی الا یطفئی علی ابراهیم علیه السلام الاهذه الدابة فامرنا بقتلها (سنن النسائی کتاب المناسک. قتل الوزغ)

یعنی سعید بن میسب سے روایت ہے کہ ایک عورت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو ان کے ہاتھ میں ایک لکڑی دیکھی جس کا سرا مڑا ہوا تھا۔ پوچھا یہ کیا ہے یعنی آپ اس سے کیا کر رہی ہیں۔ فرمایا یہ ان گرگٹوں کو مارنے کے لیے ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے ہم سے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ہر جانور اسے بجھانے کی کوشش کر رہا تھا سوائے اس جانور یعنی گرگٹ کے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گرگٹوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔

اس کی اسناد میں یہ کلام ہے کہ قتادہ کا سعید بن میتب سے کوئی حدیث سننا ثابت نہیں۔ پھر اُس عورت کا نام مذکور نہیں جس نے سعید کو یہ قصہ سنایا تھا۔ اور متن یوں غلط ہے کہ عروہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت کی ہے ان رسول الله ﷺ قال للوزغ فویسق ولم اسمعه یامر بقتله (صحیح بخاری ص ۲۴۷ کتاب المناسک و ص ۴۶۶ کتاب بدء الخلق)

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو شریر جانور بتایا ہے اور میں نے آپ کو اسے مار ڈالنے کا حکم دیتے ہوئے نہیں سنا۔

الغرض ابن جریج کی گرگٹ کے متعلق روایت جس کی تخریج بخاری نے کی ہے غلط ہے۔

---

(۲۶) ام البشر حوّا اور بنی اسرائیل کے متعلق ایک حدیث

معمر نے ھمام بن منبہ سے اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لولا بنو اسرائیل لم یخنز اللحم (ولم یخبث الطعام) ولولا حوّاء لم تخن انثی زوجها (صحیح بخاری ۴۶۹ کتاب الانبیاء و ص ۴۸۱) (صحیح مسلم ص ۴۷۵ کتاب النکاح طبع هند مسند ۲ ص ۳۱۵)
لم یخبث الطعام" صحیح مسلم میں ہے۔

یعنی اگر قوم بنی اسرائیل نہ ہوتی تو گوشت نہ بُستا اور کھانا خراب نہ ہوتا اور حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔ اس حدیث کے دو جزء ہیں اور دونوں ہی باطل ہیں۔ یقیناً یہ حدیث نبی ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی نہیں ہے۔

گوشت کا بُس جانا اور کھانے کا بگڑ جانا یعنی اس میں بدبو اور کیڑے پیدا ہو جانا ایسی چیز نہیں ہے جس کا آغاز بنی اسرائیل سے ہوا ہو۔ خاص و معلوم اسباب کے تحت یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ ایسی بے تکی اور غیر معقول بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ اور کسی عورت کا شوہر کی خیانت کرنا تین طرح سے ہوتا ہے۔ مال میں آبرو میں دین میں۔

مال میں خیانت یہ ہے کہ شوہر کے مال کو خورد بُرد کرے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال دوسروں کو دے یا فضول چیزوں میں گنوائے، ظاہر ہے کہ حواء سے اس خیانت کا ارتکاب نہیں ہوا آبرو میں خیانت یہ ہے کہ شوہر کے علاوہ اپنا بدن کسی اور کے حوالہ کرے۔ یقیناً حواء اس خیانت کی بھی مرتکب نہیں ہوئی۔ دین میں خیانت یہ ہے کہ مرد تو مؤمن مسلم ہو اور اس کی بیوی کفر و شرک کی مرتکب ہو یا اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا فرض ادا کرنے سے گریزاں ہو۔ حضرت نوح وحضرت لوط علیھما السلام کی بیویاں اسی خیانت کی مرتکب ہوئی تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے۔ یقیناً حوا نے یہ خیانت بھی نہیں کی۔ جس غلطی کا حواء سے صدور ہوا تھا اس میں حضرت آدم شریک تھے یعنی دونوں نے اس درخت کا پھل کھایا جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ حواء کے متعلق یہ بات کیوں فرماتے کیسے فرماتے۔ دراصل ابوہریرہ نے یہ بے ہودہ بات کعب احبار سے سنی ہوگی۔ اس کا نام۔لیے بغیر اسے بیان کر دیا ہمام بن منبہ نے اسے حدیث مرفوع قرار دینے کی غلطی کر ڈالی۔ اور بخاری ومسلم نے بے سوچ سمجھے اسے درجِ صحیح کر دیا۔

---

(۲۷) حضرت آدم کے قد کی لمبائی اور سلام وتحیت کے متعلق حدیث مرفوع

ہمام بن منبہ نے ہی حضرت ابوھریرہ سے اس کی روایت کی ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا اور اس کا قد ساٹھ ہاتھ (گز) تھا۔

پھر فرمایا اذھب فسلم علی اولئک النفر من الملائکۃ فاستمع ما یحیونک (وفی روایۃ مایجیبونک) بہ فانہ تحیتک وتحیۃ ذریتک فقال السلام علیکم فقالوا السلام علیک ورحمۃ اللہ فزادوہ ورحمۃ اللہ فکل من یدخل الجنۃ علی صورۃ آدم فلم یزل الخلق ینقص حتی الأن (صحیح بخاری ص ۴۶۸ کتاب الانبیاء و ص ۹۱۹ کتاب الاستیذان باب اول (مسند ۲ ص ۳۱۵) (صحیح مسلم کتاب صفۃ الجنۃ ونعمھا)

جا فرشتوں کے اُس گروہ کو سلام کر پھر غور سے سن کہ وہ تجھے کس طرح جوابِ سلام دیتے ہیں۔ آدم نے جا کر کہا السلام علیکم فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ رحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔ انسان کا قد برابر گھٹتا آ رہا ہے اب تک اور جو شخص بھی جنت میں جائے گا وہ آدم کی صورت پر ہوگا۔

حضرت آدم کے قد کے متعلق جو اس حدیث میں مذکور ہے محض فضول بات ہے۔ گذشتہ بہت پرانی قوموں کے گھروں اور آثار سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس زمانہ کے انسانوں کے قد کاٹھ ہوتے ہیں ویسے ہی ماضی بعید میں ہوتے تھے آغازِ تخلیق سے انسان رنگ و روپ اور قد و قامت میں مختلف چلے آ رہے ہیں کوئی بہت لمبا تڑنگا۔ کوئی بونا ٹھنگنا۔ کوئی درمیانہ قد و قامت کے تفاوت میں زمین کے علاقوں کا بھی بڑا دخل ہے۔ کسی علاقے کے باشندے دراز قامت ہوتے ہیں اور کسی علاقہ کے باشندے کوتاہ قد ہوا کرتے ہیں۔ یہ تفاوت جیسا اب ہے ایسا ہی دو ہزار سال پہلے اور بیس ہزار سال پہلے تھا۔

حضرت آدم کے قد کا ساٹھ گز ہونا ابو صالح و ابو زرعہ اور سعید بن مسیّب و ابو عثمان نھدی سے بھی ابوھریرہ کی حدیث کے طور پر مروی ہے۔ یہ سب روایات سند کے اعتبار سے ضعیف و واہی ہیں۔

رہی سلام و تحیت کی بات تو وہ واعظوں کی کہانیوں کی جنس سے ہے۔ ھمام بن منبہ نے کسی واعظ سے سن لی ہوگی۔ بھول کر اسے ابوہریرہ کی حدیث کے طور پر ذکر کر دیا۔ مسلمانوں میں سلام و جوابِ سلام کے جو کلمات تواتر و توارث کے ساتھ معروف چلے آ رہے ہیں نبی کریم ﷺ کے تعلیم فرمودہ ہیں۔ آپ کی تعلیم سے پہلے اہل عرب ان سے ناآشنا تھے۔ نہ دیگر اقوام میں سے کسی قوم میں ان کا رواج نہ تھا ہر قوم اور ہر ملت میں سلام و جوابِ سلام کے مختلف الفاظ رائج تھے جو اب تک چلے آ رہے ہیں اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا تعلیم فرمایا ہوا طریقِ سلام و جوابِ سلام سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ افسانہ باز و جاہل راویوں نے بلاوجہ اس کا تعلق حضرت آدم سے جوڑ دیا ہے۔

(۲۸) حضرت ابوسعیدؓ خدری کی طرف منسوب حدیث کہ قیامت کے دن امت محمدیہ حضرت نوح علیہ السلام کے حق میں گواہی دے گی

اعمش نے ابوصالح سے اس نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يجاء بنوح يوم القيامة فيقال له هل بلّغتَ؟ فيقول نعم يا رب فتسئل امته هل بلغكم؟ فيقولون ماجاء نا من نذير. فيقال من شهودک؟ فيقول محمد وامته. فقال رسول الله ﷺ فيجاء بكم فتشهدون ثم قرء رسول الله ﷺ وكذلک جعلنا كم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا. وسطا قال عدلا (ص ۱۰۹۲ كتاب الاعتصام)

یہ ابواسامہ کی روایت میں ہے اور عبدالواحد کی روایت میں ہے فيشهد انه قد بلغ (صحيح بخاری ۴۷۰ كتاب الانبياء)

جریر کی روایت میں ہے فيشهدون انه قد بلغ (ص ۶۴۵ كتاب التفسير سورة البقرة)

اعمش سے یہ حدیث عبدالواحد بن زیاد، جریر بن عبدالحمید، ابواسامہ جعفر بن عون ابومعاویہ اور وکیع نے متقارب الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسند احمد و سنن ابن ماجہ و سنن ترمذی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوح اور ان کی قوم کی حق تعالیٰ کے حضور پیشی ہوگی۔ حضرت نوح سے سوال ہوگا کیا تم نے اپنی امت کو تبلیغ حق کی تھی۔ عرض کریں گے جی ہاں میں نے خوب تبلیغ کی لیکن ان کی اکثریت نے میری تکذیب ہی کی۔ تب ان کی امت سے یعنی کفار امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا نوح نے تمہیں تبلیغ کی تھی اور پیام حق پہنچایا تھا۔ کہیں گے جی نہیں۔ ہمارے پاس

کوئی بھی متنبہ کرنے والا۔کوئی بھی نبی نہیں آیا۔تب نوح سے کہا جائے گا تم تبلیغ کرنے کے مدعی ہو یہ لوگ اس کے قطعی منکر ہیں تو تمہارے پاس اپنے دعوی کا کیا ثبوت ہے۔ تمہارے گواہ کون ہیں؟ عرض کریں گے خاتم النبیین محمد ﷺ اوران کی امت میرے گواہ ہیں۔تب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے متبعین اہل اسلام نوح کے حق میں گواہی دیں گے کہ نوح اپنے دعوے میں قطعاً سچے ہیں اور یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی جو دوسرے پارے کے پہلے رکوع میں ہے۔ وکذلک جعلناکم الخ اور بتایا کہ "لتکونوا شھداء علی الناس"کا مطلب یہ ہی ہے کہ قیامت کے دن محمد ﷺ کی امت گذشتہ کافر قوموں کے برخلاف اوران انبیائے کرام کی موافقت میں گواہی دے گی۔ یہ امت اللہ کے نزدیک ثقہ ومعتبر گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے بتایا کہ وسط جو اس آیت میں ہے عدل کے معنی میں ہے۔عدل وہ ثقہ ومعتبر شخص اورگروہ جس کی بات تسلیم کی جائے۔

اس حدیث کے متعلق میں تین اصولی باتیں عرض کرتا ہوں

(۱) حضرت نوح علیہ السلام پر اُن کی قوم میں سے اچھے اشخاص ایمان لائے تھے اور بصدقِ دل آنحضرت کی پیروی میں لگ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ غرقابی کے عذاب سے محفوظ رکھا۔اور آیندہ نسل انسانی ان ہی سے چلی ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں اس کی تصریحات ہیں۔ وہ مومنین اگرچہ اقلیت میں تھے بتانے والوں نے ان کی تعداد اسی بتائی ہے حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے مگر وہ گروہ حضرت نوح علیہ السلام کی سچائی کا آنکھوں سے دیکھنے والا گواہ تھا امت محمدیہ کی حضرت نوح کے حق میں گواہی سماعی اور گوش شنید ہے۔اور اُن کا مومنین کی گواہی بصری یعنی چشم دید ہے۔ پھر اس حدیث میں ان کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہوتا جو اس حدیث میں مذکور ہے تو آپ قوم نوح کے مؤمنین کا ذکر ضرور فرماتے۔

(۲) جب امتِ محمد یہ اللہ کے نزدیک بروز قیامت بھی عدل وثقہ اور بغایت معتبر گواہ ہے تو اس حدیث کی صحت کا یقین رکھنے والے دنیا میں اجماع امت کے معتبر ہونے کے قائل کیوں نہیں ہیں؟

(۳) قرآن کریم بتاتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں سے یہ پوچھے گا کہ تمہاری قوموں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا پذیرائی کی تھی یا تکذیب، قوموں سے بھی بنیادی سوال یہ ہی ہوگا کہ ہم نے دنیا میں تمہاری ہدایت کے لئے جو رسول بھیجے تھے تو تم لوگوں نے ان کی دعوتِ حق کا کیا جواب دیا تھا۔ سورۃ الانعام میں ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اُجِبۡتُمۡ ۔ اور سورۃ القصص میں ہے "ویوم یُنادیھم فیقول ماذا اجبتم المرسلین۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام سے پوچھے گا کہ تم نے تبلیغ کی تھی یا نہیں۔

اللہ کا نبی تو اپنی امت کے کفار مکذبین کے برخلاف اللہ کا شہید ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے "فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیداء پس جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ قرآن کریم کی تصریحات کے خلاف ہے۔

افسوس کہ متعدد مفسرین نے آیت شریفہ وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا کی اس باطل حدیث کے مطابق تفسیر کی ہے اور گمان کیا ہے کہ یہ تفسیر مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمودہ ہے۔ امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔ صرف اعمش نے ابو صالح سے اس کی روایت کی ہے اور اس کی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ مذکور نہیں کہ ابو صالح نے حضرت ابو سعید سے یہ حدیث سنی تھی۔ ہر روایت کی اسناد میں ابو صالح عن ابی سعید ہے میں سمجھتا ہوں کہ ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ کسی واعظ نے ابو سعید کی طرف منسوب کر کے ابو صالح کو بتادی تھی آیات قرآنی کے معانی ومطالب سمجھنے سے راویانِ حدیث کو چنداں تعلق نہ تھا۔ اس لئے اس کی روایت کردی گئی اور امام بخاری نے اسے متصل السند گمان کر کے اپنی کتاب میں ثبت فرمادیا۔

(۲۹) ابوسعید خدری کی طرف منسوب ایک حدیث

جس میں مذکور ہے کہ جہنم میں جانے والے لوگوں میں سے ایک شخص یاجوج وماجوج کے علاوہ دیگر اقوام میں سے ہوگا تو ایک ہزار یاجوج وماجوج کی قوم میں سے ہوں گے

اس کی اسناد بھی وہی ہے یعنی اعمش نے ابوصالح سے اور اس نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم کو پکار کر فرمائے گا اخرج بعث النار (اپنی نسل سے جہنم میں بھیجے جانے کے لائق لوگ نکالو) آدم کہیں گے **وما بعث النار** (ان کی تعداد کیا ہے) **قال من كل الف تسعمائة و تسعة وتسعين**۔ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے (۹۹۹) یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **فعنده يشيب الصغير وتضع كل ذات حمل حملها وترى الناس سكارىٰ وماهم بسكارىٰ ولكن عذاب الله شديد** اس ہولناکی کی حالت ایسی ہوگی کہ بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر بوجھ والی اپنا بوجھ رکھ دے گی۔ اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا۔ وہ کسی نشے کی وجہ سے مدہوش نہ ہوں گے مگر اللہ کی سزا سخت ہے۔

> **قالوا يا رسول الله اينا ذاک الواحد. قال ابشروا فان منكم رجلا ومن ياجوج وماجوج الفا. ثم قال والذى نفسى بيده ماانتم فى الناس الا كالشعرة السوداء فى جلد ثور ابيض او كشعرة بيضاء فى جلد ثور اسود** (ص ۴۷۲)

سامعین صحابہ نے عرض کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر ایک کس فی ہزار ہی جہنم سے بچنے والے ہوں گے نوسو ننانوے جہنمی ہوں گے تو وہ ایک خوش قسمت کون ہوگا (یہ تو ہمارے لئے بڑے رنج وافسوس کی بات ہے کہ ہمارے اندر ہزار میں سے ۹۹۹ جہنمی نکلیں فرمایا خوشخبری سنو تم میں سے ایک شخص ہوگا اور یاجوج وماجوج میں سے ہزار ہوں گے (اس روایت میں یاجوج وماجوج میں سے ہزار کا ذکر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی

جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم امت محمد دیگر اقوام وامم میں ایسے ہو جیسے سفید بیل کی کھال میں کالا بال یا کالے بیل کی کھال میں سفید بال ہوتا ہے۔یعنی دیگر اقوام کے لوگ تم سے تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے۔اعمش سے یہ حدیث ابواسامہ (ص۴۷۲) جریر (ص ۹۶۷) وکیع (صحیح مسلم ا ص ۱۱۸ طبع ھند) حفص بن غیاث (صحیح بخاری ص ۶۹۳ نے روایت کی ہے۔ابواسامہ وجریر دونوں کی روایت میں یاجوج و ماجوج میں سے ہزار کا ذکر ہے۔اور وکیع وحفص کی روایت میں ۹۹۹ ہے۔

لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمودہ بات نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ آدم سے فرمائیں گے کہ اپنی ذریت میں سے جہنم کا ایندھن بننے والوں کو الگ کردو یعنی ۹۹۹ فی ہزار۔یعنی ہر ہزار انسانوں میں سے ۹۹۹ جہنمی ہیں۔ اس پر سامعین نے عرض کیا اپنا ذلک الواحد تو آپ نے فرمایا ابشروا فان منکم رجلا ومن یاجوج وماجوج الفا۔یہ ابواسامہ وجریر کی روایت میں ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعث النار کی گنتی تو یاجوج وماجوج سے پوری ہوگی،ایک ان میں سے اور ایک دیگر اقوام میں سے دو شخص فاضل ہوئے کیونکہ بعث النار تو ۹۹۹ بتائے ہیں اور یہ ایک ہزار ایک ہو جاتے ہیں۔

اور وکیع وحفص بن غیاث کی روایت میں تسعمائة وتسعة وتسعین من یاجوج ومنکم واحد ہے۔تو یہ ہزار ہوئے اور جب بعث النار کی گنتی یاجوج وماجوج سے ہی پوری ہوگئی تو منکم واحد بے معنی ہوگیا۔پس یہ کسی صورت سے بھی صحیح بات نہیں ہوسکتی۔نہ وہ جو ابواسامہ وجریر کی روایت میں ہے نہ وہ جو وکیع وحفص کی روایت میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسی مہمل بات نہیں کہہ سکتے تھے۔یہ حدیث بھی حدیث نبوی نہیں ہے بس کسی واعظ کی غپ شپ ہے حضرت آدم کو بعث النار کے اخراج کا حکم دینا بھی کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔

---

(۳۰) حضرت ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام کے باپ آزر کے اخروی مآل کے متعلق حضرت ابوھریرہ کی طرف منسوب حدیث جو ابن ابی ذئب کے طریق سے مروی ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا اسماعیل بن عبداللہ ثنی اخی عبدالحمید عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال یلقیٰ ابراھیمُ اباہ آزر یوم القیامۃ وعلی وجہ آزر قترۃ وغبرۃ فیقول لہ ابراھیم الم اقل لک لا تعصنی فیقول ابوہ فالیوم لاعصیک. فیقول ابراھیم یا رب انک وعدتنی ان لاتخزنی یوم یبعثون فای خزی اخزی من ابی الا بعد فیقول اللہ انی حرّمت الجنۃ علی الکافرین ثم یقال یا ابراھیم ماتحت رجلیک؟ فینظر فاذا بذیخ متلطخ فیوخذ بقوائمہ فیلقی فی النار. (صحیح بخاری ص ۴۷۳ کتاب الانبیاء)

ہم سے اسماعیل بن عبداللہ اویسی نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے بھائی عبدالحمید اویسی نے بیان کیا محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب سے روایت کر کے اس نے سعید مقبری سے اس نے ابوھریرہ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام کی قیامت کے دن اپنے باپ آذر سے ملاقات ہوگی حال یہ ہوگا کہ آزر کے چہرے پر سیاہی اور آلودگی ہوگی۔ حضرت ابراہیم اس سے کہیں گے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر (یعنی میں نے جو تجھ سے کہا تھا کہ کفر وشرک اور شیطان پرستی سے تائب ہوکر اللہ کی بندگی وطاعت اختیار کر) کہے گا اب تیرا کہنا مانوں گا (اب تو کسی طرح مجھے بچا) تب حضرت ابراہیم عرض کریں گے اے میرے رب تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہ فرمائے گا۔تو میرے نالائق باپ کا جو حال ہورہا ہے اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کردی ہے پھر کہا جائے گا اے ابراہیم تیری ٹانگوں کے نیچے کیا ہے؟ دیکھیں گے تو ایک گندگی میں لتھڑا ہوا لکڑبگا ہے پس اس کی

ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

ابن ابی ذئب محمد بن عبدالرحمٰن کے علاوہ اور کسی نے یہ حدیث روایت نہیں کی۔اس کا متن بتا رہا ہے کہ ابن ابی ذئب اور اس سے یہ حدیث روایت کرنے والے محدثین عبدالحمید اُویسی اس کا بھائی اسماعیل اور امام بخاری قرآن فہمی سے بہت دور تھے۔اس کی وضاحت کرنے سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ابن ابی ذئب اس کی سند میں بھی مضطرب تھا۔اس نے عبدالحمید اویسی سے اس کی سند سعید المقبر ی عن ابی ھریرۃ ذکر کی تھی یعنی یہ بتایا تھا کہ سعید مقبری نے ابوہریرہ سے اس کی روایت کی ہے اور بخاری نے ہی بتایا ہے ''قال ابراھیم بن طھمان عن ابن ابی ذئب عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابیه عن ابی ھریرۃ (صحیح بخاری ص ۷۰۲ کتاب التفسیر)

یعنی ابراھیم بن طھمان کو جب ابن ابی ذئب نے یہ حدیث سنائی تو بتایا کہ سعید مقبری نے اپنے باپ کیسان ابوسعید مقبری سے اور اس نے ابوہریرہ سے اس کی روایت کی ہے سعید وابوھریرہ کے درمیان سعید کا باپ کیسان واسطہ ہے سند کا یہ اضطراب نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔نہ اس کا کوئی حل ممکن ہے، اضطراب کی وجہ سے یہ حدیث پایۂ صحت سے ساقط ہے رہا متن تو وہ یوں غلط ہے کہ قرآن کریم یا کسی حدیث یا بائبل کے کسی صحیفے میں یہ نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تجھے رسوانہ کروں گا۔ بس جب یہ وعدہ تھا ہی نہیں تو حضرت ابراہیم اس کا حوالہ کیسے دیں گے پس یہ وعدہ حق کا ذکر ابن ابی ذئب نے بالکل غلط کیا ہے:

اور تعجب یہ ہے کہ وہ اسے صحیح عبارت میں ادا بھی نہ کرسکا۔صحیح عبارت یہ ہوتی کہ ''یا رب انک وعدتنی ان لاتخزینی'' کہتا۔ان کے بعد مضارع منفی منصوب لاتا۔ حالانکہ ابن ابی ذئب نے ان لاتخزنی'' کہا ہے۔لاتخزنی حاضر کا صیغہ ہے اصل بات یہ ہے کہ سورۃ الشعراء کے پانچویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کی حکایت فرمائی ہے۔

آنحضرت نے عرض کیا تھا ''رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ•

میرے رب مجھے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرما اور مجھے پیش رو لائق بندوں کے ساتھ ملا دے۔

واجعلْ لی لسانَ صدقٍ فی الاٰخرین اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرے لیے ذکرِ خیر سے فرما دے۔ واَجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرثَةِ جنَّةِ النَّعِیْم اور مجھے نعمتوں کی جنت کے وارثوں میں سے بنا۔

واغفِرِ لاَبِیْ اِنَّہٗ کانَ مِنَ الضَّالِّیْن اور میرے باپ کی مغفرت فرما۔ بے شک وہ گمراہوں میں سے رہا ہے۔

ولا تَخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ اور مجھے رسوا نہ فرمائیو جس دن بندے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

باپ کے لیے مغفرت کی دعا اس وعدے کی وجہ سے فرمائی تھی جو بوقتِ ہجرت آپ نے اس سے کرلیا تھا۔ (سورۂ مریم ع ۳)

یہ دعا اس معنی میں تھی کہ اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوجائے مگر جب حضرت ابراہیم پر واضح ہوگیا کہ آزر اللہ کا ایک دشمن ہے ایمان لانے والا نہیں ہے یا یہ کہ وہ حالتِ کفر میں ہی مر چکا ہے تب اس کے لیے دعائے مغفرت سے باز آگئے اور عرض کیا کہ اے رب میں ہر اُس شخص سے بیزار ہوں جو کفر پر قائم رہا اور تائب نہ ہوا۔ جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں ہے ''وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ'' فلما تبین لہ انہ عدوٌ للہ تبرّأ منہ.

ابن ابی ذئب نے شاید کبھی ان آیات کی تلاوت ہی نہ کی تھی بلا وجہ گمان کرلیا کہ باپ کے لیے مغفرت کی دعا حضرت ابراہیم آخرت میں کریں گے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ نہ عبدالحمید نے ان آیات کو پڑھا اور سمجھا نہ اس کے بھائی اسماعیل نے اور نہ حضرت امام بخاری نے اور خواہ مخواہ حضرت ابراہیم کی دعا کو اللہ کا وعدہ بنا دیا۔ الغرض یہ حدیث اول سے آخر تک باطل ہے۔

---

(۳۱) کریب آزاد کردہ ابن عباس کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کا مجسّمہ بھی اس میں دیکھا۔

بکیر بن عبداللہ الاشج نے ابن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا

دخل النبی ﷺ البیت فوجد فیه صورة ابراهیم وصورة مریم فقال امّا هم فقد سمعوا ان الملائکة لاتدخل بیتا فیه صورة هذا ابراهیم فما له یستقسم
(صحیح بخاری (ص ۴۷۳ کتاب الانبیاء ذکر ابراهیم علیه السلام)

نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس میں ابراہیم کا مجسّمہ اور مریم کا مجسمہ پایا تو فرمایا (ان جاہلوں یعنی اہل مکہ نے خانۂ کعبہ کے اندر یہ مجسمے رکھے ہیں) لیکن ان کا حال یہ ہے کہ وہ سن چکے ہیں کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی مجسمہ ہو۔ یہ ابراہیم ہیں تو جوے کے تیران کے ہاتھ میں کیوں ہیں! بھلا حضور اکرم ﷺ یہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کہ اہل مکہ سن چکے ہیں کہ تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے۔ آپ سے پہلے تو مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث ہوا نہ تھا کہ مکہ والوں کو یہ بات بتاتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی نبوت کے بعد جو تیرہ سال مکہ میں گذارے تھے تو کبھی ان ایام میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہ بات تو آپ نے مدینہ میں بتائی تھی کہ **لاتدخل الملائکة بیتا فیه کلب او صورة**. پس یہ حدیث مدنی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن عباس نے جو بیان کیا تھا کریب کو ٹھیک یاد نہ رہا۔ صحیح وہ ہے جس کی عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے:

ان رسول الله ﷺ لما قدم مکة ابی ان یدخل البیت وفیه الألهة فامربها فاُخرجت فاخرج صورة ابراهیم واسماعیل فی ایدیهما من الازلام. فقال قاتلهم الله لقد علموا ما استقسما قط (صحیح بخاری

ص ۶۱۴ کتاب المغازی، غزوۃ الفتح)

رسول اللہ ﷺ جب (فتح مکہ کے موقع پر) مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے خانۂ کعبہ میں داخل ہونے سے انکار فرمایا حال یہ تھا کہ اس میں مشرکین کے بت تھے۔ ان کے متعلق حکم فرمایا تو کعبہ بتوں سے صاف کردیا گیا۔ ان بتوں میں حضرت ابراھیم واسماعیل کے مجسّمے بھی تھے ان کے ہاتھوں میں جوے کے تیر دکھائے گئے تھے فرمایا ان مجسمے بنانے والوں اور انہیں کعبہ میں رکھنے والوں پر اللہ کی مار۔ یہ سب بے ہودے لوگ قطعاً جانتے تھے کہ ابراہیم واسماعیل نے کبھی جوے کے تیروں کا استعمال نہیں کیا۔ (خبیثوں نے جان بوجھ کر ان پر یہ افترا پردازی کی ہے)۔

کریب نے ابن عباس سے سنی ہوئی بات ٹھیک یاد نہ رکھی۔ اسماعیل کی جگہ مریم کا ذکر کردیا۔ اور لقد علموا کی جگہ لقد سمعوا لا کر ملائکہ کے داخل نہ ہونے کی حدیث کا اس میں پیوند لگا دیا۔

اچھا کریب سے تو یہ غلطیاں ہوگئیں لیکن جن لوگوں نے کریب کی اس غلط حدیث کو روایت کیا ہے۔ انہیں کس باؤلے کتے نے کاٹا تھا کہ اس کی روایت کرتے چلے گئے۔ اور بخاری کو کیا ہوگیا تھا کہ اس غلط حدیث کو درج صحیح فرمادیا۔

---

(۳۲) بنی اسرائیل میں سے ایک چتکبرے

اور ایک گنجے اور ایک اندھے کی آزمائش کا قصہ جس کی عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ واعظ نے حضرت ابوہریرہ کی طرف منسوب کرکے روایت کی تھی

یہ قصہ صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں ہے۔ قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کو ان تینوں کی آزمائش منظور ہوئی۔ ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا وہ شکل انسانی میں متشکل ہوکر ابرص یعنی چتکبرے کے پاس آیا پوچھا۔ تجھے کس چیز کی زیادہ خواہش ہے۔ بولا میرا یہ مرض دور ہوجائے۔ مجھے اچھی کھال مل جائے کیونکہ عام لوگ مجھ سے گھن کرتے

ہیں فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا برص زائل ہوکر بدن کی ساری کھال خوشنما بن گئی۔ تب فرشتہ بولا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ بولا اونٹ، فرشتہ نے اس کو دس مہینے کی گابھن نہایت عمدہ اونٹنی دیدی اور اسے برکت کی نوید سنائی پھر وہ گنجے کے پاس گیا۔ پوچھا تجھے کس چیز کی زیادہ چاہت ہے کہا میرا گنجا پن ختم ہوکر اچھے بال نصیب ہو جائیں۔ گنجا ہونے کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنجا پن ختم ہوکر سر پر بڑے اچھے بال ہویدا ہوگئے۔ تب پوچھا تجھے کونسا مال زیادہ مرغوب ہے۔ بولا گائے، فرشتے نے اسے نہایت عمدہ پورے دنوں کی حاملہ گائے دی اور برکت کا مژدہ دیا۔ پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا۔ پوچھا تیری سب سے بڑی آرزو کیا ہے۔ بولا میری آنکھیں روشن ہو جائیں کہ میں لوگوں کو اور سب چیزوں کو دیکھ سکوں۔ اس نے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ کٹورا سی کھل گئیں۔ تب پوچھا کون سا مال تجھے زیادہ مطلوب ہے؟ بولا بکریاں۔ اُس نے اسے پورے دنوں کی حاملہ بڑھیا بکری دیدی تینوں کے مالوں میں بڑی برکت ہوئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد سابق ابرص (چت کبڑے) کے اونٹوں سے ایک وادی اور سابق گنجے کی گایوں سے ایک وادی اور سابق اندھے کی بکریوں سے ایک وادی بھر گئی۔ تب وہی فرشتہ اسی شکل وحالت میں چتکبرے کے پاس آ کر بولا۔ میں ایک غریب اور مسافر آدمی ہوں منزل پر پہنچنے کے جو ذرائع میرے پاس تھے ختم ہوگئے یعنی میں افلاس و بے نوائی میں مبتلا ہوگیا۔ اب اللہ کی مدد اور آپ کی اعانت میری دستگیری کرے تو میں اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہوں ورنہ نہیں جس اللہ نے آپ کو اچھا رنگ روپ دیا۔ خوشنما کھال اور مال سے آپ کو نوازا اسی کا واسطہ دے کر میں آپ سے ایک اونٹ مانگ رہا ہوں جس پر سوار ہوکر منزل پر پہنچ سکوں۔ بولا میرے حقوق بہت ہیں (تجھے ایک اونٹ دینے کی گنجائش نہیں ہے) فرشتہ بولا لگتا ہے کہ میں تجھے پہچانتا ہوں۔ کیا تو چتکبرا اور محتاج نہ تھا جس سے لوگ گھن کرتے تھے۔ اللہ نے تجھے اچھی کھال بھی دی اور مال بھی دیا۔ بولا۔ واہ بھئی واہ مال تو میرے پاس پشتوں سے چلا آ رہا ہے فرشتہ بولا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے اسی پچھلی حالت میں

کر دے پھر اسی طرح گنجے کے پاس آ کر اسی انداز سے بات کی اور گنجے نے بھی اسے ویسا ہی جواب دیا تب اس سے بھی فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے اسی پچھلی حالت میں کر دے پھر وہ سابق اندھے کے پاس آ کر اسی طرح بولا اور اس سے ایک بکری مانگی۔ اس نے کہا میں اندھا تھا اللہ نے مجھے سا کا کر دیا غریب تھا اللہ نے مال دار بنا دیا۔ ان بکریوں میں سے جتنی چاہو لے جاؤ۔ میری طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔ فرشتہ نے کہا تو آزمائش میں پورا اترا وہ دونوں ناکام رہے۔

(صحیح بخاری ص ۴۹۲ اواخر کتاب الانبیاء صحیح مسلم)

اس قصہ کو کسی بھی صحابی نے بیان نہیں کیا صرف عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ نے جو ایک اناپ شناپ بیان کرنے والا واعظ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً اس کی روایت کی ہے عبدالرحمٰن سے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے اس سے ھمام بن یحیٰ نے اس سے عمرو بن عاصم وعبداللہ بن رجاء نے (صحیح بخاری) اور شیبان بن فروخ نے (صحیح مسلم لفظی اعتبار سے صحیح مسلم کی روایت بخاری کی روایت کی بہ نسبت درست ہے بخاری کی روایت آخر سے تقریباً مہمل ہے۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بندوں کے بارے میں جو سنت ثابت ہے یہ قصہ اس کے منافی ہے اور عقلِ سلیم اسے صحیح ماننے پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ کسی مال دار کا بخیل یا سخی ہونا بدیہی طور پر سب کو معلوم ہو جاتا ہے۔ دو مالدار شخص ہیں ایک کا حال یہ ہے کہ ضرورت مندوں پر صدقہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ کا عائد کیا ہوا فریضۂ زکاۃ پابندی سے ادا کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ بخیل نہیں ہے۔ دوسرا شخص کسی سائل کو کچھ نہیں دیتا۔ کبھی کسی ضرورتمند پر صدقہ نہیں کرتا زکاۃ ادا نہیں کرتا ظاہر ہے کہ وہ بخیل ہے۔ ابرص اور لنگڑا بخیل تھے اور وہ نابینا بخیل نہ تھا سخی تھا۔ تو ان کے بخل وسخاوت کو آزمانے کے لیے اللہ کو کوئی فرشتہ بھیجنے کی ضرورت نہ تھی کہ ان کے پاس پہنچ کر غلط بیانی کرے اور جھوٹ بولے۔ ان کے طرز عمل سے یہ خود ہی ثابت تھا یقیناً یہ قصہ نہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا نہ ابو ہریرہ نے اس کی روایت کی یہ تو شروع سے آخر تک عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔

---

(۳۳) اتباع الانصار کے متعلق حدیث جو ابوحمزہ انصاری سے مروی ہے

امام بخاری نے شعبہ کے طریق سے اس کی تخریج کی ہے شعبہ سے محمد بن جعفر غندر نے اور آدم بن ابی ایاس نے غندر کی روایت یہ ہے:

حدثنا شعبة عن عمرو (هوا بن مرة) سمعت ابا حمزة رجلا من الانصار. قالت الانصار يا رسول الله لكل نبى اتباع و انا قد اتبعناک فادع الله ان يجعل اتباعنامنا فدعا به. (قال عمرو بن مرة) فنميت ذلک الى ابن ابى ليلىٰ فقال قد زعم ذلک زيد (صحيح بخارى ص ۵۳۴ كتاب المناقب)

ابوحمزہ نے عمرو بن مرہ سے بیان کیا کہ انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر ایک نبی کے پیروانِ کار ہوئے ہیں اور یقیناً ہم نے آپ کی پیروی کی ہے (لہٰذا ہم آپ کے پیروانِ کار ہیں) پس اللہ سے دعا فرمائیں کہ ہمارے پیروانِ کار کو ہم میں ہی شامل فرمائے۔ پس آپ نے اس کی دعا فرمائی۔ عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ میں نے ابوحمزہ سے سنی ہوئی اس حدیث کا عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ سے ذکر کیا۔ اس نے کہا زید نے یہ ہی کہا تھا۔

"لكل نبى اتباع" اس حدیث میں غندر نے غلط کہہ دیا تھا کیونکہ بعض نبی ایسے بھی ہوئے ہیں جنہیں دو ہی تابع نصیب ہوئے کوئی نبی ایسا بھی ہوا ہے کہ بس ایک ہی شخص اس پر ایمان لایا۔

شعبہ نے اس حدیث میں لکل قوم اتباع کہا تھا۔ غندر نے غلطی سے لکل نبی کہہ دیا۔

آدم کی روایت یہ ہے کہ:

حدثنا شعبة ثنا عمرو بن مرة قال سمعت ابا حمزه رجلا من الانصار قالت الانصار ان لكل قوم اتباعاً وانا قد اتبعناک فادع الله ان يجعل اتباعنا منا. قال النبى ﷺ اللهم اجعل اتباعهم منهم قال عمرو فذكرته

لابن ابی لیلی قال قد زعم ذلک زید قال شعبة اظنه زید بز ارقم
(صحیح بخاری ص ۵۳۴)

غندر کی روایت کے بعد بخاری نے آدم کی روایت لاکر یہ ہی بتانا چاہا ہے کہ غندر کی روایت میں لکل نبی غلط اور مبنی بر وھم ہے۔ صحیح لکل قوم ہے۔ اس کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلے نے تو زعم ذاک زید کہا تھا زید بن ارقم نہیں یہ تو شعبہ کا خیال تھا بے دلیل خیال۔ ہوسکتا ہے کہ زید بن ثابت یا زید بن عبداللہ بن عمر یا زید نام کا کوئی اور شخص مراد ہو۔ محض ظن وگمان سے کسی راوی کی تعیین نہیں ہوسکتی۔ پس اس زید کی شخصیت پردۂ خفا میں ہے۔ رہا ابوحمزہ تو اس کا نام طلحہ بن یزید تھا۔ کوفہ میں رہتا تھا اور قرظہ بن کعب انصاری کا آزاد کردہ تھا۔ اس سے صرف عمرو بن سرۃ کوفی نے دو ایک حدیثیں روایت کی ہیں۔ مجہول الحال شخص ہے۔ اہل علم کے زمرہ میں سے نہ تھا۔ اور اس نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے یہ حدیث فلاں صحابی سے سنی تھی۔ پس اس کی اسناد صحیح و متصل نہیں۔ ایک مجہول الحال شخص کی مُرسل حدیث ہے اور اتباع سے مراد اس میں وہ لوگ ہیں جو نسب کے لحاظ سے اوس وخزرج میں سے نہ تھے۔ انصار کے خدام یا آزاد کردہ غلام تھے۔ ان تابعین کا متبوعین کے زمرے میں معدود ہونا معلوم ومعروف بات ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے مولی القوم منهم۔ اس معلوم ومعروف امر کے لیے انصار کا رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ یہ تو تحصیل حاصل کے قبیل سے ہے۔ پس یہ حدیث نہ سند کے لحاظ سے متصل ہے نہ متن کے لحاظ سے معقول۔ ابوحمزہ کی کہی ہوئی فضول سی بات ہے اس لئے درج صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔

---

(۳۴) ایک انصاری شخص کی رسول اللہ ﷺ سے عمل دینے یعنی کسی عہدے پر لگانے کی درخواست بروایت قتادہ

شعبہ نے قتادہ سے اس نے حضرت انس سے روایت کی ہے:

عن اسید بن حضیر ان رجلا من الانصار قال یا رسول الله الا تستعملنی کما استعملت فلانا. قال ستلقون بعدی أثرة فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض (صحیح بخاری ص ۵۳۵ کتاب المناقب)

اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا:

یا رسول الله استعملت فلانا ولم تستعملنی قال انکم سترون بعدی اثرة فاصبروا حتی تلقونی (ص ۱۰۶۴ کتاب الفتن)

حضرت انسؓ نے حضرت اُسَید بن حُضَیر انصاری سے روایت کی ہے کہ ایک انصاری شخص نے عرض کیا آپ مجھے عامل نہیں بناتے جیسا کہ آپ نے فلاں کو عامل بنایا ہے۔ یا یوں کہا۔ مجھے بھی عامل بنایئے جیسا کہ آپ نے فلاں کو عامل بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے بعد تم گروہ انصار ترجیح سے دوچار ہو گے۔ یعنی میرے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئے گی وہ عہدوں اور منصبوں میں تم پر دوسرے قبائل کے اشخاص کو ترجیح دیں گے۔ تو اس پر صبر کرنا (یعنی چراغ پا ہو کر حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرنا) یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملو۔ یعنی قیامت تک تمہارا طرزِ عمل صبر اور بغاوت سے اجتناب ہونا چاہیے۔

مسلم وابوداؤد وابن ماجہ ونسائی وترمذی نے اس کی تخریج نہیں کی ہاں مسند احمد میں یہ حدیث ہے (مسند ۴ص ۳۵۱) لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ عمل دینے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ کسی جگہ کا حاکم مقرر کرنے یا کسی فوجی مہم میں لشکر کا سالار بنانے یا زکاۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے کسی کو مامور فرمانے میں آپ اہلیت وصلاحیت کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ وہ شخص اس عہدہ ومنصب کا خواہاں نہ ہو۔ کوئی شخص خود آپ سے گذارش کرتا کہ مجھے فلاں منصب عطا فرمادیں یا کسی منصب پر میرا تقرر فرمادیں تو آپ اسے عمل نہ دیتے تھے۔ صحابۂ کرام میں آپ کا یہ طرزِ عمل معروف تھا۔ آپ نے صحابہ کے سامنے زبانی بھی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ عمل کے خواہشمند کو ہم عمل نہ دیں گے۔ آپ کے اس طرزِ کار سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کوئی آپ سے عمل کی خواہش کر بیٹھتا تو آپ صراحۃً

اسے بتا دیتے تھے کہ خواہشمند کو ہم عمل نہیں دیتے قتادہ کی روایت کی ہوئی اس حدیث میں ہے کہ ایک انصاری نے آپ سے عمل کی درخواست کی۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا **ستلقون بعدی اثرۃ**۔ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ جواب سائل کی درخواست سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ آپ تو حسب عادت اسے یہی جواب دیتے کہ **انا لانستعمل احداً علی عملنا من ساله یا من اراده**. آپ کا جو جواب قتادہ کی اس حدیث میں مذکور ہے اُس کا مطلب تو یہ ہے کہ گویا آپ نے فرمایا ''ہاں ابھی میں نے دوسرے شخص کو تجھ پر ترجیح دی ہے اور میرے بعد تم ترجیح سے دوچار ہو گے۔ اور یقیناً یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مطلب مراد ہوتا تو **الاثرۃ** معرفہ آتا یعنی آپ فرماتے ''**ستلقون بعدی الاثرۃ** حالانکہ روایت میں اثرۃ نکرہ ہے۔

پس اس حدیث میں دو علت ہیں اول یہ کہ عادتِ مستمرہ کے مطابق اس میں آپ کا جواب مذکور نہیں جو آپ نے اُس سائل کو دیا ہوگا دوم یہ کہ جو جواب مذکور ہے وہ درخواست سے کوئی میل نہیں رکھتا پس اگر فی الواقع حضرت انس نے حضرت اسید سے یہ حدیث سنی تھی اور قتادہ نے انس سے تو قتادہ کو وہ حدیث ٹھیک یاد نہیں رہی۔ بہر کیف یہ حدیث غلط ہے جس کی بخاری نے تخریج فرمائی ہے۔

---

(۳۵) یؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة کی شانِ نزول کے متعلق قصہ بروایت فضیل بن غزوان

عبداللہ بن داؤد خریبی نے فضیل بن غزوان سے اس نے ابو حازم اشجعی سے (اس کا نام سلمان تھا۔ عزہ اشجعیہ نامی ایک خاتون کا آزاد کردہ تھا۔ کوفہ میں رہنے لگا تھا) اس نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:

ان رجلا اتی النبی ﷺ فبعث الی نسائه (یطلب له الطعام) قلن ما معنا

الا الماء. فقال رسول الله ﷺ من يضم او يضيف هذا؟ فقال رجل من الانصار انا فانطلق به الى امرأته. فقال اكرمی (صحیح لفظ اطعمی ہے) ضيف رسول الله فقالت ماعندنا الاقوت صبيانی. فقال هيئی طعامک واصبحی سراجک ونوّمی صبيانک اذا ارادو عشاء فهيّأت طعامها واصبحت سراجها ونوّمت صبيانها ثم قامت كأنها تصلح سراجها فاطفأته فجعلا يريانه انهما يأكلان فباتاطاويين. فلما اصبح غدا الى رسول الله ﷺ فقال ضحک الله الليلة او عجب من فعالكما. فانزل الله "ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة • ومن يوق شح نفسه فاؤلئک هم المفلحون. (صحیح بخاری ص ۵۳۵ كتاب المناقب)

ابواسامہ نے بھی فضیل بن غزوان سے اسی طرح روایت کی ہے۔مگر اس میں ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا۔ هذا ضيف رسول الله فلا تدخريه شينا (صحيح البخارى كتاب التفسير. سورة الحشر)

اس میں لاتدخريه غلط ہے۔صحیح لفظ لاتدخرى عنه ہے۔یعنی رسول اللہ کے پاس ایک شخص آ گیا آپ نے یکے بعد دیگرے ہر بیوی کے یہاں اُس کا کھانا تیار کرنے کی خبر بھیجی سب کی طرف سے یہ ہی جواب ملا کہ آج رات ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے تب آپ نے صحابہ حاضرین سے فرمایا کہ آج رات کو کون شخص اسے مہمان بنائے گا۔ ایک انصاری نے عرض کیا میں۔ یہ شخص میرا مہمان رہے گا۔وہ اسے گھر لے گیا بیوی سے ذکر کیا کہ یہ رسول اللہ کا مہمان ہے۔ بولی ہمارے پاس تو بس بچوں کے لائق کھانا ہوسکتا ہے۔بولا ایسا کرنا کہ بچوں کو تو کھانے کے وقت بہلا کر تھپک کر سلا دینا۔کھانے کے لیے ہم مل کر بیٹھیں گے اسی وقت چراغ بجھا دینا۔مہمان کے سامنے ہم کھانا رکھ دیں گے اور ظاہر کریں گے گویا ہم دونوں بھی اسی کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ مہمان شکم سیر ہو جائے گا ہم دونوں یوں ہی رات گذار لیں گے۔

بیوی نے ایسا ہی کیا صبح کو جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا

رات جو تم میاں بیوی نے مہمان کے ساتھ کیا اللہ کو بہت پسند آیا۔ اسی پر اللہ کا یہ قول نازل ہوا۔ **ویؤثرون علی انفسھم الآیہ**۔ جریر بن عبدالحمید اور وکیع نے بھی فضیل بن غزوان سے اس قصہ کی روایت کی ہے (صحیح مسلم کتاب الاشربۃ۔ باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ)

پس فضیل سے عبداللہ بن داؤد وابواسامہ وجریر ووکیع نے اس کی روایت کی ہے ان میں سب سے بہتر وکیع کی روایت ہے۔

> ان رجلا من الانصار بات به ضیف فلم یکن عنده الاقوته وقوت صبیانه فقال لامرأته نوّمی الصبیة واطفئی السّراج وقرّبی للضیف ما عندک. قال فنزلت هذه الآیة ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة (صحیح مسلم کتاب الاشربة) (سنن الترمذی. ابواب التفسیر، سورة الحشر)

ان چاروں شخصوں کی روایت میں اس مہمان کا نام ومقام مذکور نہیں کہ کون تھا کہاں سے آیا تھا۔ نہ ہی اُس شریف وکریم انصاری صحابی کا نام مذکور ہے جو اس کا میزبان بنا تھا۔ اور چاروں کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول **ویؤثرون علی انفسھم** اسی کے متعلق نازل ہوا تھا۔

ان چار کے علاوہ خود فضیل بن غزوان کے بیٹے نے بھی جس کا نام محمد تھا اپنے باپ فضیل سے اس کی روایت کی ہے۔ اس نے انصاری میزبان کو ابوطلحہ بتایا ہے۔ اس کی تخریج مسلم نے کی ہے:

> قال حدثنا ابو کریب ثنا ابن فضیل عن ابیه عن ابی حازم عن ابی هریرة قال جاء رجل الی رسول الله ﷺ لیضیفه فلم یکن عنده ما یضیفه فقال الا رجل یضیف هذا رحمه الله فقام رجل من الانصار یقال له ابو طلحة فانطلق به الی رحله. وساق الحدیث بنحو حدیث جریر وذکر فیه نزول الآیة کما ذکره وکیع (صحیح

مسلم کتاب الاشربۃ)

لیکن یہ محمد بن فضیل کی وہم پر مبنی غلطی ہے۔ حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ ان کی بیوی اُم سلیم حضرت انس کی والدہ معروف صحابیہ ہیں۔ اور وہ خوشحال و تو انگر آدمی تھے یہ قصہ ان کا ہوتا تو ابوہریرہ اس انداز سے ان کا ذکر نہ کرتے یہ قصہ تو یہ بتا رہا ہے کہ وہ انصاری کوئی غریب و مسکین آدمی تھا پس اس قصہ کی پانچوں روایات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول **ویؤثرون علی انفسھم** اسی کے متعلق نازل ہوا تھا۔

راویوں کا یہ اتفاق ایک طرف یہ بتاتا ہے کہ بخاری و مسلم اور ان کے شیوخ جنہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے قرآن فہمی سے نا آشنا تھے اور دوسری طرف یہ کہ سرے سے یہ قصہ ہی نہیں ہوا۔ یہ محض ابوحازم اشجعی کی افسانہ گوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی بیان کردہ حدیث نہیں ہے۔ کیونکہ **ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ** یقیناً مستقل آیت نہیں ہے کہ الگ سے اس کے نازل ہونے کا تصور کیا جا سکے یہ تو آیت کا ٹکڑا ہے اور یؤثرون معطوف ہے۔ **معطوف علیہ یحبون من ھاجر الیھم** ہے۔ معطوف علیہ و معطوف کے درمیان نزول میں زمانی فاصلہ نہیں ہو سکتا۔ پوری آیت **والذین تبوّء وا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ٭ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون** ہے اور یہ پوری آیت سابقہ آیت پر معطوف ہے دونوں آیتوں میں اموال فے کے مصرف کا بیان ہے کہ ضرورتمند مہاجرین اور ضرورتمند انصار اس کا مصرف ہیں۔ یہ سورۃ الحشر کے پہلے رکوع میں سے ہیں سابق آیتوں کے ساتھ ان دونوں آیتوں کا نزول ۴ھ میں یہود بنی نضیر کو جلاوطن کر دینے کے بعد یکبارگی ہوا تھا۔ قصہ مذکورہ کو **ویؤثرون علی انفسھم** کا سبب نزول بتانا قطعاً غلط ہے۔

---

(۳۶) صفا و مروہ کی سعی میں کیا بطن وادی یعنی میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا سنت نہیں ہے؟

عن بکیر بن الاشج ان کریبا مولی ابن عباس حدثه ان ابن عباس قال لیس السعی ببطن الوادی بین الصفا والمروة سنة. انما کان اهل الجاهلیة یسعونها ویقولون لانجیز البطحاء الاشدا (صحیح بخاری ص ۵۴۳ کتاب المناقب)

بکیر بن اشج سے عبداللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس نے کہا ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان بطن وادی میں دوڑنا سنت نہیں ہے۔ یہ تو اہل جاہلیت کا طریقہ تھا وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم بطحاء کو دوڑکر ہی عبور کیا کرتے ہیں۔ بطحاء سنگستانی علاقہ کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد صفاء و مروہ کے درمیان کی وادی ہے جو نشیب میں ہے اس وادی کے عرض میں دو سبز رنگ پتھر نشانی کے طور پر گڑے ہوئے ہیں انہیں ہی میلین اخضرین کہا جاتا ہے ایک پتھر وہاں ہے جہاں کوہ صفا ختم ہوکر وادی شروع ہوتی ہے دوسرا اس کے بالمقابل وہاں ہے جہاں وادی ختم ہوکر کوہِ مَروہ شروع ہوتا ہے عمرہ و حج دونوں میں خانۂ کعبہ کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگاتے ہوتے ہیں۔ اسے سعی کہتے ہیں۔ سعی کا آغاز صفا سے اور اختتام مروہ پر ہوتا ہے اور میلین اخضرین کے درمیان دوڑکر چلنا چاہیے۔ یہ بطن وادی میں یعنی میلین کے درمیان دوڑکر چلنا مسنون عمل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا تمام صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہی عمل رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل دیکھا تھا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے عمل کا بھی انہیں مشاہدہ ہوا تھا۔ پھر وہ اس کے سنت ہونے کا انکار کیسے کر سکتے تھے۔ کریب نے ابن عباس کی طرف اس انکار کی نسبت غلط کی ہے۔ یہ بھی کریب کی غلط بیانی ہے کہ ابن عباس نے اسے اہل جاہلیت کا عمل بتایا اور ان کا قول لانجیز البطحاء الاشدًا نقل کیا تھا۔ سنن ابن ماجہ و سنن نسائی میں صفیہ بنت شیبہ کے طریق سے مروی حدیث میں یہ خود رسول اللہ ﷺ کا قول بتایا گیا ہے۔

(۴۷) مسروق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جنات کے آنے کی اطلاع ایک درخت نے دی تھی یہ حدیث بھی محض بکواس ہے۔

بخاری نے کہا ہے:

حدثني عبيدالله بن سعيد (ابوقدامة السرخسي ثنا ابو أسامه (حماد بن اسامة) ثنا مسعر عن معن بن عبدالرحمن قال سمعت ابي قال سالت مسروقا من اذن النبي ﷺ بالجن ليلة استمعوا القران فقال حدثني ابوك يعني عبدالله انه اذنت بهم شجرة. (صحيح بخاری ص ۵۴۴ كتاب المناقب باب ذكر الجن وقول الله تعالىٰ قل اوحي الى انه استمع نفر من الجن)

مجھ سے عبیداللہ بن سعید نے اس سے ابواُسامہ نے اس سے مسعر بن کدام نے بیان کیا عبداللہ بن مسعود کے پوتے معن بن عبدالرحمٰن سے روایت کر کے کہ میں نے اپنے والد عبدالرحمٰن سے سنا اس نے بتایا کہ میں نے مسروق سے پوچھا کہ جس رات جنات نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تھا تو رسول اللہ ﷺ کو جنات کے متعلق کس نے مطلع کیا تھا۔ مسروق نے کہا مجھ سے تیرے باپ عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا تھا کہ آپ کو ایک درخت نے ان کی اطلاع دی تھی ......

معن بن عبدالرحمٰن قاضی کوفہ کو ثقہ بتایا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی روایت کردہ صرف یہی حدیث مذکور ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا تھا کہ جنات کے ایک گروہ نے بڑی توجہ کے ساتھ قرآن سنا ہے۔

پھر وحی حق نے ہی آپ کو بتایا کہ اس گروہ نے جا کر اپنی قوم سے یہ کہا۔ اس کا ذکر سورۃ الجن کے پہلے رکوع میں اور سورۃ الاحقاف کے چوتھے رکوع میں ہے۔ عبداللہ بن

مسعود کے بیٹے عبدالرحمٰن کو سورۃ الجن کی ابتدائی آیت سے ذھول ہوگیا۔ یعنی ذہن اس کی طرف نہیں گیا ورنہ مسروق سے اس کے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ مسروق نے جواب میں عبداللہ بن مسعود کے حوالہ سے یہ بے پر کی اڑائی کہ ایک درخت نے رسول اللہ ﷺ کو ان جنات سے مطلع کیا تھا۔

مسروق سے مراد مسروق بن اجدع ثقہ اور نیک وصالح تابعی نہیں ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے رشید تلامذہ میں سے تھے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے مراد مسروق بن اوس تمیمی یربوعی ہے جس نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں وہ اہل علم میں شمار نہ ہوتا تھا اور مجہول الحال شخص تھا۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں **قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن** لا کر امام بخاری نے مسروق والی اس روایت کے باطل ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے مسروق سے جو پوچھا تھا تو اس کی میں نے یہ توجیہ کر دی کہ عبدالرحمٰن کے ذہن میں اللہ کا ارشاد نہ آیا تھا لیکن اس کے راویوں یعنی معن بن عبدالرحمٰن پھر مسعر بن کدام پھر ابواسامہ پھر ابوقدامہ سرخسی کے اس کو روایت کرنے کی کیا توجیہ کی جائے؟ بجز اس کے کہ یہ روایات کے چکر میں پھنسے ہوئے لوگ قرآن سے غافل تھے۔

---

(۳۸) حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف منسوب ایک غلط قصہ جس میں یا جلیح امر نجیح مذکور ہے

امام بخاریؒ نے کہا ہے:

حدثنا یحی بن سلیمان قال حدثنی ابن وهب قال حدثنی عمر (هو ابن محمد بن زید بن عبدالله بن عمر) ان سالما حدثه عن عبدالله بن عمر قال ماسمعت عمر لشئی قط یقول انی لاظنه کذا الا کان کما یظن. بینما عمر جالس اذ مربه رجل جمیل. فقال عمر لقد اخطأ ظنی او ان

هذا علی دینه فی الجاهلیة او لقد کان کاهنهم. علیّ بالرجل فدُعی له فقال له ذلک فقال مارایتُ کالیوم استُقبِل به رجل مسلم. قال فانی اعزم علیک الاما اخبرتنی قال کنت کاهنهم فی الجاهلیة. قال فما اعجبُ ماجاء تک به جنیتک. قال بینا انا یوما فی السوق جاء تنی اعرف فیها الفزع فقالت الم ترالجن وابلاسها ویأسَها من بعد انکاسِها ولحوقها بالقلاص واَحلاسها ـ قال عمر صدق بینما انا نائم عند الِهَتهم اذ جاء رجل بعجل فذبحه فصرخ به صارخ لم اسمع صارخا قط اشد صوتا منه یقول یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا اله الا انت فقمت فما نشبنا ان قیل هذا نبی (صحیح بخاری ص ۵۴۶ کتاب المناقب باب اسلام عمر بن الخطاب)

ہم سے یحیٰ بن سلیمان جُعفی نے بیان کیا کہ مجھ سے عبداللہ بن وھب نے بیان کیا کہ مجھ سے عمر بن محمد نے بیان کیا کہ اُس سے (اس کے دادازید کے بھائی) سالم نے بیان کیا۔ اس نے اپنے والدعبداللہ بن عمر سے روایت کی۔ عبداللہ نے کہا میں نے جس چیز کے متعلق حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اسے ایسا خیال کرتا ہوں۔ تو وہ چیز ویسی ہی ثابت ہوئی۔

اس دوران میں کہ حضرت عمر بیٹھے ہوئے تھے اچانک ان کے پاس سے ایک خوبرو شخص گزرا۔ اسے دیکھ کر فرمایا میرے گمان نے غلطی کی ہے یا تو یہ اسی مذہب پر ہے جو جاہلیت میں اس کا مذہب تھا یا یہ اپنی قوم کا کاہن تھا۔ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ اُسے پکارا گیا کہ تجھے امیر المؤمنین طلب فرما رہے ہیں۔ اس سے بھی حضرت عمر نے یہ ہی بات کہی کہ میرے خیال میں تو اپنے سابق مذہب پر ہے ہنوز مسلمان نہیں ہوا۔ اور اگر تو مسلمان ہے تو کفر کے زمانے میں تو اپنی قوم کا کاہن تھا۔ وہ بولا آج کی طرح میں نے کوئی دن نہیں دیکھا ایک مسلمان آدمی سے کیسی بات کی جارہی ہے حضرت عمر نے نرمی سے کہا میں تجھے قسم دیکر پوچھتا ہوں سچ سچ بتا۔ تب اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا میں جاہلیت میں اُن کا کاہن تھا۔ حضرت عمر نے کہا تو جنات میں سے جو عورت تیری دوست تھی اس نے

سب سے زیادہ عجیب بات تجھے کیا بتائی تھی۔ بولا میں ایک روز بازار میں تھا اچانک وہ آ گئی گھبرائی گھبرائی سی لگی۔ پس اس نے یہ تین مصرع کہے۔

(اول) کیا تو نے جنوں اور اُن کی ناامیدی کو نہیں دیکھا

(ثانی) اور اوندھا کر دینے کے بعد اُن کی مایوسی کو۔ یعنی پہلے تو جنات انسانوں کو الٹی سیدھی باتیں بتا کر اوندھا کرتے رہتے تھے اور اب اپنے اس عمل کو جاری رکھنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یعنی پہلے تو انہیں کوئی آسمانی خبر معلوم ہو جایا کرتی تھی۔ اب اس جہت سے قطعاً مایوس ہو چکے ہیں۔

(ثالث) اور کیا تو نے نہیں دیکھا جنات کے سفر کرنے والی اونٹنیوں اور ان کے ٹاٹوں سے جا ملنے کو۔ یعنی جہاں جنات کے استھان تھے وہاں سے اپنا بوریا بستر لپیٹ کر بھاگ رہے ہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا اس شخص نے سچ کہا۔ واقعی اس نے جن عورت سے جو اس کی یار تھی ایسا ہی سنا ہوگا۔ میں مشرکین کے معبودوں کے پاس یعنی بتخانہ میں سویا ہوا تھا کہ ایک آدمی ایک بچھڑا لے کر آیا۔ اُسے بتوں کے نام پر قربان کیا تو ایک چیخنے والے نے اس سے چیخ کر کہا۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ بھاری آواز میں نے کسی چیخنے والے کی کبھی نہیں سنی۔ وہ کہہ رہا تھا اے جلیح ایک فیروز مند معاملہ ہے۔ ایک صاف صاف بولنے والا کہہ رہا ہے کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ عمر کہتے ہیں یہ سن کر میں اٹھ کھڑا ہوا پس زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا گیا کہ یہ نبی ہیں۔ یعنی آپ کی نبوت کا چرچا ہو گیا۔

جلیح لغت میں وہ شخص ہے جس کی کنپٹی پر دونوں طرف بال کھلے ہوئے ہوں۔ باب سمع سے آتا ہے **جَلِحَ الرجُل انحسر شعره عن جانبی راسه (المعجم الوسیط)**

امام بخاری نے یہ بکواس یحیٰ بن سلیمان جعفی سے سنی تھی جس کے متعلق نسائی نے کہا ہے "**لیس بثقة**۔ اور عقیلی نے کہا ہے **له احادیثه مناکیر** (تہذیب التہذیب)

میں کہتا ہوں کہ یہ بکواس جو اُس نے امام بخاری کو سنائی تھی اور بخاری نے اسے حدیث...... صحیح حدیث ۔گمان کر کے بیان فرمادی ہے عبداللہ بن وھب کی روایت کی ہوئی نہیں ہے۔ یحیٰ بن سلیمان نے حدثنی ابن وھب کہہ کر غلط بیانی اور ابن وھب پر افترا پردازی کی تھی ۔ یہ تو ابوجعفر باقر اور محمد بن کعب قرظی کی مرسل اور بے سر و پا روایت ہے ۔ دونوں کی روایت میں اُس شخص کا جس نے حضرت عمر کے سامنے اقرار کیا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں وہ اپنی قوم کا کاہن تھا۔ سواد بن قارب سدوسی نام بتایا ہے۔ یحیٰ بن سلیمان جعفی نے باقر اور قرظی کا ذکر کیا ہوا قصہ لے کر اس میں کچھ ذکر و حذف کا تصرف کر کے اس کے لیے یہ اسناد گھڑ دی۔ ابن وھب عن عمر بن محمد عن سالم عن ابن عمر اور اس کذاب کی دیدہ دلیری دیکھیے کہ عن کی بجائے اسناد مذکور میں ہر شخص کے لیے صیغہ تحدیث استعمال کر ڈالا۔ شاید بخاری نے اسی طرز بیان سے دھوکا کھا کر اسے متصل السند اور صحیح گمان کر لیا۔ اس شخص نے ایک تصرف تو یہ کیا کہ جنیہ عورت کے رجز کے تین مصرعے بیان کیے۔

پہلا مصرع الم تر الجن وابلاسها وزن سے بھی ساقط ہے اور اس میں ابلاسها منصوب ہے اور دوسرا مصرع ویأسها من بعد انکاسها۔ تیسرا ولحوقها بالقلاص واحلاسها ہے۔ ان دونوں کا لفظ آخر مجرور ہے۔ اور تیسرا مصرع بھی وزن و بحر سے ساقط ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ یحیٰ بن سلیمان کو نظم و نثر کی تمیز نہ تھی ۔ حالانکہ ابو جعفر باقر اور محمد بن کعب قرظی کی مرسل روایت میں یہ تینوں مصرعے اس طرح ہیں:

عجبت للجن وابلاسها

ویأسها من بعد انکاسها

ورحلها العیس باحلاسها

یہ تینوں مصرعے باوزن اور صحیح القافیہ ہیں۔ دوسرا تصرف اس کذاب نے یہ کیا کہ مرسل روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے سواد بن قارب سے کہا اخبرنی عن بعض مارأیت فقال انی ذأت لیلة بواد اذ سمعت صائحا یقول یا جلیح خبر نجیح رجل فصیح یقول لا اله الا الله۔ یعنی مرسل روایت کے مطابق یا جلیح

الخ سننے والا سواد بن قارب ہے اس نے حضرت عمر کو اپنا یہ قصہ سنایا تھا۔ لیکن یحی بن سلیمان جعفی نے اسے خود حضرت عمر کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ وہ بتخانے میں سوئے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے آ کر ساتھ لایا ہوا بچھڑا ذبح کیا تب یہ آواز آئی اسے عمر نے سنا۔ تیسرا تصرف یہ کہ مرسل روایت میں تو لا الہ الا اللہ ہے اور اس شخص نے لا الہ الا انت کہہ دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ انت ضمیر کا مخاطب کون ہے۔

باقر و قرظی کی مرسل روایت میں ان تین مصرعوں کے بعد یہ اضافہ ہے۔

تهوى الى مكة تبغى الهدى

مامؤمنوها مثل ارجاسها

فاسم الى الصفوة من هاشم

واسم لعينيك الى راسها

اور یہ کہ سواد بن قارب نے تین رات لگاتار کہنے والے جن سے یہ اشعار سنے۔ ان اشعار کے بعد وہ سواد بن قارب سے کہتا تھا۔

قد بعث محمد

فانهض اليه ترشد

سواد کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں کانپنے لگا حتی کہ گر گیا۔ صبح ہوئی تو مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ آپ ہجرت فرما کر یثرب جا چکے ہیں۔ تب وہ مدینہ آیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ شعر پڑھے:

اتانى رئى بعد ليل وهجعة
ولم يك فى ماقد بلوت بكاذب
ثلاث ليال قوله كل ليلة
اتاك نبىٌّ من لؤئى بن غالب
فكن لى شفيعا يوم لاذو شفاعة
سواك بمُغن عن سواد بن قارب

حضرت عمر نے یہ سن کر سواد بن قارب کو چمٹا لیا اور فرمایا کہ میں تمہاری زبانی یہ قصہ تم سے سننا چاہتا تھا...... فی الواقع یہ قصہ واعظین کا گھڑا ہوا ہے۔ سواد بن قارب ایک فرضی شخص ہے جسے ان لوگوں نے صحبت نبوی کا شرف عطا کر دیا ہے۔ یحیٰ بن سلیمان جعفی واقف تھا کہ محدثین مرسل روایت کو ضعیف و غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

اس نے محدثین کو دھوکا دینے کے لیے اس قصہ میں الٹا سیدھا تصرف اور سواد بن قارب کا نام حذف کر کے اپنی دانست میں اس کے لئے قابل قبول سند وضع کر کے بخاری سے بیان کر دی۔ ممکن ہے محمد بن اسماعیل بخاری کے علاوہ دیگر طالبان حدیث سے بھی اس نے اسے بیان کیا ہو لیکن ہمارے علم میں بخاری کے علاوہ اور کسی نے اس کی روایت نہیں کی کاش امام بخاری اسے درج صحیح نہ فرماتے۔

---

(۳۹) ابو طالب سے تخفیفِ عذاب کے متعلق دو متعارض حدیثیں

ایک حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ایک حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے۔

﴿حدیث عباس﴾ عبدالملک بن عُمَیر کا بیان ہے کہ ہم سے عبداللہ بن حارث بَبہ نے بیان کیا کہ ہم سے عباس بن عبدالمطلب نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے کہا **ما اغنیتَ عن عمک فانه کان یحوطک ویغضب لک؟ قال هو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار (صحیح بخاری ص ۵۴۸ کتاب المناقب ص ۹۱۷ کتاب الادب ص ۹۷۲ کتاب الرقاق. اخر باب صفة الجنة والنار. مسند احمد ۱ ص ۲۰۶ و ص ۲۰۶، صحیح مسلم ۱ اواخر کتاب الایمان)**

آپ نے اپنے تایا ابوطالب کو کیا فائدہ پہنچایا وہ دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتا اورآپ کی خاطر غضبناک ہوتا تھا۔فرمایا وہ آتشِ جہنم کے ایک چشمہ میں ہے۔اور میں نہ ہوتا تو وہ آتشِ جہنم کے نچلے طبقے میں ہوتا۔

عبدالملک بن عمیر سے یہ حدیث سفیان ثوری وابوعوانہ وسفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے۔متقارب الفاظ کے ساتھ۔وضاحت کی خاطر ابن عیینہ کی روایت کے الفاظ بھی نقل کیے دیتا ہوں۔

قلت یا رسول الله ان ابا طالب کان یحوطک وینصرک فھل نفعه ذلک؟ قال نعم وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح

(**صحیح مسلم**) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوطالب آپ کی حفاظت اور مدد کرتا تھا تو اس بات نے اسے مرنے کے بعد کوئی فائدہ پہنچایا ہے آپ نے فرمایا میں نے اسے آتشِ جہنم کی سختیوں میں (یا بھنور میں) پایا تو میں اسے ایک چشمہ کی طرف نکال لایا۔مطلب یہ کہ وہ سخت عذاب میں اور سر سے پاؤں تک آگ کی لپیٹ میں تھا میں نے دعائے تخفیف کی تو فرشتوں نے اللہ کے حکم سے آگ کے بھنور سے نکال کر ضحضاح میں رکھ دیا جس کی آگ میں اس کے بس قدم ہی قدم ہیں۔قدم سے اوپر سر تک کا حصہ آگ سے بچا ہوا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عباس کے پوچھنے سے پہلے ہی ابوطالب کے حق میں یہ تخفیف ہو چکی تھی کہ آتشِ جہنم کے گردابوں سے نکال کر اسے آگ کے ایک چشمہ میں رکھ دیا گیا۔یہ تخفیف اُس حمایت کی وجہ سے تھی جو رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کی جہت سے کفار مکہ کے مقابلہ میں نمایاں ہوئی تھی۔یہ حمایت نہ ہوتی تو وہ بدترین عذاب جہنم کا سزاوار تھا اس لئے کہ اس نے ذرا بھی عقل سے کام نہیں لیا اور آخر وقت تک اُس شریف وکریم بھتیجے کی بات مان کر نہ دی جو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ تھا جس نے نوجوانی میں بکریاں چرا چرا کر مُدد کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کی تھی اور جس نے شادی سے قبل دو بار تجارتی سفر کر کے جو نفع عظیم کمایا تھا سب چچا ابوطالب کے حوالہ کر دیا تھا۔جس نے شادی کے بعد اپنی بیوی خدیجہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے شمار دولت ابوطالب اور اس

کے اہل وعیال پر بھی بے دریغ صرف کی تھی یقیناً ان دنیوی احسانات کے مقابلہ میں ابوطالب کی حمایت چنداں وزن دار نہ تھی پھر بھی حق تعالیٰ نے اس حمایت کے طفیل میں اسے جہنم کے درکِ اسفل کے حوالہ نہیں کیا جس کا وہ فی نفسہ مستحق تھا۔

﴿حدیث ابوسعید خدری﴾ ان سے عبداللہ بن خباب نے جو انصار میں سے خاندان بنی نجار کا آزاد کردہ تھا۔ اس سے یزید بن عبداللہ بن الہاد نے روایت کی ہے۔ انه سمع النبی ﷺ وذکر عنده عمه ابو طالب فقال لعله تنفعه شفاعتی یوم القیامة فیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبیه یغلی منه دماغه (صحیح بخاری ص ۵۴۸ کتاب المناقب)

ابوسعید خدری نے نبی ﷺ سے سنا حال یہ تھا کہ آپ کی مجلس میں آپ کے تایا ابوطالب (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد) کا ذکر ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت اسے نفع دے تو آگ کے ایک پایاب چشمے میں کر دیا جائے اس کی آگ ٹخنوں تک پہنچے گی اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھولے گا۔

کتاب الرقاق میں بخاری نے اس حدیث کی ابراہیم بن حمزہ سے روایت کی ہے۔ اس میں ہے یغلی منه ام دماغه۔ (صحیح بخاری ص ۹۷۱ باب صفۃ الجنۃ والنار حدیث ۱۵)

اس میں ابراہیم بن حمزہ بخاری کے استاد نے ام دماغه غلط کہہ دیا ہے ام الدماغ کوئی چیز نہیں ہے۔ ام راسہ کہتا تو ٹھیک تھا ام الراس دماغ کو ہی کہتے ہیں صحیح مسلم اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس حدیث کی جملہ روایات میں یغلی منه دماغه ہے۔ (مسند احمد ۳ ص ۵۰ و ص ۵۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابوطالب کے حق میں نبی کریم ﷺ کی یہ شفاعت قیامت کے دن ہوگی تب ہی وہ ضحضاح من النار میں رکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ابوسعید خدری کی یہ حدیث حدیث عباس سے کھلا ہوا تعارض رکھتی ہے۔ نہ ترجیح کی کوئی صورت ہے نہ تطبیق کی لہذا بقاعدہ اذا تعارضا تساقطا ماننا پڑے گا کہ نہ وہ حدیث صحیح ہے نہ یہ۔

درایت کا فیصلہ یہ ہے کہ جب حضور اکرمؐ جانتے تھے کہ ابو طالب کا انتقال کافر ہونے کی حالت میں ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم. تو ممکن نہ تھا کہ آپ ابو طالب کے حق میں کلی یا جزوی دعائے مغفرت فرمائیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے کسی بھی مشرک رشتہ دار کے حق میں دعائے مغفرت نہیں فرمائی نہ آخرت میں فرمائیں گے۔

---

(۴۰) وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس کی تفسیر جو عکرمہ نے ابن عباس کی طرف منسوب کی ہے

قال ھی رؤیا عین اُریھا رسول اللہ ﷺ لیلة اُسری به الی بیت المقدس (صحیح بخاری ص ۵۵۰ کتاب المناقب باب المعراج و ص ٦٨٦ کتاب التفسیر و ص ۹٧٨ کتاب القدر)

امام بخاری نے ۳ جگہ اسے نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد ہے وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس (اور اے نبی ہم نے تجھے جو خواب دکھایا ہے اسے ہم نے لوگوں کے لیے ایک آزمائش کی چیز بنا دیا ہے) تو عکرمہ کا بیان ہے کہ ابن عباس نے کہا ہے کہ اس آیت میں الرؤیا سے مراد آنکھ کی رؤیا ہے جو رسول اللہ کو اس رات دکھائی گئی تھی جس رات کہ آپ کو مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا تھا رُویا عربی زبان میں خواب کو کہتے ہیں یعنی سونے کی حالت میں انسان کو جو نظر آتا ہے۔ اور دنیا میں ہر مرد اور ہر عورت کا خواب رؤیا عین ہی ہوتا ہے یعنی وہ جو کچھ دیکھتا ہے اپنی آنکھوں سے ہی دیکھتا ہے گردن یا گھٹنے یا کہنی وغیرہ سے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تو کیا آپ وہاں جا کر سو گئے تھے اور سونے کی حالت میں وہاں آپ نے کوئی خواب دیکھا تھا؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں

ہے۔ پھر عبداللہ بن عباس یہ فضول و بے معنی بات کیسے کہہ سکتے تھے جو عکرمہ نے ان کی طرف منسوب کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت وما جعلنا الرؤیا التی ارینٰک سورۃ بنی اسرائیل کے چھٹے رکوع میں ہے۔ اور نہ اس سے پہلی آیات میں اسراء یا معراج کا کوئی ذکر ہے نہ بعد کی آیات میں ہے ختم سورت تک۔ صرف اس سورت کی پہلی آیت میں ہے سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا۔ الآیہ تو اس آیت میں الرؤیا کو واقعہ اسراء و معراج سے متعلق کرنے کی کوئی تک نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ابن عباس نے یہ فضول و بے معنی بات نہ کہی ہوگی۔ خود عکرمہ کی کہی ہوئی بات ہے۔ ابن عباس کا نام اسے رائج کرنے اور لوگوں میں پھیلانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں الرؤیا خواب ہی کے معنی میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں وہ سرزمین دکھائی تھی جہاں آپ کو اور مؤمنین کو مکہ سے ہجرت کر کے جانا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا اریت دار ھجرتکم بین لابتین ارضا ذات نخل وزروع۔ او کما قال۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (کتاب المناقب باب ھجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے اس خواب کا ذکر فرمایا۔ اسے سن کر اُن کی ڈھارس بندھی کہ عنقریب ہمیں مکہ کے ظالموں سے نجات مل جائے گی۔ کفار کو اس کا علم ہوا تو انہیں دل لگی کا نیا شگوفہ مل گیا کہ دیکھو محمد نے کیا بے پر کی اڑائی ہے۔ کس طرح اپنے اصحاب کو اُلو بنا رہے ہیں۔ جزیرۂ عرب میں کون قبیلہ اور کونسی بستی ہے جو ان بیوقوفوں کو پناہ دیکر ہم سے دشمنی مول لینے کی جرأت کر سکے۔

(۴۱) الذین جعلوا القرآن عِضِیْن کی تفسیر بروایت سعید بن جبیر

سعید بن جبیر سے مروی ہے عن ابن عباس قال هم اهل الکتاب جزء وه اجزاء فاٰمنوا ببعضه و کفروا ببعضه (صحیح بخاری ص ۵۶۲، کتاب المناقب باب اتیان الیهود النبی ﷺ حین قدم المدینة (حدیث ۵)

سعید بن جبیر نے کہا کہ عبداللہ بن عباس نے کہا کہ الذین جعلوا القرآن عضین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ انہوں نے قرآن کے حصے کر دیے بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کو ماننے سے انکار کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت سورۃ الحجر کے چھٹے رکوع میں ہے اور اس سے پہلی اور بعد کی آیات میں اہل کتاب کا کوئی ذکر نہیں سورۃ الحجر مکیہ ہے۔ ہجرت حبشہ سے بھی بہت پہلے نازل ہوئی تھی۔

پوری آیت یہ ہے کَمَا اَنْزَلْنا علی المُقْتسِمِیْنَ الَّذِیْنَ جَعَلُوا القُرْاٰن عِضِیْنَ۔ مقتسمین کے معنی ہیں اپنا اپنا حصہ پانے والے۔ اور القرآن اس میں علمی معنی میں نہیں ہے یعنی اس سے مراد قرآن مجید نہیں ہے بلکہ لغوی معنی میں ہے۔ یعنی وہ کتاب جو پڑھنے اور سیکھنے کے لائق ہو۔ اور عضین عضة کی جمع ہے بمعنی کذب و باطل عضین نصبی حالت میں جمع سالم ہے۔ رفعی حالت میں عضون ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لا رہے تھے اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن کو جھوٹ اور باطل قرار دے رہے تھے اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس لائق ہیں کہ ہم ان پر عذاب بھیجیں جیسا کہ ہم پچھلی امتوں پر عذاب نازل کر چکے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا اور پڑھنے کے لائق چیز کو جس پر نبیٔ وقت نے کار بند ہونے اور جسے پڑھنے اور یاد کرنے کی نصیحت کی تھی جھوٹی اور غلط باتوں کا مجموعہ قرار دیا تھا۔

(۴۲)لایستوی القاعدون من المؤمنین

غیرُ اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم کی تفسیر میں مقسم مولائے عبداللہ بن حارث کی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت

ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھے عبدالکریم جزری نے خبر دی کہ عبداللہ بن حارث کے آزاد کردہ غلام مقسم نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس نے اس آیت کے متعلق کہا لایستوی القاعدون من المؤمنین عن بدر والخارجون الی بدر (صحیح بخاری ص ۵۶۴ کتاب المغازی غزوۂ بدر و ص ۶۶۱ کتاب التفسیر سورۃ النساء)

یعنی ابن عباس نے بتایا کہ یہ آیت غزوۂ بدر میں شریک ہونے اور شریک نہ ہونے والے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس نے بتایا کہ شریک ہونے والے نہ شریک ہونے والوں سے بدرجہا فائق و برتر ہیں۔ بخاری نے اس حدیث پر اعتماد کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور دو جگہ اسے ثبت کیا ہے۔ حالانکہ اس کا راوی مقسم ضعیف ہے۔ اہل علم نے اس کے متعلق کہا ہے روی عن ابن عباس مالا یُتابع علیہ۔ اُس کی یہ روایت اس کے ضعیف اور کم عقل و کم فہم ہونے کی واضح دلیل ہے اس لیے کہ اس آیت میں نہ کوئی اجمال ہے نہ کچھ ابہام۔ اس کا معنی و مطلب بالکل واضح ہے۔ مقصود اس سے اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دینا ہے۔ یہ آیت اطلاق کے ساتھ بتاتی ہے کہ وہ مؤمن جو جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرے اُس مؤمن سے بدرجہا افضل ہے جو معذور نہ ہونے کے باوجود جہاد نہ کرے۔ پس جو بات اللہ تعالیٰ نے اطلاق کے ساتھ ذکر فرمائی ہے ابن عباس ایسے کم فہم یا کج فہم نہ تھے کہ خواہ مخواہ اور بلا وجہ اس کی تخصیص و تقیید کر دیتے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ابن عباس نے غزوۂ بدر کا بطور مثال ذکر کیا ہو جیسے ہم قاعدہ کلیہ الفاعل مرفوع کی مثال میں کہہ دیں کہ جاء زید میں زید فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ابن عباس نے یہ کہا ہو کہ بحکم لایستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی

الضرر والمجاهدون الخ. مؤمن مجاہد اس مؤمن سے بدرجہا افضل ہے جو غیر معذور ہونے کے باوجود جہاد نہ کرے۔ چنانچہ جو تقریبا ۳۱۳ مؤمنین غزوۂ بدر میں شریک ہوئے وہ ان مؤمنین سے بدرجہا افضل ہیں جو اس وقت مدینہ میں ہی تھے اور غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوئے۔ مِقسم نے کم عقلی کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ ابن عباس اس آیت کو غزوۂ بدر سے متعلق نازل شدہ بتا رہے ہیں کہ اس میں القاعدون سے مراد وہ مؤمنین ہیں جنہوں نے بدر کے معرکہ میں حصہ نہیں لیا۔ اور المجاہدون سے مراد غازیان بدر ہیں۔ پس مقسم کی یہ روایت اس کی غلط فہمی کا نتیجہ تھی اور صحیح بخاری میں جگہ پانے کے لائق نہ تھی۔

---

(۴۳) ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ کے بدری صحابی ہونے کی دلیل میں بخاری کی ذکر کی ہوئی ایک روایت جو حل نہ ہونے والی چیستاں ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

وقال الليث حدثني يونس عن ابن شهاب وسألناه فقال اخبرني محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان مولى بني عامر بن لؤي ان محمد بن اياس بن البكير وكان ابوه قد شهد بدرا اخبره (ص ۵۶۹ غزوه بدر)

لیث نے کہا کہ مجھ سے یونس بن یزید ایلی نے بیان کیا ابن شہاب زہری سے روایت کر کے۔ یونس کہتے ہیں حال یہ تھا کہ ہم نے زہری سے پوچھا تھا تو زہری نے کہا مجھے محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان نے خبر دی جو خاندان بنی عامر بن لوئی کا آزاد کردہ تھا کہ ایاس بن بکیر کے فرزند نے اسے خبر دی۔ اور یہ ایاس بکیر بدر میں شریک ہوئے تھے۔

اس کے بعد بخاری نے کچھ ذکر نہیں کیا۔ نہ یہاں نہ کسی دوسری جگہ۔ بخاری کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی میرے علم میں اس اسناد کے ساتھ کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ اس

سے اتنا تو معلوم ہوا کہ ایاس بن بکیر بدری صحابی تھے۔ یونس نے زہری کیا پوچھا تھا اور محمد بن ایاس بن بکیر نے محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان کو کیا بتایا تھا؟ یہ سب پردۂ خفا میں ہے۔ اللہ ہی جانے کہ بخاری نے اسنادِ مذکور کا متن کیوں بیان نہیں کیا۔ اسی لیے میں نے اسے حل نہ ہونے والی چیستاں کہا ہے۔

(۴۴) حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق عکرمہ کی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت

بخاری نے کہا ہے:

حدثنی ابراھیم بن موسی قال اخبرنا عبدالوھاب ثنا خالد عن عکرمة عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال یوم بدر ھذا جبریل اخذ براس فرسه علیه اداة الحرب (صحیح بخاری ص ۵۷۰ غزوۃ بدر باب شھود الملائکة بدرا)

عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے مسلمانوں سے بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل ہیں اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے ان کے جسم پر جنگ کا سامان ہے یعنی زرہ بکتر اور ہتھیار۔ مگر غضب یہ ہے کہ بعینہٖ اسی اسناد و متن کے ساتھ بخاری نے غزوۂ احد میں بھی یہ حدیث ذکر کی ہے وہاں یوم بدر کی جگہ اس حدیث میں یوم اُحد کہا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۷۸)

یہ حدیث بخاری کے اَفراد میں سے ہے یعنی بخاری کے علاوہ اور کسی محدث نے اس کی تخریج نہیں کی اور ابراہیم بن موسیٰ سے صرف بخاری نے ہی اس کی روایت کی ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنے کی کوئی صورت نہیں کہ اس حدیث میں یوم بدر صحیح ہے یا یوم احد۔

تعجب ہے کہ بخاری کو عمر بھر اس غلطی کا احساس نہیں ہوا نہ ان کے تلامذہ میں سے کسی تلمیذ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا۔ کیونکہ محدثین عموماً گونگے بہرے ہوتے تھے۔ الٰا

سیدھا جو شیخ نے بیان کیا تلامذہ نے یاد کرلیا اور لکھ لیا اور اس کی روایت کر ڈالی۔ الغرض اس ناقابل حل اضطراب واختلاف کی وجہ سے یہ حدیث صحت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ یہ اختلاف نہ ہوتا تب بھی یہ ابن عباس کی مرسل روایت ہی تھی کیونکہ وہ نہ غزوۂ احد میں موجود تھے نہ غزوۂ بدر میں۔ مکہ میں والدین کے پاس کم سن بچہ تھے۔

---

(۴۵) سورۃ الفتح کی ابتدائی آیتوں کے متعلق عکرمہ کی روایت جو قتادہ کی غلطی کے باعث حضرت انس کی طرف منسوب ہوگئی ہے

ترمذی نے معمر بن راشد کے طریق سے روایت کی ہے:

عن قتادة عن انس قال انزلت على النبی ﷺ لیغفرلک الله ما تقدم من ذنبک وماتاخر مرجعه من الحدیبیة فقال النبی ﷺ لقد انزلت علی اٰیة هی احبّ الیَّ مما علی الارض ثم قَرأها النبی ﷺ فقالوا هنیئا مریئا یارسول الله لقد بین الله لک ما یفعل بک فماذا یُفعل بنا؟ فنزلت علیه لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنت تجری من تحتها الانهار. حتی بلغ فوزاً عظیما. (سنن الترمذی. ابواب التفسیر سورة الفتح)

ترمذی نے اسے حسن صحیح بتایا ہے۔

یعنی قتادہ نے حضرت انس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ سے واپس ہو رہے تھے تو آپ پر یہ آیت اتری۔ انا فتحنالک فتحاً مبینا (بے شک اے نبی ہم نے تیرے لئے کھلی ہوئی فتح نمودار کردی ہے۔ فتح کے معنی میں کھولنا۔ جیت اور موافق فیصلہ کو بھی فتح کہا جاتا ہے۔ حدیبیہ میں مکہ کے مشرکین کی پیش کی ہوئی شرطوں کو قبول فرما کر بحکم حق رسول اللہ ﷺ نے ان سے مصالحت فرمائی اور دس سال تک کے لیے

ناجنگی کا معاہدہ کیا یہ صلح حدیبیہ بڑی مبارک اور آیندہ حاصل ہونے والی عظیم الشان فتوحات کا دیباچہ تھی۔اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کہا ہے۔ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر تا کہ اللہ تیری خاطر معاف کردے اُس کو جو وقت سے پہلے ہوا اور اس کو جو وقت سے پیچھے ہوا تیری غلطی کی وجہ سے......

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جنگ بدر میں اللہ کی نصرت نے کفار کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا تھا۔مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ ان کی اچھی طرح خوں ریزی کر کے بقیۃ السیف کو گرفتار کر کے پیشقدمی کر کے مکہ فتح کر لیتے مگر مسلمانوں نے صرف ستر کافروں کو قتل کیا باقی لوگ شکست کھا کر بھاگے تو ان کا تعاقب نہ کیا بس ستر اشخاص کو پکڑ لینے پر قناعت کی مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے۔جو کام بعد میں ہونا چاہیئے تھا یعنی مالِ غنیمت سمیٹنا اور گرفتار کرنا اسے مسلمانوں نے اولیت دیدی۔ ماتقدم سے مراد یہ ہی ہے اور جو کام پہلے ہونا چاہیئے یعنی دشمنوں کی اچھی طرح خوں ریزی کر کے ان کی قوت کچل دینا اسے پیچھے ڈال دیا آیندہ کے لیے اٹھا چھوڑا۔ ماتأخر سے مراد یہ ہی ہے۔غزوۂ بدر میں یہ غلطی نہ ہوئی ہوتی تو نہ جنگ احد پیش آتی نہ جنگ احزاب اور فتح مکہ میں چھ سال کی تاخیر نہ ہوتی۔ یہ تقدیم و تاخیر کی غلطی مجاہدین سے ہوئی تھی لیکن بحیثیت قائد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اسے آپ کی غلطی بتایا ہے۔اور اس کی حکمت کو منظور ہوا کہ صلح حدیبیہ کے ذریعہ اس غلطی کی تلافی ہو جائے۔ پس اس ارشاد میں ذنب سیاق غلطی کے معنی میں ہے۔اس سے مراد گناہ یعنی ارتکاب معصیت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول پاک ﷺ نے عمر بھر کبھی کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہی نہیں نہ ظہور نبوت سے پہلے نہ ظہور نبوت کے بعد۔ جن لوگوں نے اس ارشاد میں ذنب کو بمعنی معصیت لیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے کیونکہ اس میں ذنب بمعنی معصیت ہوتا تو ما یتأخر فرمایا جاتا حالانکہ اللہ کے اس قول میں وما تأخر بصیغۂ ماضی ہے۔ویتم نعمته علیک اور تا کہ پورا فرمائے اپنی نعمت کو جو تجھ پر مبذول ہو رہی ہے ویھدیک صراطاً مستقیما اور تجھے سیدھی راہ چلائے ۔وینصرک اللہ نصراً عزیزا۔ اور مدد فرمائے تیری باعزت بے مثال مدد۔

قتادہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نزول پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ باور کرو مجھ پر ایسی آیت اتری ہے جو زمین پر موجود تمام کائنات سے بڑھ کر مجھے پسند ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ وہ بولے یا رسول اللہ مبارک ہو۔ اللہ نے واضح فرمادیا ہے جو آپ کے ساتھ کیا جائے گا۔ تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اس پر یہ ارشاد نازل ہوا۔

لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنت تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ویکفر عنهم سیاتهم وکان ذلک عند الله فوزا عظیما. اس ارشاد میں حق تعالٰی نے اہل ایمان مرد و زن کو ہمیشہ جنت میں رہنے اور ان کی برائیوں کو ان سے زائل کر دینے کی بشارت دی ہے۔

ترمذی نے اسے غلطی سے حسن صحیح بتا دیا ہے۔ اس میں اتنی بات تو صحیح ہے کہ حدیبیہ سے واپسی میں سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ لیکن آگے جو کچھ ہے یعنی صحابہ کرام کا اس آیت کو سن کر ھینا مریٔا یا رسول الله لقد بین الله ما یُفعل بک فماذا یُفعل بنا کہنا۔ ان کے کہنے پر لیدخل المؤمنین الآیة اترنا۔ سب غلط اور بے سروپا ہے۔ کیونکہ اس سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اولاً اس سورۃ کی پہلی آیت وینصرک الله نصرا عزیزا نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے خوش خوش وہ صحابہ کو سنائی۔ ان کے کہنے پر لیدخل المؤمنین کا نزول ہوا۔ حالانکہ لیدخل المؤمنین مستقل آیت نہیں بلکہ آیت کا ٹکڑا ہے۔ جو چاہے مصحف شریف میں دیکھ لے کہ وینصرک الله نصرا عزیزا کے بعد هو الذی انزل السکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایماناً مع ایمانهم • ولله جنود السمٰوٰت والارض وکان الله علیما حکیما ہے۔ اس کے بعد لیدخل المؤمنین الآیة ہے اور حقیقت یہ ہے اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ پوری سورۃ الفتح جو چار رکوعات پر مشتمل ہے حدیبیہ سے واپسی کے دوران میں یکبارگی نازل ہوئی ہے (صحیح بخاری ص ۶۰۰)

اور ترمذی نے حدیث انس کے طور پر جو روایت نقل کی ہے اور اسے حسن صحیح بتا دیا

ہے وہ حضرت انس کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔اس کا قائل تو عکرمہ ہے چنانچہ امام بخاری نے شعبہ کے طریق سے روایت کی ہے:

عن قتادة عن انس بن مالک انا فتحنالک فتحا مبینا قال الحدیبیة. قال اصحابه هنیئا مریئا فما لنا فانزل الله لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات الخ قال شعبة فقدمت الکوفة فحدثت بهذا کله عن قتادة (عن انس) ثم رجعتُ فذکرتُ له فقال اما انا فتحنا فعن انس واَمّا هنیئا مریئا فعن عکرمة.
(صحیح بخاری ۲۰۰ کتاب المغازی، غزوة الحدیبیة حدیث ۴۳)

مطلب یہ ہے کہ قتادہ نے معمر و شعبہ دونوں سے یہ حدیث بیان کی تھی اور اسناد میں عن انس کہا تھا۔دونوں نے یہی سمجھا کہ پوری حدیث حضرت انس کی بیان کی ہوئی ہے۔معمر نے بھی اس کی روایت حدیث انس کے طور پر کردی جس کی تخریج ترمذی نے کی ہے اور شعبہ نے بھی کوفہ پہنچ کر حدیث انس کے طور پر اس کی روایت کردی پھر جب شعبہ بصرہ واپس پہنچے تو قتادہ سے ذکر کیا کہ آپ سے سنی ہوئی یہ حدیث میں نے کوفہ میں حدیث انس کے طور پر روایت کی ہے تب قتادہ نے بتایا کہ انس سے تو میں نے بس یہ سنا تھا کہ انا فتحنالک فتحا مبینا میں فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔

رہی یہ بات کہ صحابہ نے آپ سے هنیئا مریئا لک یا رسول الله. هذا لک فمالنا۔اس پر لیدخل المؤمنین کا نزول ہوا تو یہ مجھے انس سے نہیں بلکہ عکرمہ سے معلوم ہوا تھا۔یہ ہے صحیح بخاری کی روایت کا مطلب۔اس سے ثابت ہوا کہ قتادہ نے جب معمر و شعبہ سے شروع میں یہ حدیث بیان کی تھی تو غلطی سے اسناد میں عکرمہ کا ذکر کرنا بھول گئے۔عن انس کہہ کر اسے بیان کردیا۔شعبہ کی اس وضاحت سے ثابت ہوگیا کہ یہ عکرمہ کی اڑائی ہوئی بے پر کی بات ہے۔حضرت انس کی بیان کی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر قتادہ کی عقل کو کیا ہوگیا تھا۔اسے عکرمہ کی کہی ہوئی یہ بات روایت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔سچ ہے:

یہ امت روایات میں کھوگئی — حقیقت خرافات میں کھوگئی

---

(۴۶) عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعَیر کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی حدیث

بخاری نے لیث بن سعد کا قول نقل کیا ہے۔ حدثنی یونس عن ابن شہاب قال اخبرنی عبداللہ بن ثعلبة بن صُعَیر و کان النبی ﷺ قد مسح وجهه عام الفتح (ص ۶۱۵)

لیث نے کہا مجھ سے یونس نے بیان کیا ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہوئے کہ زہری نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعَیر نے خبر دی اور رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ بخاری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ عبداللہ بن ثعلبہ نے زہری کو کیا بتایا تھا۔ کس چیز کی خبر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس طرح یہ روایت معما یا چیستاں بن گئی ہے۔

کوئی بخاری سے پوچھتا کہ اس مہمل روایت کو ذکر کرنے سے فائدہ کیا ہوا؟ کیا یہ کہ عبداللہ بن ثعلبہ غزوۂ فتح میں شریک تھا؟ نہیں۔ کیونکہ روایت میں یوم الفتح نہیں ہے۔ عام الفتح ہے۔ اور امام احمد و حمیدی نے یونس کے طریق سے تام و بامعنی حدیث نقل کی ہے اس میں عام الفتح نہیں ہے۔

احمد و حمیدی دونوں نے عبداللہ بن الحارث سے روایت کی ہے عن یونس عن ابن شہاب قال اخبرنی عبداللہ بن ثعلبة و کان رسول اللہ ﷺ مسح وجهه انه رأی سعد بن ابی وقاص یوتر بر کعة واحدة لایزید علیها حتی یقوم من جوف اللیل (مسند ۵ ص ۴۳۲) حمیدی کی روایت میں ہے رأیت سعد بن ابی وقاص اذا صلی العشاء اوتر بر کعة (سنن البیهقی ۳ ص ۲۵)

زہری نے کہا مجھے عبداللہ بن ثعلبہ نے اور اس کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیرا تھا۔ بتایا کہ اس نے حضرت سعد کو دیکھا ہے کہ نمازِ عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ اس سے زاید نہیں۔ یہاں تک کہ اندرونِ شب یعنی آدھی رات کے بعد نمازِ تہجد کے لئے اٹھتے پس بخاری نے جو یونس کی روایت کی ہے وہ قاصر و بے معنی ہے۔

پھر کتاب الدعوات میں بھی بخاری نے زھری کی بیان کی ہوئی یہ حدیث ذکر کی ہے اُس میں یہ قصور تو نہیں ہے لیکن بخاری سے دوسری فاش غلطی ہوگئی ہے۔ لکھا ہے حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی عبدالله بن ثعلبة وكان رسول الله ﷺ قد مسح عنه انه رأى سعد بن ابى وقاص يوتر بركعة (صحيح البخارى ص ٩٤٠ كتاب الدعوات باب الدعاء للصبيان بالبركة ومسح رؤسهم)

اس میں بخاری نے مَسَحَ عَنهُ ذکر کیا ہے اس کے معنی ہیں ''اس کے چہرہ سے گرد وغیرہ صاف کی'' حالانکہ ابوالیمان بخاری کے شیخ نے مَسَحَ عنه نہیں بلکہ مَسَحَ وَجْهَه کہا تھا۔ اس لئے کہ امام بخاری کے علاوہ احمد بن حنبل محمد بن یحییٰ ذہلی اور ابوزرعہ نے بھی ابوالیمان سے اس کی روایت کی ہے۔

احمد کی روایت میں ہے کہ زہری نے کہا:

> حدثنى عبدالله بن ثعلبة بن صعير العذرى. قال (الزهرى) وكان رسول الله ﷺ قد مسح وجهه زمن الفتح انه رأى سعد بن ابى وقاص وكان سعد قد شهد بدرا مع رسول الله ﷺ. يوتر بركعة واحدة بعد صلاة العشاء لايزيد عليها حتى يقوم من جوف الليل (مسند ٥ ص ٣٢) ذہلی اور ابوزرعہ کی روایت بھی یہی ہے (فتح البارى ١١ ص ١٣٧) ثابت ہوا کہ بخاری نے "مَسَحَ عن وجهه" غلط کہہ دیا ہے۔

اب یہ سمجھئے کہ زہری نے عبداللہ بن ثعلبہ کے متعلق یہ جو کہا ہے کہ رسول اللہ نے فتح کے سال یا فتح کے زمانہ میں اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا تو یہ زہری کا بے دلیل دعویٰ ہے اس کا مطلب ہے کہ بقول زہری عبداللہ بن ثعلبہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے باپ ثعلبہ بن صُعیر انصاری کے ساتھ تھا کیونکہ کسی مجاہد کو اپنے ساتھ اپنا بچہ لے جانے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اگر یہ ہوا ہے تو ایسے ہوا ہوگا کہ نبی کریمؐ جب فتح مکہ وغزوۂ حنین وغزوۂ طائف سے فارغ

ہوکر مدینہ واپس آئے تو آپ نے مدینہ میں ثعلبہ کے اس بیٹے کو جس کا نام عبداللہ تھا اور چھوٹا سا بچہ تھا دیکھا تو از روئے شفقت اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

(۴۷) سنین ابو جملہ کے متعلق زہری کی غلط روایت جس کی بخاری نے تخریج کی ہے

کہا ہے: حدثنی ابراهیم بن موسی ثنا هشام (هو ابن یوسف) عن معمر عن الزهری عن سُنین ابی جمیلة قال (الزهری) اخبرنا ونحن مع ابن المسیب۔ قال وزعم ابوجمیلة انه ادرک النبی ﷺ وخرج معه عام الفتح (ص ۶۱۵ غزوة الفتح)

زہری نے سُنین ابو جمیلہ سے روایت کی ہے۔ کہا زہری نے اس وقت ہم سعید بن میتب کے ساتھ تھے جب ابو جمیلہ نے ہمیں خبر دی...... بقول زہری ابو جمیلہ کا دعوی تھا کہ اس نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے اور وہ آپ کے ساتھ فتح مکہ کے سال نکلا تھا۔ یعنی غزوۂ فتح میں شریک تھا......

یہ حدیث بھی نا قابل حل معما ہے اس میں یہ مذکور نہیں کہ سُنین نامی شخص نے جس کی کنیت ابو جمیلہ تھی سعید بن میتب کی موجودگی میں زہری کو کیا بتایا تھا۔ کس چیز کی خبر دی تھی۔ بخاری نے اسے بس یہ ثابت کرنے کے لئے درج صحیح فرمادیا تھا کہ ابو جمیلہ سنین اُن صحابہ میں سے ہے جو غزوۂ فتح میں شریک تھے جیسا کہ زہری نے ابو جمیلہ کا دعوی نقل کیا ہے۔ تعجب ہے کہ بخاری نے یہ نہ سوچا کہ اگر ابو جمیلہ غزوۂ فتح میں شریک تھا تو یقیناً کم از کم پندرہ سال کا جوان ہوگا۔ پھر زہری کی اس سے ملاقات کب اور کیسے ہوگئی۔ بیداری میں تو ہوئی نہیں۔ زہری نے اسے خواب میں دیکھا ہوگا۔ حالانکہ تمام اہل علم اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ حضرت انس کے علاوہ زہری نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا نیز سب نے سُنین ابو جمیلہ کو تابعی بتایا ہے الغرض یہ روایت بالکل غلط ہے اور سخت حیرت ہے کہ بخاری نے کیسے اس بے معنی اور غلط روایت کو درج صحیح کر دیا۔

(۴۸) عبداللہ بن عباس سے مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول علیؑ اقضانا و اُبی اقرأنا

سفیان ثوری سے مروی ہے:

عن حبیب بن ابی ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال عمر علی اقضانا و ابی اقرأنا و انا لندع من لحن اُبی. و اُبی یقول اخذته من فی رسول اللہ ﷺ فلا اترکہ لشئی. قال اللہ تعالیٰ ماننسخ من اٰیة اوننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا (ص ۷۴۸ کتاب فضائل القرآن باب القراء من اصحاب رسول اللہ ﷺ)

حبیب نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عباس نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا۔ علی ہم اصحابِ رسولؐ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (یعنی کسی پیچیدہ امر میں جس میں حقیقت کا سراغ لگنا مشکل ہو علی بن ابی طالب کا فیصلہ بڑا وقیع ہوتا ہے) اور قرآن کریم ہم میں سب سے بہتر پڑھنے والے ابی بن کعب ہیں۔ اور ہم یقیناً ابی بن کعب کی کچھ قراءت چھوڑتے ہیں۔ (یعنی اسے قبول نہیں کرتے۔ اُبی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر اسے یاد کیا ہے تو میں کسی وجہ سے بھی اسے نہیں چھوڑوں گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے "ماننسخ من اٰیة" حضرت عمر کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کی کچھ آیتیں منسوخ ہوگئی ہیں۔ اللہ نے انہیں منسوخ کر کے دیگر آیات ان کی جگہ نازل فرمادی تھیں۔ پس ان منسوخ آیات کو اب بھی تلاوت کیے جانا درست نہیں ہے۔ لیکن ابی بن کعب کو ان کی قراءت وتلاوت پر اصرار ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو بات اس روایت میں مذکور ہے اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو اُن آیات کے منسوخ ہونے کا علم یقیناً رسول اللہ ﷺ سے ہی ہوا ہوگا۔ تو آپ نے ابی بن کعب کو کیوں نہیں بتادیا تھا کہ فلاں فلاں آیت منسوخ ہوگئی ہے۔ اس کی قراءت وتلاوت موقوف کردو۔ اگر آپ ابی بن کعب کو یہ بتادیتے تو ابی بن کعب ان منسوخ آیات کی قراءۃ وتلاوت پر اصرار کیوں کرتے۔ اور

اگر یہ مان لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر وغیرہ کو جب اُن آیات کے منسوخ ہوجانے کی خبر دی تھی تو اس مجلس میں ابی بن کعب حاضر نہ تھے اس لئے وہ اس سے بے خبر رہ گئے۔ تو آپ کے بعد جب حضرت عمر نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے بتایا ہوگا کہ جناب قاری صاحب آپ فلاں فلاں آیت جو پڑھتے ہیں وہ منسوخ ہیں۔ انہیں پڑھنا چھوڑ دیجئے تو ابی بن کعب کو عمر کی بات یقین نہ ہوا۔ یقین ہوتا تو ان آیات کی قراءۃ سے باز آجاتے۔ تو کیا ابی بن کعب جیسے ذی علم وجلیل القدر صحابی کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ عمر بن خطاب جیسے بزرگ مرتبہ راوی کی بات کو قبول نہ کریں۔ اس عظیم اشکال کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔

اس کا راوی حبیب بن ابی ثابت مدلّس شخص تھا جیسا کہ تہذیب التہذیب اور دیگر کتب رجال میں صراحۃً مذکور ہے۔ اس نے عن سعید بن جبیر کہا ہے۔ حدثنی یا اخبرنی سعید یا سمعت سعید ا نہیں کہا۔ کسی یا وہ گو شخص نے سعید بن جبیر کی طرف منسوب کرکے حبیب کو یہ بات بتائی ہوگی۔ حبیب نے اس کا نام حذف کرکے عن سعید کہہ دیا۔

اور اگر فی الواقع یہ سعید کی بیان کی ہوئی بات ہے تو اس نے بھی حدثنی یا اخبرنی ابن عباس یا سمعت ابن عباس نہیں کہا عن ابن عباس کہا ہے۔ اگر سعید نے اسے بیان کیا ہے تو یقیناً براہ راست حضرت ابن عباس سے نہیں سنا۔ نہ حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس کو یہ اَن ہوئی بات بتائی تھی نہ عبداللہ بن عباس نے سعید یا کسی اور کو...... متعدد روایات ہیں جو سعید بن جبیر نے حضرت عبداللہ بن عباس سے نہیں سنی تھیں کسی شخص نے ابن عباس کے حوالہ سے سعید کو سنادیں۔ سعید نے اس شخص کا نام لیئے بغیر عن ابن عباس کہہ کر ان کی روایت کردی۔

روایت پیشہ تابعین واتباع تابعین نے اسناد میں لفظ عن لاکر بے ہودہ اور غلط روایات کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے بڑی کثرت سے استعمال کیا ہے۔

اس روایت کے غلط ہونے کی نہایت واضح دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد میں پورا قرآن کریم تمام صحابہ کرام کے اجماع واتفاق سے ایک مصحف میں لکھا گیا پس اگر

ابی بن کعب کے علم میں کچھ ایسی آیات بھی ہوتیں جو ان کے علم میں محکم تھیں منسوخ التلاوۃ نہ تھیں تو وہ ابوبکر وعمر وغیرھما کو ان سے ضرور آگاہ کرتے اور انہیں ثبت مصحف کراتے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ آیت "ماننسخ من ایة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها" یہود کے اس زعم کی تردید میں نازل ہوئی ہے کہ تورات اور موسوی شریعت غیر منسوخ ہیں اور ہم اسی پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ مسلمانوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مجید نے پچھلی کتابوں کو اور شریعت محمدیہ نے پچھلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس آیت کا خود قرآن کریم میں نسخ کے اثبات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس آیت کی مفصل تفسیر کے لئے تفسیر مفتاح القرآن کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

(۴۹) عدتِ وفات کے متعلق عبداللہ بن ابی ملیکہ کی غلط بیانی جو بخاری نے صحیح قرار دیکر درج صحیح کر دی ہے

امام بخاری نے اپنی اسناد کے ساتھ حبیب بن شہید سے روایت کی ہے:

عن ابن ابی ملیکة قال ابن الزبیر قلت لعثمان بن عفان "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجهم متاعا الی الحول غیر اخراج قد نسختها الأیة الاخری فلم تکتبها اوتدعها. قال یا ابن اخی لاغیر شیئا منه من مکانه (صحیح بخاری ص ٦٥٠)

اور دوسری روایت میں ہے:

عن ابن ابی ملیکة قال قال ابن الزبیر قلت لعثمان هذه الأیة التی فی سورة البقرة والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجهم قد نسختها الاخری فلم تکتبها؟ قال ندعها یا ابن اخی (کما هی فی المصحف) لاغیر شیئا منه من مکانه (ص ٦٥١) (کتاب التفسیر سورة البقرة)

ابن ابی ملیکہ نے عبداللہ بن زبیر کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان امیر

المؤمنین سے عرض کیا (جب ان کے حکم سے مصحف شریف کی سات نقلیں لکھی جارہی تھیں) کہ سورۃ البقرہ کی یہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم (ع ۳۱) منسوخ ہے (اس کی رُو سے بیوہ عورت کو ایک سال عدت گذارنا ہوتا) اسے آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھرٍ وعشراً (ع ۳۰) نے منسوخ کردیا ہے (اس کی رو سے بیوہ کی عدت چار ماہ دس رات ہیں) تو منسوخ آیت کو مصحف شریف میں آپ کیوں لکھوا رہے ہیں۔ حضرت عثمان نے جواب میں فرمایا اے میرے بھتیجے جو مصحف میں لکھا ہوا ہے میں اس میں کچھ اَدل بَدل نہیں کروں گا۔ اس کی ہو بہو نقل کرائی ہے۔

امام بخاری نے ابن ابی ملیکہ کی یہ روایت دو شخصوں سے سنی تھی۔

(۱) اُمیہ سے (۲) عبداللہ بن ابی الاسود سے۔ دونوں کی روایت بالترتیب نقل فرمائی ہے لیکن دونوں کی اسناد میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو یہ بتاتا ہو کہ ابن ابی ملیکہ کو براہ راست عبداللہ بن زبیر سے اس کا علم ہوا ہوتا تو اسناد میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ اس سے مفہوم یہی ہوتا ہے کہ کسی نامعلوم شخص نے عبداللہ بن زبیر کا یہ قول ابن ابی ملیکہ کو بتایا تھا۔ اس شخص کا اس نے اسناد میں ذکر نہیں کیا۔ پس سند کے لحاظ سے یہ روایت متصل نہیں بلکہ منقطع ہے۔ حالانکہ سند کا متصل ہونا صحتِ حدیث کی لازمی شرط ہے۔ اس لیے بخاری کو چاہیئے تھا کہ اسے ذکر نہ کرتے۔ درایۃً دیکھیے تو اس کے باطل اور بے سروپا ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے رکوع ۳۱ کی آیت کو منسوخ بتایا اور حضرت عثمان نے بھی اسے تسلیم کیا۔ کیونکہ عبداللہ بن زبیر نے یہ سمجھا تھا کہ اس آیت میں بیوہ کی عدت ایک سال مذکور ہے حالانکہ حضرت عثمان وعبداللہ بن زبیر اور تمام صحابۂ کرام اور بعد کے تمام مسلمان جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں کسی بھی مسلمان بیوہ نے ایک سال عدت نہیں گذاری نہ مکہ مکرمہ میں نہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔ اگر رکوع ۳۱ کی آیت میں بیوہ کی عدت ایک سال بتائی گئی ہوتی تو لازمی طور پر اس پر عمل ہوا ہوتا۔

پھر یہ کہ حکم منسوخ لازمی طور پر حکم ناسخ سے پہلے ہونا چاہیئے اور عبداللہ بن زبیر اور حضرت عثمان دیگر تمام مسلمانوں کی طرح خوب جانتے تھے کہ آیت **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربص بانفسھن اربعة اشھر وعشرا** پہلے مذکور ہے۔ چھ آیتوں کے بعد آیت **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج** ہے۔ اور دونوں آیتیں اسی ترتیب سے نازل ہوئی تھیں۔ لہذا پہلی آیت بعد میں آنے والی آیت کی ناسخ نہیں ہوسکتی اور عبداللہ بن زبیر اور حضرت عثمان ایسے نادان نہ تھے کہ یہ سمجھتے کہ بعد والی آیت پہلے نازل ہوئی تھی اور پہلی آیت بعد میں اتری تھی۔ اس لیے ابن ابی ملیکہ نے عبداللہ بن زبیر وحضرت عثمان کی طرف منسوب کرکے جو بیان کیا ہے خود ابن ابی ملیکہ کی کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ ابن زبیر نے قطعاً اس کا ذکر نہیں کیا۔ بخاری نے ابن ابی ملیکہ کی اس غلط بیانی کو جو خود اس کی کج فہمی کا نتیجہ تھی صحیح قرار دیکر غلطی کی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ فی الواقع دوسری آیت یعنی **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف**۔ بیوہ کی عدت کی کمیت بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ جاہلیت کے ایک رواج کو باطل قرار دینے کے لئے نازل ہوئی ہے جو اہل عرب میں بیوہ کی عدت کے متعلق رائج تھا۔ وہ یہ کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی گھر میں الگ تھلگ کسی کوٹھڑی یا کمرے میں سال بھر پڑی رہتی تھی۔ تمام سال غسل نہ کرتی اور مرنے والے شوہر کے لئے نوحہ کرتی رہتی۔ وہ شوہر اپنے گھر والوں کو وصیت کردیتا تھا کہ میرے مرنے کے بعد سال بھر تک میری بیوی کو میرے سوگ میں اور رونے پیٹنے میں مشغول رکھا جائے اسے کھانا دیا جائے لیکن گھر سے نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے اس رواج کو ختم کرکے بیوہ کی عدت بس چار ماہ دس رات رکھی ہے اور اگر اس کا شوہر سال بھر کی وصیت کرمرا ہو تو اس وصیت کو باطل قرار دیا ہے۔ دوران عدت وہ بس بناؤ سنگھار سے پرہیز رکھے۔ نکاح یا نکاح کی بات چیت نہ کرے۔ گھر کے افراد سے بولنے چالنے اور غسل وغیرہ کرنے پر قطعاً کوئی

پابندی نہیں۔ چار ماہ دس رات گذار لینے کے بعد وہ بناؤ سنگھار اور نکاح کرسکتی ہے اور مرنے والے شوہر کے گھر سے جاسکتی ہے۔ایک جاہلی شاعر نے بیوی سے کہا تھا۔

اذا مت فانعینی بما انا اهله وشقی علی الجیب یا ابنة معبد
الی الحول نوحی بعد موتی واصرخی ومن یبک حولاً کاملاً فقد اعتذر

---

(۵۰) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب اتباع متشابہات کے متعلق حدیث جو عبیداللہ بن ابی مُلیکہ نے روایت کی ہے

بخاری نے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی سے اس نے یزید بن ابراہیم تستری سے روایت کی ہے عن ابن ابی ملیکة عن القاسم بن محمد عن عائشه قالت تلا رسول الله ﷺ هذه الأية هوالذی انزل علیک الکتاب منه ایت محکمٰت هن ام الکتٰب واخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله. الأية

قالت قال رسول الله ﷺ فاذا رأیت الذین یتبعون ماتشابه فاولئک الذین سمی الله فاحذروهم (صحیح بخاری ص ۶۵۲ کتاب التفسیر. سورة ال عمران)

ابن ابی ملیکہ نے قاسم بن محمد سے اور اس نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر ام المؤمنین سے فرمایا "پس جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو متشابہات کے پیچھے پڑتے ہوں تو وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے یعنی ان کے دلوں میں کجی ہے۔تو ان سے تم بچے رہنا۔

امام احمد بن حنبل نے بواسطہ عبدالرحمٰن بن مہدی یزید بن ابراہیم تستری سے یہی

حدیث روایت کی ہے اس میں ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ نے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا "فاذا رایتم الذین یتبعون ما تشابه منه الخ (مسند ٦ ص ٢٥٦) اس روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے مخاطب حاضر مسلمان تھے جب کہ بخاری کی روایت کے مطابق آپ کی مخاطب خاص ام المؤمنین تھیں۔

اور ترمذی نے عبد بن حمید سے اس نے بواسطۂ ابوالولید طیالسی یزید بن ابراهیم تستری سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث یوں نقل کی ہے "قالت سئل رسول الله ﷺ عن هذه الأية فقال اذا رأيتم الذين ويتبعون الخ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا جب تم دیکھو الخ (سنن ترمذی ٢ ص ١٢٤ ابواب التفسیر۔ سورۂ ال عمران)

پس یزید بن ابراہیم تستری بصری سے یہ حدیث تین شخصوں نے روایت کی ہے۔ عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے عبدالرحمان بن مہدی نے ابوالولید طیالسی نے مخرج اور اسناد ایک ہونے کی وجہ سے تینوں کی روایت معنی کے لحاظ سے ایک ہونی ضروری تھی۔ اور یہ تینوں راوی ثبت وثقہ اور ائمۂ حدیث میں سے ہیں۔ حالانکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ تینوں کی روایت میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہی تو ہے کہ یزید بن ابراہیم نے قعنبی سے کچھ بیان کر دیا تھا اور ابن مہدی سے کچھ اور ابوالولید سے کچھ اور یعنی اسے ابن ابی ملیکہ سے سنی ہوئی یہ حدیث اچھی طرح یاد نہ تھی۔ بخاری نے اسے درجِ صحیح کر کے غلطی کی ہے۔ یوں بھی یزید بن ابراہیم تستری جو بنو تمیم کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا ثبت وثقہ راوی نہ تھا۔ اہل علم نے اسے صرف اُن حدیثوں میں قابلِ اعتماد سمجھا ہے جو اس نے حسن بصری اور محمد بن سیرین سے روایت کی ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے صدوق ثقة فی الحسن و ابن سیرین...... نیز بتایا ہے کہ اس شخص نے بواسطۂ قتادہ حضرت انس سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ روی عن قتادة عن انس احادیث منكرة۔

یزید بن ابراهیم تستری کے علاوہ ابن ابی ملیکہ سے یہ حدیث ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی اور ابو عامر خزاز یعنی صالح بن رستم مزنی نے بھی روایت کی ہے۔

ایوب کی روایت مسند احمد وسنن ابن ماجہ میں ہے۔

امام احمد نے کہا ہے "حدثنا اسماعیل (یعنی ابن علیة) اخبرنا ایوب عن عبداللہ بن ابی ملیکة عن عائشة قالت قرأ رسول اللہ ﷺ ھو الذی انزل علیک الکتاب منه ایت محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات. الأیة قال فاذا رأیتم الذین یجادلون فیه فھم الذین عنی اللہ فاحذروھم (مسند ٦ ص ٤٨ مقدمه سنن ابن ماجه ص ٦)

ابن ماجہ کی روایت میں ہے قال یا عائشة اذا رأیتم الخ یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو اس کے بارے میں کج بحثی کر رہے ہیں تو سمجھ لو کہ وہی "الذین فی قلوبھم زیغ" کے مصداق ہیں یعنی ان کے دلوں میں کجی ہے پس ان سے بچے رہنا۔

ابو عامر خزاز کی روایت ترمذی نے تخریج کی ہے۔

عن ابن ابی ملیکة عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت سألت رسول اللہ ﷺ عن قوله تعالی فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله قال فاذا رأیتھم فاعرفیھم یعنی ام المؤمنین رضی اللہ عنھا نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا کہ فاما الذین الخ کا مطلب کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا پس جب تو انہیں دیکھے تو انہیں پہچان لینا ترمذی نے یہ حدیث محمد بن بشار سے اس نے ابوداؤد طیالسی سے اس نے ابو عامر خزاز سے روایت کی ہے۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی توفیق نہ ملی کہ اپنے شیخ سے پوچھتا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس جواب کا سوال سے کیا تعلق تھا۔ اوپر سے نیچے تک اس بے معنی ومہمل بات کو نقل کرتے چلے آئے۔

پس ابن ابی ملیکہ سے یہ حدیث تین شخصوں نے روایت کی تھی یزید بن ابراہیم تستری نے ایوب سختیانی نے ابو عامر خزاز نے تینوں کی روایت سند میں مختلف ہے اور متن میں مضطرب۔ یزید نے ابن ابی ملیکہ اور ام المؤمنین کے درمیان قاسم بن محمد واسطہ ذکر کیا

ہے۔ ابو عامر خزاز روایوب نے کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا۔

ان روایات کے مطالعہ سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی بیان کی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے اُن سے اس کو نہیں سنا اور قاسم بن محمد سے سنا ہو تو ٹھیک ٹھیک یاد نہ رکھا۔

---

(۵۱) حسبنا اللہ ونعم الوکیل کے متعلق بخاری کی روایت کی ہوئی ایک غلط حدیث

امام بخاری نے لکھا ہے

حدثنا احمد بن یونس اراہ قال ثنا ابوبکر عن ابی حصین عن ابی الضحی عن ابن عباس حسبنا اللہ ونعم الوکیل قالھا ابراھیم حین اُلقی فی النار وقالھا محمد ﷺ حین قالوا "ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

امام بخاری سے احمد بن یونس نے بیان کیا۔ بخاری کا گمان تھا کہ احمد بن یونس نے کہا کہ ہم سے ابوبکر بن عیاش نے بیان کیا ابو حصین یعنی عثمان بن عاصم اسدی سے روایت کر کے اُس نے ابوالضحیٰ یعنی مسلم بن صبیح سے اس نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا جس وقت انہیں آگ میں ڈالا گیا تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا جب افواہ باز لوگوں نے ذکر کیا تھا کہ لوگوں یعنی اہل مکہ نے تم مسلمانوں سے لڑنے کے لئے زبردست تیاری کی ہے۔ لڑنے والے بھی اور ہتھیار بھی خوب اکٹھے کر لیئے ہیں تو اہل ایمان نے (رسول اللہ ﷺ کی طرح) حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہا ۔۔۔ قرآن شریف میں تو قالوا ہے ضمیر جمع ان زخمی صحابہ کرام کی طرف پھرتی ہے جو غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے تھے اور جب یہ سنا گیا کہ مکہ کے مشرکین راستہ سے ہی واپس آکر مدینہ کی آبادی پر حملہ کرنے والے ہیں تو اللہ و رسول کے حکم کے مطابق

اسی حالت میں کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ انہیں لئے ہوئے حمراء الاسد نامی مقام پر پہنچ گئے۔ لیکن مکہ کے کفار کو واپس آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ بڑھتے ہوئے مکہ پہنچ گئے۔ اہل ایمان کو افواہ باز اعرابیوں نے اہل مکہ کی طرف سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی اور کہا "ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم" لیکن مؤمنین کے دلوں میں کوئی گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی۔ اللہ سے ان کے تعلق میں مزید اضافہ ہوا اور انہوں نے خوفزدہ کرنے والوں کو یہ جواب دیا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ہمیں اللہ کافی ہے اور کیا خوب ذات ہے وہ بھروسے کے لائق ابو حصین نے ابوالضحیٰ سے روایت کی ہوئی اس حدیث میں حضرت ابراہیم کا ذکر تو کیا تھا۔ ابوبکر بن عیاش نے اس میں اپنی طرف سے "قالھا محمد ﷺ۔ کا پیوند لگا دیا۔ چنانچہ بخاری ہی کہتے ہیں

حدثنا مالک بن اسماعیل ثنا اسرائیل عن ابی حصین عن ابی الضحی عن ابن عباس قال کان آخر قول ابراھیم حین اُلقی فی النار حسبی اللہ ونعم الوکیل (صحیح بخاری ص ۶۵۵)

ہم سے مالک بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہم سے اسرائیل بن یونس نے بیان کیا ابو حصین عثمان بن عاصم سے روایت کر کے اس نے ابوالضحیٰ سے اس نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی کہ جس وقت حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے تو اُن کا آخری کلام یہ تھا۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ پس ابو حصین سے اسرائیل و ابوبکر بن عیاش نے اسرائیل کی روایت میں صرف حضرت ابراہیم کا ذکر ہے۔ اور اسرائیل روایات حدیث میں قابل اعتماد ہونے کے لحاظ سے ابوبکر بن عیاش سے بدرجہا فائق ہے۔ ابوبکر بن عیاش بدحفظ اور منکر الحدیث شخص تھا۔ شاید ہی اس نے کوئی حدیث صحت کے ساتھ روایت کی ہو۔ اسی لئے میں نے کہا کہ ابوبکر بن عیاش نے غلطی سے اس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر پیوند کر دیا ہے۔ ابوالضحیٰ نے صرف حضرت ابراہیم کا ذکر کیا تھا لیکن اس نے نہ حضرت ابن عباس سے اسے سنا نہ ابن عباس نے اُس سے یا کسی اور شخص سے اسے بیان کیا کیونکہ حضرت ابراہیم کے متعلق نہ قرآن شریف میں یہ بات آئی ہے نہ رسول اللہ سے مروی کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں نہ

اسرائیلی صحیفوں میں سے کسی صحیفے میں۔ پھر ابن عباس کو اس کا علم کیسے ہوسکتا تھا۔ یقیناً وہ اس وقت اُس آتش کدۂ نمرود کے پاس نہ تھے جب حضرت ابراہیم کو اس میں ڈالا گیا تھا۔

پھر ابن عباس یہ بے سروپا بات کیسے کہہ سکتے تھے۔ کسی یاوہ گو نے ابن عباس کی طرف منسوب کر کے ابوالضحیٰ سے اسے بیان کر دیا۔ عام راویوں کی طرح ابوالضحیٰ کو بھی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو ملحوظ رکھنے کی توفیق نہیں ملی تھی کہ کفی بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دیا کرے۔ الغرض یہ بے سروپا حدیث حضرت ابن عباس کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔

---

(۵۲) اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان الذین توفاھم الملئکۃ ظالمی انفسھم ۔ الآیۃ (النساء ۱۴) کے شان نزول کے متعلق عکرمہ کی ابن عباس سے روایت جو قطعاً غلط ہے

عکرمہ نے کہا ہے

اخبرنی ابن عباس ان ناسا من المسلمین کانوا یکثرون سواد المشرکین علی رسول اللہ ﷺ یأتی السهم من قبل اصحاب النبی ﷺ یُرمیٰ به فیصیب احدهم فیقتله او یضرب فیقتل فانزل الله ان الذین توفاهم الملئکة ظالمی انفسهم (صحیح بخاری ص ٦٦١ سورة النساء. کتاب التفسیر و ص ١٠٤٩ کتاب الفتن باب من کره ان یکثر سواد الفتن والظلم)

یعنی مختلف قبائل میں جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے مگر اپنے قبائل میں ہی رہ رہے تھے ہجرت کر کے مدینہ نہ آئے تو مسلمانوں کی جب اُن قبائل سے جنگ ہوتی تو وہ قبائلی مسلمان بھی اپنے اپنے قبیلہ کے کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں آ جاتے۔ ان کا

ارادہ تو مسلمانوں سے جنگ کرنے کا نہ ہوتا لیکن اس طرح وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی نفری میں اضافہ کا سبب بن جاتے تھے۔ جنگ ہونے کی صورت میں ان میں سے کوئی مسلمانوں کی طرف سے آئے ہوئے کسی تیر سے گھائل ہو کر ہلاک ہو جاتا۔ کوئی معرکہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جاتا تو ان کے متعلق یہ ارشاد نازل ہوا۔ یہ عکرمہ کی غپ شپ ہے۔ حضرت ابن عباس کی طرف اُس نے اس کی غلط نسبت کر دی ہوگی۔ آیت اپنے معنی ومفہوم میں بالکل واضح ہے۔ اس کا نزول ان لوگوں کے بارے میں ہوا ہے جو فتح مکہ سے قبل مختلف قبائل میں سے مسلمان ہو گئے تھے نبی کریم ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی تھی کہ ہجرت کر کے مدینہ آ جائیں تاکہ فرائض اسلام پر آزادی کے ساتھ کاربند ہو سکیں اور احکام اسلام کا تفصیلی علم حاصل کر لیں وہ ہجرت کر سکتے تھے لیکن اپنی معاشی مصلحتوں کی بنا پر انہوں نے حکمِ ہجرت کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور مسلمان ہو جانے کے باوجود اہل کفر کے ساتھ ہی رہتے رہے۔ ان ہی کی مذمت میں یہ ارشاد نازل ہوا تھا۔ فرمایا "ان الذین توفاھم الملائکة ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم بے شک جن لوگوں کا حال یہ تھا کہ قدرت کے باوجود ہجرت نہ کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا فرشتوں نے جب ان کی روحیں قبض کیں تو ان سے کہا تم نے کس حال میں زندگی گذاری یوں تو تم نے خود کو اسلام سے منسلک کر لیا تھا لیکن عملی طور پر تمہیں اذان، نماز، زکاۃ وغیرہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ قالوا کنا مستضعفین فی الارض۔ وہ جواب میں بولے کہ ہم اپنے علاقہ میں بودے قرار دیے ہوئے تھے۔ اس لئے کھلم کھلا کفار کے مقابلہ میں ہمیں اسلامی شعائر کے اظہار کا یارا نہ تھا۔ قالوا الم تکن ارض اللہ واسعة فتھاجروا فیھا فرشتوں نے جواب میں کہا۔ کیا اللہ کی پیدا کی ہوئی زمین فراخ نہ تھی۔ اپنے وطن میں تمہیں مسلمانوں کی طرح رہنا سہنا ممکن نہ تھا تو اسے چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے۔ فاولئک ماوٰھم جھنم وساء ت مصیرا۔ پس ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت کے الفاظ سے قطعاً وہ بات نہیں نکلتی جو عکرمہ کی روایت میں مذکور ہے۔ بخاری نے ذرا بھی عقل سے کام لیا ہوتا تو اسے درج صحیح نہ کرتے۔

(۵۳) متعہ جائز ہونے کے متعلق عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب ایک جھوٹی حدیث جو صحیح بخاری میں تین جگہ درج ہے اور مسلم نے بھی اس کی تخریج کی ہے

خالد بن عبداللہ طحان نے اسماعیل بن ابی خالد احمسی سے روایت کی ہے اس نے قیس بن ابی حازم سے اس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ **کنا نغزو مع النبی ﷺ ولیس معنا نساءٌ فقلنا الانختصِیُ فنهانا عن ذلک فرخص لنا بعد ذلک ان نتزوج المرأة بالثوب ثم قرء یاایها الذین آمنوا لاتحرموا طیبت ما احل الله لکم (صحیح بخاری ص ۶۶۴. سورة المائده)**

ہم مسلمان نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کے سفر کرتے تھے اور ہمارے ساتھ بیویاں نہ ہوتیں۔ تو ہم نے عرض کیا کیا ہم خصی نہ ہو جائیں (کہ شہوت کا جوش ہمیں پریشان نہ کرے) آپ نے ہمیں اس سے منع فرمادیا اس کے بعد آپ نے ہم مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ ہم کپڑے کے عوض عورت کو عارضی بیوی بنالیں۔ یہ بیان کرنے کے بعد عبداللہ بن مسعود نے سورۂ مائدہ کی یہ آیت پڑھی۔ ''اے اہل ایمان اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال فرمائی ہیں۔

یحیٰ بن سعید قطان نے اسماعیل سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے مگر اس کے آخر میں نہ متعہ کی اجازت کا ذکر ہے نہ عبداللہ بن مسعود کا سورۂ مائدہ کی آیت پڑھنا مذکور ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں ''**عن ابن مسعود قال کنا نغزومع النبی ﷺ لیس لنا نساء فقلنا یا رسول الله الا نختصی فنهانا عن ذلک (صحیح بخاری ص ۷۵۹ کتاب النکاح، باب تزویج المعسر الذی معه القرآن والاسلام)**

محمد بن عبید نے اسماعیل سے اسی اسناد کے ساتھ ''**عن قیس عن ابن مسعود**

قال الخ باقی روایت تمام تر خالد طحان کی طرح ہے مگر محمد بن عبید نے "ولیس لنا نساء" ذکر کیا ہے (مسند احمد ا ص ۴۲۰)

وکیع نے اسماعیل سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے ونحن شباب کے اضافہ کے ساتھ۔ عن قیس عن عبدالله قال کنا نغزو مع النبی ﷺ ونحن شباب فقلنا یا رسول الله الا نستخصی فنهانا ثم رخص لنا فی ان ننکح المرأة بالثوب الی الاجل ثم قرء عبدالله لاتحرموا طیبات ما احل الله لکم. الأیة (مسند احمد ا ص ۴۳۳)

امام مسلم نے بواسطہ محمد بن عبداللہ بن نمیر وکیع وعبداللہ بن نمیر ومحمد بن بشر سے اور ان تینوں نے اسماعیل سے روایت کی ہے عن قیس قال سمعت عبدالله یقول کنا نغزو مع رسول الله ﷺ لیس لنا نساء فقلنا الا نستخصی فنهانا عن ذلک ثم رخص لنا ان ننکح المرأة بالثوب الی اجل ثم قرء عبدالله الخ (صحیح مسلم ا ص ۴۵۰ طبع هند)

جریر بن عبدالحمید نے بھی اسماعیل سے۔ عن قیس قال قال عبدالله کنا نغزو مع رسول الله ﷺ ولیس لنا شئی فقلنا الا نستخصی. الخ (صحیح بخاری ص ۷۵۹ کتاب النکاح باب مایکره من التبتل والخصاء صحیح مسلم ا ص ۴۵۰)

پس اسماعیل بن ابی خالد سے یہ جھوٹی حدیث خالد طحان، یحی قطان، وکیع، محمد بن عبید طنافسی عبداللہ بن نمیر ومحمد بن بشر اور جریر نے روایت کی تھی۔ ان ساتوں اشخاص کی روایت کے متعلق تین باتیں بتانے کے بعد اس حدیث پر کلام کروں گا۔

(اول) صرف مسلم کے شیخ محمد بن عبداللہ بن نمیر نے اس کی اسناد میں یہ نقل کیا ہے کہ قیس بن ابی حازم نے یہ حدیث عبداللہ بن مسعود سے سنی تھی حالانکہ اسماعیل کے تلامذہ میں سے خالد طحان ویحی قطان ومحمد بن عبید ووکیع نے عن قیس عن عبدالله کہا ہے جریر نے عن بھی نہیں کہا عن قیس قال قال عبد الله بن مسعود کہا ہے ان روایات سے

ثابت ہوا کہ مسلم کے شیخ محمد بن عبداللہ بن نمیر نے اس کی اسناد میں ''عن قیس قال سمعت عبدالله'' غلط کہہ دیا تھا قیس نے براہ راست عبداللہ بن مسعود سے اسے نہیں سنا۔

(ثانی) خالد طحان کی روایت میں لیس معنا نساء ہے۔ یہ غلط ہے۔ اسماعیل بن ابی خالد نے تو اس میں ''لیس لنا نساء'' ذکر کیا تھا۔ لیس معنا نساء کا مطلب یہ ہے کہ بیویاں سفر میں ساتھ نہ ہوتی تھیں۔ اور لیس لنا نساء کا مطلب یہ ہے کہ بیویاں تھی ہی نہیں۔ ابن مسعود وغیرہ اس وقت غیر شادی شدہ تھے۔

(ثالث) بخاری کی تخریج کی ہوئی روایت جریر میں ''لیس لنا شئی'' غلط ہے۔ اسماعیل نے تو لیس لنا نساء ذکر کیا تھا۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ تابعین کی ایک ٹولی متعہ کے جواز کی قائل تھی حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے صراحۃً لوگوں کو بتایا تھا کہ متعہ زنا کی ہی ایک شکل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے قطعاً حرام بتایا ہے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباس کو اس کے متعلق غلط فہمی ہوگئی تھی اور وہ کہتے تھے کہ ضرورۃً متعہ کیا جا سکتا ہے۔ آدمی کہیں سفر میں جائے اور وہاں چند روز رہنے کا اتفاق ہو تو عارضی طور پر چند روز کے لئے کسی عورت کو بیوی بنا کر رکھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت علی کو ابن عباس کے اس فتوی کا علم ہوا تو سخت برہم ہوئے اور ابن عباس کو اس پر خوب جھڑکا۔ تب وہ اپنے اس غلط فتوی سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن نفس پرست فرقہ شیعہ نے جو علی کی محبت کا بڑا دھم بھرتے ہیں متعہ کے مسئلہ میں حضرت علی کی تصریح کو پس پشت ڈال دیا اور ابن عباس کے اُس فتوی کو جس سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا اپنے آئین میں داخل کر لیا ان میں سے روایت پیشہ چند شقی لوگوں نے متعہ کا جواز ثابت کرنے کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اور متعدد صحابۂ کرام کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں میں پھیلائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان روایات کے فتنہ میں پڑنے سے باز رکھا۔ ان ہی جھوٹی روایات میں سے یہ روایت ہے جس کی تخریج کرنے کی شدید غلطی بخاری و مسلم دونوں سے سرزد ہوئی ہے۔ بخاری و مسلم کی نظر دیگر محدثین کی طرح بس کسی روایت کی اسناد پر ہی رہتی تھی۔ اپنے معیار کے مطابق جس حدیث کے رُوات

انہیں ثقہ نظر آئے۔ اور اسناد سے مفہوم ہوا کہ صحابی تک سند کے درمیان سے کوئی راوی چھوٹا ہوا نہیں ہے۔ بس اسے صحیح قرار دیکر اپنی کتاب میں ثبت کردیا۔ اگر وہ حدیث کسی آیت کے متعلق ہوتی تو بخاری و مسلم یہ نہیں سوچتے تھے کہ آیت کا جو مطلب اس حدیث میں ذکر ہوا ہے وہ فی نفسہ درست ہے یا نہیں۔ ماقبل و مابعد سے مرتبط ہے یا نہیں۔ اسلام کے ثابت اصول و قواعد کے مطابق ہے یا نہیں۔ ایسی کتنی ہی حدیثیں ہیں جنہیں محض ان کی ظاہری سند سے دھوکا کھا کر بخاری و مسلم نے درج صحیح کردینے کی غلطی کی ہے۔ ان ہی میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے جسے قیس بن ابی حازم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب کر کے روایت کردینے کی حماقت کی تھی۔

قیس سے لے کر امام احمد بن حنبل اور امام بخاری و امام مسلم تک اس کے راویوں میں کسی بندۂ خدا نے یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یاایھاالذین آمنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولاتعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین • وکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون • اہل ایمان کو رہبانیت سے روکنے کے لیے نازل ہوا تھا۔ رہبانیت کا مطلب ہے دنیوی علائق سے قصداً کنارہ کش ہو کر طیبات یعنی کھانے پینے کی پاکیزہ ولذیذ چیزوں اور صاف ستھرے اچھے کپڑوں سے خود کو دور رکھ کر آبادی سے الگ تھلگ کسی غار یا کٹیا میں اللہ کی عبادت میں مصروف رہنا۔ طیبات سے مراد اس ارشاد میں کھانے پینے کی لذیذ و پاکیزہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ وکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا فرمایا ہے۔ دیگر آیات میں بھی طیبات اسی معنی میں آیا ہے۔ ارشاد ہے انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض (سورۃ البقرہ) قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ (سورۃ الاعراف ع ۴)

کس قدر جاہل تھا وہ شخص جس نے سورۂ مائدہ کی اس آیت میں طیبات سے مراد متعہ بتایا تھا۔ اور کس قدر ظالم اور شقی اور جھوٹا تھا وہ جس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت کی تھی۔

قیس سے لے کر بخاری و مسلم و احمد بن حنبل تک کسی راوی نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس میں عبداللہ بن مسعود کا قول مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے سفر کرتے تھے اور ہمارے لئے بیویاں نہ تھیں تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ سفر جہاد کوئی ہلکا پھلکا آسان کام نہ تھا۔ پیدل یا اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو کر سفر طے کیا جاتا۔ پھر دشمن سے مقابلہ ہوتا۔ یہ سب صعوبتیں اور مشقتیں جو مجاہدین کو اٹھانی پڑتی تھیں کیا اُن کے اندر عورتوں سے ملاپ کے ایسے شدید جذبات ابھار سکتی تھیں کہ وہ ان جذبات کے دباؤ سے بے چین اور پریشان ہو کر خصی ہو جانے کی اجازت چاہتے کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری؟ ہرگز نہیں قطعاً نہیں ہاں اگر اس میں یہ مذکور ہوتا کہ ہم ناداری کی وجہ سے مجرد تھے شادیاں نہ کر سکے تھے۔ جوانی کے جوش سے مجبور ہو کر ہم نے آپ سے خصی ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اس کی اجازت، نہ دی۔ ہاں چند دنوں کے بعد متعہ کر لینے کی اجازت دیدی۔ تو اس جھوٹ کو چلنے کے لئے پاؤں نصیب ہو جاتے۔ یہ رُدات اسی نکتہ پر غور کر لیتے تو اس جھوٹی حدیث کو روایت کرنے کے ارتکاب سے بچ سکتے تھے۔ اصل بات یہ ہوئی ہے کہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں دروغ باف لوگوں کی ایک ٹولی متعہ کا جواز ثابت کرنے کے درپے تھی۔ ان میں سے ہی کسی شقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب کر کے یہ جھوٹی حدیث قیس بن ابی حازم سے بیان کر دی۔ قیس نے غلطی یہ کی کہ اس کی بات باور کر کے اس کا نام نہ لے کر عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب کر کے اسماعیل بن ابی خالد کو سنا دی۔ اسماعیل نے عبداللہ بن مسعود کی بیان کردہ حدیث کی حیثیت سے اپنے شاگردوں سے اس کی روایت کر ڈالی۔ پس دراصل یہ حدیث سند کے لحاظ سے منقطع ہے۔ معلوم نہیں کہ قیس نے اسے کس سے سنا تھا۔ ہاں یہ ہمیں یقین ہے کہ ابن مسعود سے نہیں سنا۔ ابن مسعود اس کے راوی ہوتے تو علقمہ یا اسود نخعی یا ابو وائل یا شعبی نے اس کی روایت کی ہوتی اور معنی کے لحاظ سے باطل و بے اصل اور شروع سے آخر تک ابن مسعود کے متعلق کذب و دروغ بافی ہے۔

---

(۵۴) ارشاد حق قُلْ هُوَ القَادِرُ عَلٰی اَنْ یَبْعَثَ عَلَیْکُمْ عذاباً مِنْ فَوْقِکُمْ او مِنْ تَحت اَرْجُلِکُمْ او یَلْبِسکُمْ شِیَعًا و یُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بأسَ بَعْض کے متعلق حضرت جابر بن عبداللہ کی طرف منسوب حدیث

حماد بن زید نے عمر بن دینار سے روایت کی ہے:

عن جابر قال لمانزلت هذه الآية قُلْ هُوَ القَادِرُ عَلٰی اَنْ یَبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ قال رسول الله ﷺ اعوذ بوجهک قال اَوْ مِنْ تَحْت اَرْجُلِکُمْ قال اعوذ بوجهک او یَلْبِسکُمْ شِیَعاً وَ یَذِیْقَ بَعْضَکم بَأسَ بَعضٍ قال رسول الله ﷺ هذا اهون او قال هذا اليسر (صحیح بخاری ص ٦٦٦ سورة الانعام)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عذابا من فوقکم پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعوذ بوجهک یعنی میں اس عذاب سے بچنے کے لیے تیرے روئے انور یعنی تیری ذات اقدس کی پناہ لیتا ہوں او من تحت ارجلکم پر بھی یہ ہی فرمایا۔ تیسری صورت یعنی او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم بأس بعض پر فرمایا یہ نسبتاً سہل اور ہلکا ہے۔۔۔۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے (اے نبی لوگوں سے) کہہ کہ وہ قدرت رکھنے والا ہے اس پر کہ تمہارے اوپر سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں باہم قتل و غارت کرنے والے فرقے بنا کر گتھا دے اور تم میں سے بعض کو بعض کی جنگ کا مزا چکھائے (سورۃ الانعام ۸۴) یعنی اللہ کا عذاب مجرم قوم پر دنیا میں بھی پڑ سکتا ہے۔ اوپر سے یا نیچے سے یا افرادِ قوم کے نفوس سے۔ شدید بارش، برفباری، سنگباری، بادِ سموم، ظالم حکام اور گمراہ کن پیشواؤں کا تسلط اوپر سے عذاب پڑنے کی شکلیں ہیں۔ زلزلہ، سیلاب، قحط، جذام اور زیردست لوگوں کی بغاوت، وبائی بیماریاں وغیرہ وغیرہ۔ نیچے سے امنڈنے والے عذاب کی صورتیں ہیں اور عذاب کی ایک بھیانک شکل یہ بھی ہے کہ افراد قوم اختلاف و تفرقہ میں پڑ کر مختلف فرقوں میں منقسم ہو کر ایک

دوسرے کولوٹنے کھسوٹنے اور چیرنے پھاڑنے میں لگ جائیں۔

یہ آیت سورۃ الانعام کے آٹھویں رکوع میں ہے اور سورۃ الانعام تمام کی تمام اول سے آخر تک مکی سورت ہے۔ ہجرت سے بہت پہلے نازل ہوئی تھی اور حضرت جابر انصاری مدنی صحابی ہیں۔ ان کے والد حضرت عبداللہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ جابر نہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے نہ غزوۂ احد میں غزوۂ احزاب اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ پھر انہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ الانعام کی آیت مذکورہ جب نازل ہوئی تو آپ نے **من فوقکم** پھر **من تحت ارجلکم** پر **اعوذ بوجھک** کہا تھا۔۔۔۔ الخ جابر نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے یا کسی مہاجر صحابی سے سنی ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کرتے۔ پھر اس آیت میں افرادِ قوم کا خانہ جنگی میں مبتلا ہو جانا غیر معمولی وبال اور نسبتاً بدترین عذاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں ھذا اھون یا ھذا ایسر کیسے فرما سکتے تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ عمرو بن دینار نے براہ راست حضرت جابر سے یہ حدیث نہیں سنی تھی نہ جابر نے بیان کی تھی۔ کسی شخص نے جابر کی طرف منسوب کر کے عمرو بن دینار سے اس کا ذکر کر دیا ہوگا۔ عمرو بن دینار نے عقل وفکر سے کام نہ لینے کی وجہ سے اسے صحیح باور کر لیا ہوگا اور اس شخص کا حوالہ دیے بغیر جابر کی طرف منسوب کر کے اس کی روایت کر دی ہوگی۔

میرے اس خیال کی تردید میں کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری نے سفیان بن عیینہ کے طریق سے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ سفیان کی اسناد میں تصریح ہے کہ عمرو بن دینار نے "**سمعت جابر بن عبد الله**" کہا تھا۔ لہذا یہ حدیث عمرو بن دینار نے بالمشافہ حضرت جابر سے سنی تھی۔ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ سفیان کی روایت غلط ہے میں اسے سند و متن کے ساتھ پوری نقل کیے دیتا ہوں۔

بخاری کا بیان ہے:

حدثنا علی بن عبد الله ثنا سفیان قال عمرو بن دینار سمعت جابر بن عبد الله یقول لما نزل علی رسول الله ﷺ 'قل ھو القادر علی ان

يبعث عليكم عذابا من فوقكم قال اعوذ بوجهك او من تحت ارجلكم قال اعوذ بوجهك. فلمانزل او يلبسكم شيعا و يذيق بعضكم بأس بعض قال هاتان اهون او ايسر (صحيح بخاری ص ۱۰۸۷، کتاب الاعتصام، باب قول الله او يلبسكم شيعا)

ترمذی نے بھی بواسطہ محمد بن یحییٰ بن ابی عمر عدنی ابن عینیہ کی یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے (ابواب التفسیر سورۃ الانعام) ابن عینیہ کی یہ روایت بتاتی ہے کہ پوری آیت ایک ساتھ نہیں بلکہ دو وقفوں میں نازل ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے پس ابن عینیہ سے جیسے اس حدیث کا متن بیان کرنے میں غلطی ہوئی اسی طرح اس کی بیان کردہ اسناد میں بھی غلطی ہے اور وہ واضح ہے کیونکہ ابن عینیہ نے قال عمرو بن دینار کہا ہے۔ حدثنی یا حدثنا عمرو انہیں کہا نہ اور کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جو سماع پر دلالت کرے پس ابن عینیہ نے براہِ راست عمرو بن دینار سے یہ حدیث نہیں سنی تھی۔ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ ہے جو مذکور نہیں ہے۔ لامحالہ ابن عینیہ کی اسناد منقطع ہے اور متن غلط۔ بخاری پر لازم تھا کہ اس غلط حدیث کو درج صحیح نہ کرتے۔

---

(۵۵) ارشادِ حق ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مأتین کے متعلق عمرو بن دینار کی ابن عباس سے روایت

بخاری فرماتے ہیں:

حدثنی علی بن عبد الله ثنا سفیان عن عمرو عن ابن عباس لما نزلت ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مأتین . فکتب علیهم ان لا یفر واحد من عشرة و قال سفیان غیر مرة ان لا یفر عشرون من مائتین ـــ ثم نزلت الآن خفف الله عنکم و علم ان فیکم ضعفا ـــ الآیة فکتب ان لا یفر مائة من مائتین (صحیح بخاری ص ۶۷۰ ، کتاب التفسیر ، سورة الانفال)

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے اس سے سفیان بن عینیہ نے بیان کیا عمرو بن دینار سے روایت کر کے۔ اس نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی۔ ابن عباس نے کہا جب اللہ تعالیٰ کا قول ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین نازل ہوا تو مسلمانوں پر لکھ دیا گیا یعنی فرض کر دیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے۔ علی بن المدینی نے کہا کہ بارہا سفیان نے اس حدیث میں یہ ذکر کیا تھا کہ بیس مسلمان دوسو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں (مطلب دونوں باتوں کا ایک ہی ہے یعنی ہر مسلمان مجاہد دس کا مقابلہ کرے۔ انہیں پیٹھ دے کر نہ بھاگے۔ پھر دوسری آیت نازل ہوئی الآن خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفا تو لکھ دیا گیا یعنی فرض کر دیا گیا کہ سو مسلمان دوسو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں۔ یعنی ایک مسلمان پر دو کافروں کا مقابلہ کرنا فرض کر دیا گیا۔

مگر باور کرنا چاہئے کہ ان آیتوں میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں ہے۔ نہ عبداللہ بن عباس نے یہ قطعاً غلط بات کہی تھی شاید عمرو بن دینار نے عکرمہ سے یہ سنا تھا۔ عکرمہ کا نام حذف کر کے ابن عباس کا نام ذکر کر دیا۔ عکرمہ کی اس بے ہودہ روایت پر کلام اور ان دونوں آیتوں کے معنی و مطلب کا بیان ''صحیح بخاری کا مطالعہ ص ۹۶'' میں گذر چکا ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں نہ عمرو بن دینار کی روایت تخریج کی نہ عکرمہ کی۔ ان دونوں روایتوں کو درج صحیح کرنے کی غلطی امام بخاری نے ہی کی ہے۔

---

(۵۶) سورۃ ہود کے پہلے رکوع میں پارہ ۱۱ کی آخری آیت ہے

الا انھم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ الا حین یستغشون ثیابھم یعلم مایسرون و ما یعلنون واللہ علیم بذات الصدور

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں اپنے رسول اللہ ہونے کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو قرآن سنانے اور حق کی طرف بلانے میں لگ گئے تو اہل مکہ پر لازم تھا کہ آپ سے مل کر اس دین کو سمجھنے کی کوشش کریں جس کی آپ دعوت دے رہے تھے۔ آپ سے قرآن سنیں آپ کے دلائل کو پرکھیں لیکن بجائے اس کے انہوں نے فرار کا راستہ اختیار کر رکھا تھا۔ چند

لوگ کہیں بیٹھے ہوتے اور محسوس کر لیتے کہ محمدؐ ہماری طرف آ رہے ہیں تو آپ کے آنے سے پہلے ہی منتشر ہو جاتے۔ کسی گلی یا راستہ میں آپ کو دیکھتے تو کترا جاتے اس ڈر سے کہ آپ نصیحت فرماتے اور قرآن سنانے لگیں گے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ سینے موڑ کر اللہ کے رسول سے کترا جانے اور آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانے والے اللہ کی نظر سے تو اوجھل نہیں ہو سکتے۔ ہو سکے تو اللہ سے چھپ کر دکھائیں وہ تو ہر حال میں انہیں دیکھ رہا ہے۔ ان کی ہر کھلی چھپی چیز سے آگاہ ہے۔ جو بات سینوں کے زنداں میں محبوس ہو ہنوز زبان پر نہ آئی ہو اسے بھی خوب جانتا ہے۔۔۔۔ یہ ہے اس آیت کا مطلب **لیستخفوا** اس میں امر غائب کا صیغہ ہے۔

اب دیکھئے اس آیت کے مطلب کی صحیح بخاری میں کیا درگت بنائی گئی ہے۔ بخاری نے ابن جریج کے طریق سے روایت کی ہے اس نے کہا مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے بتایا تھا کہ ابن عباس نے یہ آیت یوں پڑھی تھی **الا انھم یثنونی صدورھم** میں نے پوچھا **یثنونی صدورھم** کا مطلب کیا ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ **الناس کانوا یستحیون ان یتخلوا فیفضوا الی السماء و ان یجامعوا نساء ھم فیفضوا الی السماء فنزل ذلک فیھم** (صحیح بخاری ۶۷۷، سورۃ ھود) یعنی کچھ لوگ پاخانہ کرتے یا بیویوں سے جماع کرتے ہوئے ستر کھولنے کی وجہ سے شرماتے تھے کہ آسمان سے اللہ ہمیں ننگا دیکھے گا شرم و حیا کی وجہ سے ان کے سینے بل کھاتے تھے ان کے بارے میں یہ ارشاد نازل ہوا۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت میں تحریف لفظی بھی ہے اور تحریف معنوی بھی۔ اور اسے منسوب کیا گیا ہے عبداللہ بن عباس کی طرف یقیناً ابن عباس اس سے بری تھے۔ یہ تو ابن جریج یا اس کے شیخ ابن عباد کی ہی دروغ گوئی ہے معلوم نہیں کہ بخاری نے اپنے دو استادوں حسن بن محمد بن صباح اور ابراہیم بن موسیٰ سے اس کی روایت کر کے اور درج صحیح فرما کر کس اجر و ثواب یا علمی فائدہ پہنچانے کی توقع باندھی تھی بجز اس کے کہ فہم قرآن کی راہ میں ایک روڑے کا اضافہ کر دیں۔ تحریف لفظی یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا لفظ تو یثنون

صدورھم ہے۔ یثنون ثنیٰ یثنیٰ سے مضارع معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور صدورھم مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ قرآن کریم میں اسی طرح ثابت اور تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ ابن جریج اور اس کے شیخ ابن عباد نے حضرت ابن عباس پر یہ تہمت جڑ دی کہ انہوں نے یثنونی صدورھم پڑھا تھا۔

---

(۵۷) کاہن کی بات صحیح ثابت ہو جانے کی توجیہ میں ابوہریرہ کی حدیث

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے اس نے عکرمہ سے اس نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب زمین میں کوئی اہم واقعہ رونما فرمانا طے کرتا ہے تو اس کے متعلق کارکن فرشتوں کو وحی فرما دیتا ہے کہ زمین پر جا کر تمہیں یہ اور ایسا ایسا کرنا ہے اس وحی کی فرشتوں کو ایسی آواز آتی ہے جیسے پتھر کی کسی چٹان پر کسی زنجیر کے لگنے کی آواز ہوتی ہے۔ وہ آواز سن کر فرشتے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اسے سمجھتے اور اس کا باہم مذاکرہ کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح اس حکم کی جزئیات کو دھیان میں رکھ کر ٹھیک ٹھیک اس پر کاربند ہوں۔ آسمانی باتوں کی سن گن لینے والے شیاطین کی ٹولی کا جو فرد سب سے اوپر ہوتا ہے کبھی فرشتوں کی کہی ہوئی بات اچک لیتا اور اپنے سے قریب شیطان کو بتا دینے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے اسے بھسم کر دینے کے لیے شہاب ثاقب چھوڑا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بھسم ہونے سے پہلے قریب کے شیطان کو کچھ بتانے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ اپنے سے قریب شیطان کو بتا دیتا ہے۔ اس طرح آخری شیطان کو جو زمین پر ہوتا ہے وہ بات پہنچ جاتی ہے وہ اپنے دوست انسان کو جو لوگوں کو مستقبل کے متعلق باتیں بتانے کا پیشہ کرتا ہے جسے اہل عرب کاہن کہتے تھے۔ وہ بات بتا دیتا ہے کاہن اس میں اپنی طرف سے اور بہت سی باتیں ملا کر لوگوں کو بتا دیتا ہے۔ انجام کار وہ بات سچی ثابت ہو جاتی ہے اور لوگوں میں شہرت ہو جاتی ہے کہ دیکھو جیسا کاہن نے بتایا

تھا ویسا ہی ہوا ہے۔ رہی اس کی بتائی ہوئی غلط باتیں تو انہیں لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں اس طرح اس کا ہن کا پیشہ چمک اٹھتا ہے اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

سفیان بن عینیہ سے یہ حدیث علی بن عبداللہ مدینی اور حمیدی نے اور حمید بن کاسب کے بیٹے یعقوب نے اور ابن ابی عمر اور احمد بن عبدہ وابو معمر اسماعیل بن ابراہیم نے روایت کی ہے۔ علی بن مدینی سے بخاری نے تین جگہ ص ۶۸۲ سورة الحجر کتاب التفسیر ص ۱۱۱۵ کتاب التوحید (باب قوله و لا تنفع الشفاعة عنده الالمن اذن له) حمیدی سے بھی بخاری نے (ص ۷۰۸ سورة سبا کتاب التفسیر) حمید بن کاسب کے بیٹے یعقوب سے ابن ماجہ نے (مقدمه باب فی ما انکرت الجهمية حديث ١٦) ابن عمر سے ترمذی نے (ابواب التفسیر سورة سبا) احمد بن عبدہ وابو معمر سے ابو داؤد نے مختصراً (کتاب الحروف والقرآت) اس حدیث میں دو باتیں اور بھی ہیں جو سمجھنے کے لائق ہیں اول یہ کہ ابن عینیہ نے اس حدیث کو اللہ تعالیٰ کے قول حتى اذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالوا الحق (سورة سباع ۳) کی تفسیر قرار دیا تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے یہ تلبیس کی تھی کہ علی بن مدینی وحمیدی ویعقوب بن حمید بن کاسب کو اس انداز سے یہ حدیث سنائی تھی کہ خود نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور کی تفسیر میں یہ فرمایا تھا حمیدی کی روایت یہ ہے۔

بخاری نے کہا:

حدثنا الحميدى قال ثنا سفيان قال ثنا عمرو قال سمعت عكرمة يقول سمعت ابا هريرة يقول ان نبى الله ﷺ قال اذا قضى الله الامر فى السماء ضربت الملائكة اجنحتها خضعانا لقوله كانه سلسلة على صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالوا الحق و هو العلىّ الكبير و يسمعها مسترق السمع و مسترقوا السمع هكذا (اشار سفيان بيده اليمنى ناصباً اصابعها) بعضهم فوق بعض و وصف سفيان بكفه فحرفها و بدد بين اصابعه فيسمع الكلمة فيلقيها الى من تحته ثم يلقيها

الآخر الى من تحته حتى يلقيها على لسان الساحر او الكاهن فربما ادركه الشهاب قبل ان يلقيها و ربما القاها قبل ان يدركه فيكذب معها مائة كذبة فيقال اليس قد قال لنا يوم كذا و كذا كذا وكذا فيصدق بتلك الكلمة التى سمعت من السماء. (صحیح بخاری ۷۰۸ سورۃ سبا کتاب التفسیر)

مگر جب ابن عیینہ نے احمد بن عبدہ وابومعمر اسماعیل کو یہ حدیث سنائی تھی تو یہ تلبیس نہیں کی بلکہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا "فذلک قوله تعالیٰ حتی اذا فرغ عن قلوبهم الخ (سنن ابی داؤد کتاب الحروف و القرأت) پس یہ خود ابن عیینہ کا ذاتی خیال تھا کہ یہ حدیث حتی اذا فزع عن قلوبهم کی تفسیر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علی بن مدینی کی روایت میں مذکور ہے کہ سفیان بن عیینہ نے بتایا تھا کہ عمرو بن دینار نے فُزّعَ کی بجائے اس آیت میں فُرّغَ پڑھا تھا۔ (رائے مہملہ مشدد مکسورہ اور غین معجمہ کے ساتھ۔ تفریغ سے ماضی مجہول)۔ پس میں اس حدیث پر تین مباحث میں کلام کروں گا۔

مبحث اول

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سن گن لینے والا شیطان کبھی کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سورۃ الجن میں جو مکی سورت ہے یہ صراحت اور وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل تو سن گن لینے والے جن کی کامیابی کا امکان تھا لیکن بعثت کے بعد نہیں رہا۔

سورۃ الجن میں مومن اجنہ کا قول اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے۔ و انا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجدله شهابا رصدا و انا لاندری اشر اريد بمن فى الارض ام اراد بهم ربهم رشدا یعنی ہم سطح آسمان سے قریب کچھ ٹھکانوں میں سننے کے لیے جا بیٹھتے تھے۔ پس اب جو وہاں پہنچ کر سنے تو ایک شعلہ سوزاں تیار پائے۔ (یعنی اب کسی جن کا سابق کی طرح کچھ سن لینا ممکن نہیں رہا۔ اور ہم جنوں کی غیب دانی کا مدار اسی پر تھا۔) اور ہم فی الواقع نہیں جانتے کہ آیا کوئی برائی ہے جسے باشندگان زمین کو پہنچانے کا

قصد کیا گیا ہے یا ان کے رب نے انہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا قصد فرمایا ہے۔۔۔۔۔

پس حضرت ابو ہریرہ کی طرف منسوب یہ حدیث قطعاً صحیح نہیں ہے۔ نہ یہ حضرت ابو ہریرہ کی بیان کی ہوئی ہے۔ ابو ہریرہ سے سینکڑوں تابعین نے حدیثیں سنی ہیں لیکن عکرمہ کے علاوہ کسی نے ان سے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ عکرمہ کثیر الروایات شخص ہے مگر ثقہ نہ تھا متعدد غلط حدیثیں اس نے اپنے آقا حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب کر کے بیان کی ہیں۔ اس میں یہ بات تو صحیح و معقول ہے کہ اذا قضی اللہ امرا ضربت الملائکۃ اجنحتھا خضعانا لقولہ " مگر استراق شیاطین کا قصہ تو یہ عکرمہ کی پیوند کاری و غلط بیانی ہے۔ ایک مضحکہ خیز بات اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ سن گن لینے والے شیاطین کے گھات میں لگنے کی ابن عیینہ نے ہاتھ کی انگلیاں کھڑی کر کے منظر کشی فرمائی تھی گویا کہ ابن عیینہ نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ ابن عیینہ کے شاگردوں نے اس کی اس منظر کشی کو خوب دھیان میں رکھا ہے اور اسے بھی اس حدیث کی روایت کے ضمن میں بیان کیا ہے اور ان میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نہ ملی کہ شیخ ابن عیینہ سے پوچھتا کہ آپ یہ انگلیوں سے منظر کشی کس بنا پر کر رہے ہیں۔

مبحث ثانی

اس حدیث میں یہ جو مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی واقعہ زمین میں رونما فرمانا چاہتا ہے تو فرشتوں کو اس کے متعلق وحی فرماتا ہے۔ فرشتے طاعت و انقیاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بازوؤں اور پنکھوں کو نیچے ڈال دیتے اور توجہ و انہماک سے اس وحی کو سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اس سے ابن عیینہ نے یہ مطلب برآمد کر لیا کہ وہ شدید گھبراہٹ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس خیال کے تحت ابن عیینہ نے اس کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد حتی اذا فزع عن قلوبھم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق " سے جوڑ دیا اور مفسرین نے اس کی تفسیر اسی انداز سے کر دی۔ یعنی نزول وحی سے فرشتوں پر رعب و دہشت کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے جب وہ کیفیت ختم ہو کر ان کے دلوں کو سکون ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا حکم ہوا ہے تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے تو اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ

بتاتے ہیں کہ اللہ نے حق ہی فرمایا ہے۔یعنی وہی ارشاد ہوا ہے جو اس کی حکمت ومشیت کے مطابق ہے۔مگر اس ترجمہ وتفسیر سے لازم آتا ہے کہ جواب دینے والے پوچھنے والوں کو تسلی بخش جواب نہیں دیتے کیونکہ یہ تو سوال کرنے والے فرشتے بھی جانتے ہیں کہ خواہ ہماری سمجھ میں نہ آیا ہو لیکن اللہ نے جو فرمایا ہے حق ہی فرمایا ہے۔یہ ہی بات جواب دینے والے کہتے ہیں تو سوال کرنے والوں کو ان کے جواب سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟

مفسرین دراصل علی بن مدنی وحمیدی ویعقوب بن حمید بن کاسب کی روایات کی وجہ سے چکر میں پڑ گئے۔کیونکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ابن عینیہ نے ان کو جب یہ حدیث سنائی تھی تو اس انداز سے اسے بیان کر دیا تھا کہ یہ خود رسول اللہ کی ارشاد فرمودہ بات معلوم ہو کہ حدیث مذکور اذا فزع عن قلوبھم کی تفسیر ہے۔حالانکہ یہ خود ابن عینیہ کا اپنا گمان و خیال تھا۔ابن عینیہ کو آیت کا سیاق دیکھنے اور اس کے کلمات پر غور کرنے کی توفیق ملتی تو یہ بے سروپا بات نہ کہتے۔

ناظرین سورہ سبا کے تیسرے رکوع کی آیت پڑھیں۔ارشاد ہے وَ لا تَنفَعُ الشفاعةُ عِندَہٗ الا لِمَنۡ اَذِنَ لَہٗ حتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلوبِھِمۡ قالوا ماذا۔قال ربُّکُمۡ قالوا الحق و ھو العلی الکبیر • مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش چلتی ہے کیونکہ وہ بادشاہی کا مقتضا ہے مگر سفارش وہی مقربیان بارگاہ بندے کر سکتے ہیں جنہیں اس نے اس کی اجازت دی ہو۔اور وہ ان ہی بندوں کے حق میں سفارش کریں گے جن کے حق میں شفاعت کرنے کا انہیں اس کی طرف سے اشارہ ہوا ہو۔وہ مقربان بارگاہ خود اپنی طرف سے کسی کے متعلق عرض معروض کرنے کی جسارت نہیں کرتے۔جن بندوں کے لیے انہیں سفارش کرنے کا اشارہ ملتا ہے اسے پا کر گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہم احکم الحاکمین جل مجدہ کے حضور کسی کے متعلق لب کشائی کیسے کریں جب کہ ہم ان کے استحقاق سے کما حقہٗ واقف ہیں گھبراہٹ اور خشیت وہیبت کا جوش فرو ہونے پر عرض کرتے ہیں کہ ماذا؟ کیا بات ہے۔ان بندوں پر یہ عنایت کس خاص سبب سے مبذول ہو رہی ہے۔ارشاد ہوتا ہے کہ ان بندوں نے حق بات کہی مجھے بلاشرکت غیرے الٰہ مانا میرے رسول اور میری کتاب

کو تسلیم کیا۔ان کے اعتراف حق سے میں خوش ہوں اس لیے ان کے حق میں میرے حضور سفارش کرو۔تب وہ مومنین کے حق میں دعا و سفارش کرتے ہیں۔سورۃ المومن کے پہلے رکوع میں ہے۔اَلَّذِیْنَ یَحْمِلون العرش و من حوله یسبحون بحمدربهم و یؤمنون به و یستغفرون للذین آمنوا ربنا وسعت کل شئ رحمة و علما فاغفر للذین تابوا و اتبعوا سبیلک وقهم عذاب الجحیم ربنا و ادخلهم جنات عدن التی وعدتهم و من صلح من آبائهم و ازواجهم و ذریاتهم انک انت العزیز الحکیم و قهم السیات و من تق السیئات یومئذ فقد رحمته و ذلک هو الفضل العظیم. چنانچہ ارشاد ہوا و لا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له اور اس کے نزدیک سفارش سودمند نہیں ہوتی مگر اسی کی جسے اس نے سفارش کرنے کی اجازت دی ہو۔

حتی اذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو عرض کرتے ہیں کیا بات ہے قال ربکم قالوا الحق تمہارا رب ان سے فرماتا ہے۔(جن بندوں کے حق میں تمہیں شفاعت کا اذن ہوا ہے) انہوں نے بکی سچی بات کہی ہے وهو العلی الکبیر اور وہ اونچی شان والا بزرگی والا ہے اس لیے اس کے متعلق بندوں کو حق بات ہی کہنی چاہئے۔الشفاعۃ مصدر ہے۔من اذن لہ اس کا فاعل ہے۔(مفتاح القرآن میں جو لکھا ہے یہ اس کا ملخص ہے)

مبحث ثالث

ابن عینیہ نے بتایا تھا کہ میرے شیخ عمرو بن دینار نے سورۂ سبا کی آیت میں اذا فزع عن قلوبهم پڑھا تھا ساتھ ہی ابن عینیہ نے یہ اعتراف بھی کیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ عمرو بن دینار نے یہ کسی عالم و قاری سے سنا تھا یا از خود ہی یہ لفظ پڑھتے تھے۔مگر ابن عینیہ نے بتایا کہ ہماری قرأۃ یہ ہی ہے یعنی ہم فزع کی بجائے اس آیت میں فُزّعَ (رائے مکسورہ مشددہ اور غین معجمہ کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔(صحیح بخاری ص۶۸۲ و ۱۱۱۵) میں کہتا ہوں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سفیان بن عینیہ سفیہ و کم عقل محدث تھا۔قرآن کریم کا ہر لفظ تواتر کے ساتھ منقول ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس آیت میں فزع پڑھا پڑھایا اور لکھایا تھا۔یہ

ہی صحابہ کرام نے یاد کیا۔ یہ ہی مصاحف میں لکھا گیا۔ عین ممکن ہے کہ عمرو بن دینار نے فزع ہی پڑھا ہو اور ابن عینیہ کی سمجھ میں فُزِّعَ آیا ہو تو اس کی تحقیق کر لیتے۔ یہ کوئی تک کی بات ہے کہ ثابت و محقق لفظ کو چھوڑ کر قرآن میں وہ لفظ پڑھا جائے جو ثابت نہ ہو محض اس لیے کہ عمرو بن دینار نے ایسا پڑھا تھا۔ کوئی ابن عینیہ سے پوچھتا کہ قرآن محمد ﷺ پر اترا ہے یا عمرو بن دینار پر۔

(۵۸) قرآن فہمی میں بخاری و سفیان بن عینیہ

کی داد دینے کے لیے یہ پڑھیے جو کتاب التفسیر میں بخاری نے جزم کے ساتھ لکھا ہے۔ "و قال ابن عينيه عن صدقة انكاثا هي خرقاء كانت إذا ابرمت غزلها نقضه (صحیح بخاری ص ۶۸۳) یعنی ابن عینیہ نے صدقہ ابوالہذیل سے روایت کر کے انکاثا کے متعلق کہا۔

بخاری نے پوری بات نہیں لکھی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن عینیہ نے صدقہ ابوالہذیل سے روایت کی ہے اس نے سدی سے ان امراة خرقاء حمقاء كانت بمكة كان هذا دابها. تغزل كل يوم ثم تنقض غزلها. سدی نے صدقہ ابو الہذیل کو بتایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت تھی بے وقوف بے عقل وہ دن بھر سوت کاتا کرتی پھر (شام) کو بٹے ہوئے دھاگوں کے بل ادھیڑ دیتی۔ اللہ تعالیٰ نے 'و لا تكونو كالتى نقضت غزلها من بعد قوةٍ انكاثا' میں اسی عورت کا ذکر کیا ہے کہ قسم توڑ کر یا عہد کی خلاف ورزی کر کے اس عورت جیسے نہ بنو۔ میں کہتا ہوں کہ سدی کے متعلق تو سب جانتے ہیں کہ جھوٹا اور دروغ باف شخص تھا اور اس کا تلمیذ صدقہ بن ابی عمران کوئی بھی ثقہ شخص نہ تھا۔ یحییٰ بن میمن نے اس کے متعلق کہا ہے "ليس بشئ (خلاصہ) تعجب ہے کہ بخاری نے سدی کے کذاب ہونے اور صدقہ ابوالہذیل کے غیر ثقہ ہونے کو نظر انداز کر دیا اور اس کی بیان کردہ یہ جھوٹی روایت جزم و یقین کے ساتھ ذکر فرما دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اپنے معنی ومفہوم میں بالکل واضح ہے۔یعنی عہد و پیمان اور قسم کے ذریعہ کسی کام کو اپنے اوپر لازم کر لینا سوت کاتنے کے مشابہ ہے۔کاتنے والی محنت کر کے روئی وغیرہ کو کات کر بل دے کر تاگے کی شکل میں لاتی ہے۔ان تاگوں سے کپڑے بنے جاتے ہیں مگر اس نامراد و بے وقوف عورت کو کیا کہا جائے جو محنت کر کے سوت کاتے پھر کاتے ہوئے سوت کے بل اتار کر اسے ریزہ ریزہ کر ڈالے۔یعنی عہد وقسم کی خلاف ورزی ایسی ہی حماقت ہے۔اَنکاث کا واحد نِکث ہے بمعنی ریزہ، قطعہ۔پس آیت میں ''التی نقضت غزلها'' کسی واقعہ یا قصہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ بطور تمثیل ہے۔

---

(۵۹) ولا تجهر بصلاتک و لا تخافت بها کے متعلق حدیث ابن عباس

ہشیم بن بشیر نے ابو بشر یعنی جعفر بن ابی وحشیہ سے۔اس نے سعید بن جبیر سے اس نے عبداللہ بن عباس سے و لا تجهر بصلاتک و لاتخافت بها و ابتغ بين ذلک سبيلا کے متعلق روایت کی ہے کہ نزلت و النبی ﷺ مختفی بمكة فكان اذا صلى باصحابه رفع صوته بالقرآن فاذا سمع المشركون سبوا القرآن و من انزله و من جاء به فقال الله لنبيه و لا تجهر بصلاتک ای بقراء تک فيسمع المشركون فيسبوا القرآن و لا تخافت بها عن اصحابک فلا تُسمِعَهم و ابتغ بين ذلک سبيلا (صحیح بخاری ص ۱۱۲۳ کتاب التوحید اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ انزلت و رسول الله ﷺ متوارٍ بمكة فكان اذا رفع صوته سمع المشركون فسبوا القرآن و من انزله و من جاء به فقال الله و لا تجهربصلاتک حتى يسمع المشركون و لا تخافت بها عن اصحابک فلا تسمعهم و ابتغ بين ذلک سبيلا اسمعهم و لا تجهر حتى ياخذوا عنک القرآن (ص ۱۱۱۶ کتاب التوحید اور ایک روایت میں ہے کان النبی ﷺ متواريا بمكة و كان يرفع

صوته فاذا سمعه المشركون سبوا القرآن و من جاء به فقال الله لنبيه و لا تجهر بصلاتک و لا تخافت بها (ص ۱۱۲۶ کتاب التوحید) بخاری نے یہ حدیث چار جگہ ذکر کی ہے۔ صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں بھی ہے (صحیح مسلم اص ۱۸۳ طبع ہند کتاب الصلاۃ، سنن ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الاسراء)

بقول سعید بن جبیر ابن عباس نے بتایا کہ اس میں صلاۃ سے مراد قراءۃ قرآن ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں مشرکین سے چھپے ہوئے تھے (یعنی دارارقم میں قیام پذیر تھے) تو آپ صحابہ حاضرین کو نماز پڑھاتے تو قرآن کریم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ باہر سے مشرکین سنتے تو قرآن کو۔ قرآن اتارنے والے کو قرآن لے کر آنے والے کو گالیاں بکتے۔ تو اللہ نے فہمائش فرمائی کہ اتنی اونچی آواز سے نہ پڑھو کہ کفار سن کر گالیاں بکیں نہ اتنی پست آواز سے کہ نماز پڑھنے والے مسلمانوں کو سنائی نہ دے۔ درمیانی راہ اختیار کرو۔

شعبہ نے بھی ابو بشر سے اور اس نے سعید بن جبیر سے اس کی روایت کی ہے۔ اس نے عبداللہ بن عباس کا نام نہیں لیا۔ یہ بتایا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا تھا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں روپوش تھے۔ الخ باقی مضمون وہی ہے شعبہ کی روایت ترمذی نے تخریج کی ہے۔ پس ابو بشر سے اس کی روایت ہشیم بن بشیر اور شعبہ بن حجاج نے کی ہے۔ ہشیم کی روایت کے مطابق یہ ابن عباس کی بیان کی ہوئی ہے اور شعبہ کی روایت کے مطابق خود سعید بن جبیر کی کہی ہوئی بات ہے۔ اور تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ شعبہ ہشیم سے بدرجہا حفظ وضبط میں اور ثقہ ہونے میں فائق ہیں۔ اس لیے ماننا چاہئے کہ ہشیم نے ابن عباس کا ذکر غلطی سے کردیا ہے درست بات یہ ہی ہے کہ یہ سعید بن جبیر کی اپنی اڑائی ہوئی بے پر بات ہے۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے ابن عباس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور سعید بن جبیر کی مرسل روایت کوئی وزن نہیں رکھتی۔ اور یہ کہنا کہ اس آیت میں صلاۃ سے مراد قراۃ ہے قطعاً غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہی بتانا ہوتا تو وہ لا تجھر بقراء تک فرمانے سے عاجز نہ تھا۔ الغرض یہ سعید بن جبیر کی روایت قطعاً صحیح

نہیں ہے۔اس آیت کے صحیح مطلب کا بیان آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

حضرت عائشہ کا قول

عروہ بن زبیر نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کا اس آیت کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی اس میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ دعا نہ بلند آواز سے کرو نہ آہستہ آہستہ بلکہ معتدل آواز سے کیا کرو (صحیح بخاری ص ۶۸۷، ص ۹۳۶، کتاب الدعوات و ص ۱۱۲۳ کتاب التوحید امام بخاری نے تین جگہ عروہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ ام المؤمنینؓ نے اس آیت کے متعلق فرمایا تھا "نزلت فی الدعاء" مگر کہیں بھی عروہ نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے ام المؤمنین سے یہ سنا ہے یا انہوں نے مجھے بتایا یا مجھ سے یہ بیان کیا۔ ہر جگہ عن عائشۃ ہے اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ فی الواقع ام المومنینؓ نے یہ فرمایا تھا ہو سکتا ہے کہ کسی اور شخص نے ان کی طرف منسوب کر کے عروہ سے یہ بیان کر دیا ہو کیونکہ دعا کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے ادعوا ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین (الاعراف) اور یہ آیت دعا کے متعلق ہوتی تو و لا تجهر بدعائک و لا تخافت به فرمایا جاتا۔ اس سے یہی سمجھ میں آیا ہے کہ حضرت ام المومنینؓ نے یہ بات نہیں کہی تھی۔

اس آیت کی صحیح تفسیر

صلاۃ یعنی نماز جن اذکار پر مشتمل ہے وہ سب کے سب نہ بہ آواز بلند پڑھنے چاہئیں نہ سب کے سب پست آواز سے۔ بعض کی ادائیگی جہرا ہو بعض کی سرا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے اور بحمد للہ اہل اسلام کا اسی پر عمل ہے۔ آپ نے اپنے متواتر عمل سے بتایا ہے کہ تمام تکبیریں اور تسمیع یعنی سمع الله لمن حمده کہنا اور آخر میں سلام امام ہر نماز میں بلند آواز سے کہے نیز نماز فجر و نماز جمعہ و نماز عیدین اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد بلند آواز سے قرآن پڑھے۔ اور امام و مقتدی سب نماز پڑھنے والے دعائے افتتاح و ثنا اور رکوع و سجود کی

تسبیحات۔قومہ وجلسہ کا ذکر اور تشہد سرا پڑھیں۔اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو جو فہمائش فرمائی گئی ہے۔اسی کی آپ نے امت کو تعلیم دی ہے۔

---

(٦٠) قیامت کے دن موت کو ذبح کرنے کی حدیث جو بطریق اعمش ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے

اعمش نے ابوصالح ذکوان مدنی سے اس نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یوتی بالموت کھیأۃ کبش املح فینادی منادی یا اھل الجنۃ فیشرئبون و ینظرون فیقول ھل تعرفون ھذا فیقولون نعم ھذا الموت و کلھم قدرآہ ثم ینادی یا اھل النار فیشرئبون وینظرون فیقول ھل تعرفون ھذا فیقولون نعم ھذا الموت وکلھم قدرآہ فیذبح ثم یقول یا اھل الجنۃ خلود فلاموت و یا أھل النار خلود فلا موت ثم قرء و انذرھم یوم الحسرۃ اذ قضی الامر و ھم في غفلۃ و ھم لایؤمنون ھؤلاء في غفلۃ اھل الدنیا وھم لا یؤمنون. (صحیح بخاری ۶۹۱)

یہ حفص بن غیاث کی اعمش سے روایت ہے (سورۃ مریم کتاب التفسیر) صحیح مسلم ص۲۹۵ طبع مصر کتاب صفۃ القیامۃ و الجنۃ و النار یہی ابومعاویہ کی اعمش سے روایت ہے اس میں ہے ثم قرء رسول اللہ ﷺ۔

جریر نے بھی اعمش سے اس کی روایت کی ہے۔اس میں ثم قرأ رسول اللہ ﷺ نہیں ہے۔فذلک قولہ عز و جل و انذرھم یوم الحسرۃ اذا قضی الامر'' ہے۔اورابوالمغیرۃ نضر بن اسماعیل کوفی نے جو ایک واعظ اور نہایت ضعیف ومنکر الحدیث یعنی غلط بیان شخص تھا اعمش سے اسی اسناد کے ساتھ یوں روایت کی ہے۔قرء رسول اللہ ﷺ و انذرھم یوم الحسرۃ الآیۃ. قال یؤتی بالموت کانہ کبش

املح حتی یوقف علی السوریین الجنة و النار فیقال یا اهل الجنة فیشرئبون و یقال یا اهل النار فیشرئبون فیقال هل تعرفون هذا؟ فیقولون نعم هذا الموت فیضجع فیذبح فلولا ان اللہ قضی لاهل الجنة البقاء والحیاۃ لما توا فرحا ولولا ان اللہ قضی لاهل النار الحیاۃ فیها و البقاء لما توا ترحاً. (ترمذی ابواب التفسیر سورۃ مریم)

ترمذی نے اسے حسن صحیح بتایا ہے حالانکہ اس کا اکثر حصہ موضوع ہے۔ اعمش کی بیان کردہ حدیث میں ظالم نضر بن اسماعیل ابوالمغیرۃ نے اپنی طرف سے کچھ اضافے کر کے اس کی روایت کر دی تھی۔

پس اعمش سے یہ حدیث حفص بن غیاث وابومعاویہ وجریر وابوالمغیرۃ نے روایت کی ہے۔ ان سب کی اسناد الاعمش عن ابی صالح عن ابی سعید الخدری ہے۔ ان سب کے برخلاف اسباط بن محمد نے اعمش سے اس کی روایت کی ہے اس نے اسناد میں ''عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ کہا ہے اس کی تخریج نسائی نے السنن الکبری کی کتاب التفسیر میں کی ہے۔ (تحفة الاشراف ۹ ابو صالح عن ابی هریرة)

ظاہر ہے کہ یہ اسباط کی بھول ہے ثابت بات یہ ہوئی کہ بروایت اعمش یہ ابوسعید خدری سے مروی حدیث ہے۔

ابوالمغیرۃ کی روایت میں جس کی ترمذی نے تخریج کی ہے یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت و انذرهم یوم الحسرة پر موت کے ذبح کیے جانے کا ذکر کیا تھا۔ لیکن ابوالمغیرۃ کے علاوہ دیگر اشخاص کی روایت میں آیت کا ذکر بعد میں ہے۔ یہ ہی صحیح ہے ابوالمغیرۃ کی بات غیر ثقہ ہونیکی وجہ سے واجب الرد ہے۔ پھر ابومعاویہ نے کہا ہے کہ موت کے ذبح ہونے کا تذکرہ کر کے رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تھی۔ حفص و جریر نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ہی صحیح ہے درست بات یہ ہے کہ حدیث مذکور بیان کرنے کے بعد خود اعمش نے یہ آیت پڑھی تھی یہ بتانے کے لیے کہ آیت میں جو اذ قضی الامر آیا ہے تو اس سے یہ ہی موت کا ذبح کیا جانا مراد ہے۔ ان باتوں کو سمجھ لینے کے بعد اعمش

کی روایت کی ہوئی یہ حدیث سمجھیے۔ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں جا گزیں ہو چکیں گے تو موت کو ایک بھورے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اہل جنت کو پکارا جائے گا کہ اسے دیکھو۔ وہ گردنیں لمبی کر کے اسے دیکھیں گے۔ کہا جائے گا کہ اسے پہچانتے ہو؟ کہیں گے۔ جی ہاں یہ موت ہے۔ پہچان لینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب اسے پہلے ہی دیکھ چکے تھے یعنی اس کا ذائقہ چکھ چکے تھے پھر اہل جہنم کو پکارا جائے گا کہ اسے دیکھو وہ بھی گردنیں لمبی کر کے دیکھیں گے۔ کہا جائے گا کیا اسے پہچانتے ہو؟ کہیں گے۔ ہاں ہم اسے پہچانتے ہیں۔ یہ موت ہے، وہ سب بھی پہلے ہی اسے دیکھ چکے تھے۔ پس اسے ذبح کر دیا جائے گا تب منادی پکار کر کہے گا۔ اے اہل جنت تمہیں ہمیشگی ہے اس حدیث میں جھول یہ ہے کہ یہ نہیں بتایا کہ کیا اہل جنت اپنے محلات کی چھتوں پر چڑھ کر اس مینڈھے کو دیکھیں گے یا جنت کے صدر دروازے سے باہر آ کر صف بستہ کھڑے ہو کر اس کا مشاہدہ کریں گے۔ نہ ہی اہل جہنم کے متعلق کچھ مذکور ہے۔ یا ہر ایک فرد کو ایک ایک طاقتور دوربین دے دی جائے گی۔

پھر وہ سب اہل جنت بھی اور اہل جہنم بھی بھورے مینڈھے کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ موت ہے اس لیے کہ وہ سب پہلے ہی اسے دیکھ چکے تھے تو کیا دنیا میں ہر مومن اور ہر کافر کو جب موت آتی ہے تو بھورے مینڈھے کی شکل میں دکھائی دیتی ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو اس حدیث کی صحت کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔

---

(۶۱) لرادک الی معاد کی ابن عباس کی طرف منسوب تفسیر

بخاری نے کہا ہے

حدثنا محمدبن مقاتل المروزی قال اخبرنا یعلیٰ قال حدثنا سفیان العصفری عن عکرمة عن ابن عباس لرادک الی معاد الیٰ مکة (صحیح

بخاری ص ۷۰۳) آخر تفسیر سورۃ القصص)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد.
سفیان بن دینار تمار عصفری نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عباس نے اس آیت میں معاد سے مراد مکہ بتایا تھا۔ الی معاد یعنی الی مکۃ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بتایا تھا کہ تسلی رکھئے اللہ آپ کو مکہ کی طرف واپس فرمانے والا ہے کیونکہ آپ کو ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر مکہ سے جدائی بڑی شاق گذر رہی تھی اور افسوس ہوتا تھا کہ کافروں کے ظلم وستم کی وجہ سے ہم اللہ کے حرم محترم سے دور آپڑے ہیں۔ اس قول پر لازم آتا ہے کہ یہ آیت مدنیہ ہو۔ حالانکہ پوری سورۃ القصص مکیہ ہے اور ہجرت سے بہت پہلے نازل ہوئی تھی۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت سفر ہجرت میں نازل ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ بات نہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھی نہ آپ کے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پھر اس قائل کو کیسے معلوم ہوگئی۔ الغرض عکرمہ نے ابن عباس کی طرف معاد کی جو تفسیر منسوب کی ہے وہ خود عکرمہ کی ہی غلط بیانی معلوم ہوتی ہے۔ کسی نے اس آیت میں معاد کو آخرت کسی نے موت کسی نے قبر کے معنیٰ میں بتایا ہے اور یہ سب اقوال بھی ابن عباس کی طرف منسوب ہیں۔ جھوٹے راویوں نے معاد کو جس معنیٰ میں سمجھا لوگوں میں اسے رواج دینے کی غرض سے ابن عباس کے سر منڈھ دیا کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس سے پہلی آیت سے اسے مرتبط سمجھ کر اس کے معنیٰ پر غور کرتا۔ پہلی آیت یہ ہے من جاء بالحسنة فله خیر منها جو شخص اچھی سیرت لے کر آیا تو اس کے لیے اس سے بہتر ہے۔ و من جاء بالسیئة فلا یجزی الذین عملوا السیئت الا ما کانوا یعملون.

اور جو شخص بری سیرت لے کر آیا تو ان لوگوں کو جنہوں نے برے کام کیے وہی تو بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے رہے تھے۔

قرآن اسی اچھی سیرت کا داعی وہادی ہے۔ بندوں کو جس اچھی سیرت کا حامل ہونا چاہئے وہ موقوف ہے کتاب اللہ پر کاربند ہونے پر۔ مگر حضرت ابراہیم پر اترا ہوا صحیفہ گم

ہو چکا تھا۔ تورات وانجیل میں تحریفات کردی گئی تھیں تو بندوں کو پسندیدہ سیرت کی طرف واپس کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہا تھا۔ تدریجی طور پر رسول اللہ کو اللہ نے اصلاً اور تمام بندوں کو تبعاً اسی سیرت کی طرف واپس کرنے اور اسی پسندیدہ معاد (جائے بازگشت) کی طرف پھیر دینے کا اہتمام کر کے آپ کو راست رو اور راست روی کا داعی و ھادی بنا دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد بے شک جس نے تجھ پر قطعہ قطعہ کر کے قرآن اتارا یقیناً تجھے واپس فرمانے والا ہے واپسی کی جگہ کی طرف۔ قل ربی اعلم من جاء بالھدی و من ھو فی ضلال مبین کہہ میرا رب خوب جاننے والا ہے کہ کون رہنمائی لایا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔

---

(۶۲) واھبۃ النفس عورتوں کے متعلق ام المومنینؓ کی حدیث

ابو اسامہ یعنی حماد بن اسامہ نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے والد عروہ بن زبیر سے اس نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا

> کنت اغار علی اللاتی وھبن انفسھن لرسول اللہ ﷺ و اقول اتھب المرأۃ نفسھا؟ فلما انزل اللہ تعالیٰ ترجی من تشاء منھن و تؤوی الیک من تشاء و من ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک قلت ما اری ربک الا یسارع فی ھواک (صحیح بخاری ص ۷۰۶ سورۃ الاحزاب)

یہ حدیث موضوع نہیں ہے مگر غلط ہے۔ عروہ سے اس کو نقل کرنے میں سخت چوک ہوئی ہے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا تھا وہ عروہ نے ذکر نہیں کیا اس لیے یہ حدیث مہمل و بے معنی ہو گئی ہے۔ ابو اسامہ کی بیان کی ہوئی یہ حدیث سنن نسائی و صحیح مسلم

میں بھی ہے۔ (سنن نسائی کتاب النکاح، حدیث ۴) (صحیح مسلم ا ص ۴۷۳، کتاب النکاح طبع ہند)

ابواسامہ کی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا مجھے ان عورتوں پر غصہ آتا تھا جنہوں نے اپنے نفوس رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کردیئے تھے (کہ یا رسول اللہ آپ ہمارے متعلق جو چاہیں فیصلہ فرمائیں خواہ ہمیں اپنی زوجیت میں لے لیں خواہ اور لوگوں کی زوجیت میں دے دیں) اور میں کہتی تھی کیا عورت اپنی ذات کو ہبہ کرتی ہے۔ (یہ تو بڑی ننگ و عار اور بے شرمی کی بات ہے) محمد بن فضیل نے ہشام سے اسی اسناد کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ عروہ نے کہا

كانت خولة بنت حكيم من اللاتى وهبن انفسهن للنبى ﷺ فقالت عائشة اما تستحيى المرأة ان تهب نفسها للرجل. فلما نزلت ترجى من تشاء منهن و تؤوى اليک من تشاء قلت يا رسول الله ما ارى ربک الا يسارع في هواک (صحيح بخارى ۷۶۷ ، كتاب النكاح) باب هل تهب المراة نفسها لاحد.

خولة بنت حكيم قديمة الاسلام مهاجره صحابيه ہیں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے نکاح میں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد خود کو بقول عروہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کردیا۔ آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک صاحب سے ان کا نکاح کردیا۔

عبدہ بن سلیمان کلابی نے بھی ہشام سے اسی اسناد کے ساتھ عبدہ سے ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس سے امام مسلم و ابن ماجہ نے **انها كانت تقول اما تستحى المرأة تهب نفسها لرجل** ۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ **اما تستحى المرأة ان تهب نفسها للنبى ﷺ (ص ۱۴۵ ، ابواب النكاح طبع هند)** محمد بن بشر نے ہشام سے یہ روایت کی ہے:

انها كانت تعير النساء اللاتى وهبن انفسهن لرسول الله ﷺ قالت الا تستحى المراة تهب نفسها بغير صداق. فانزل الله ترجى من

تشاء الأية قالت انى ارى ربک عزو جل يسارع لک في هواک
(مسند ٦ ص ١٥٨)

یہ جملہ روایات بتارہی ہیں کہ ام المومنینؓ کے نزدیک عورت کا خود کو ہبہ کرنا ننگ و عاراور بے شرمی کا کام تھا۔ آیت ترجی من تشاء نے نازل ہوکران کے اس خلجان کو رفع کیا۔۔سوال یہ ہے کہ آیت ترجی من تشاء کا تو واہبۃ النفس کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔اس آیت کا مضمون تو یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول پر بیویوں کے درمیان عدل کرتے اور شب باشی میں سب کو برابر رکھنے کو لازم نہیں کیا۔آپ کو اختیار دیا ہے کہ جس بیوی کو چاہیں طلب فرمائیں اور جس کو جو چاہیں دیں آپ پر کوئی پابندی نہیں حالانکہ دیگر مسلمانوں پر جن کے یہاں ایک سے زائد بیویاں ہوں عدل کی پابندی لازم ہے۔اس آیت سے ام المومنینؓ کا واہبۃ النفس کے متعلق خلجان رفع ہونے کی کوئی تک نہیں ہے۔ دراصل ام المومنینؓ نے عروہ کو بتایا تھا کہ

"كنت اغار على اللاتى وهبن انفسهن لرسول الله ﷺ و اقول اليس فيهن جباء. فانزل الله في ذلک "و امراة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبى ان اراد النبى ان يستنكحها.

عروہ کو ام المومنینؓ کی فرمائی ہوئی بات یاد نہیں رہی اور کچھ کا کچھ کہہ دیا۔ بخاری وغیرہ نے غور نہیں کیا اور ناقص حدیث کی تخریج کردی۔

(٦٣) مروان وعبدالرحمٰن بن ابوبکر کا قصہ

بخاری نے کہا ہے

حدثنا موسى بن اسماعيل قال ثنا ابو عوانة عن ابى بشر (جعفر بن ابى وحشية عن يوسف بن ماهک قال كان مروان على الحجاز استعمله معاوية فخطب فجعل يذكر يزيد بن معاوية لكى يبايع له بعد ابيه قال له

عبد الرحمن بن ابی بکر شیئاً فقال خذوہ فدخل بیت عائشة فلم یقدروا علیه فقال مروان ان ھذا الذی انزل اللہ فیہ و الذی قال لوالدیه اف لکما الآیة. فقالت عائشة من وراء الحجاب ما انزل اللہ فینا شیئاً من القرآن الا ان اللہ انزل عذری (صحیح بخاری ص ۷۱۵ سورة الاحقاف کتاب التفسیر)

یوسف بن ماہک مکی نے کہا کہ مروان معاویہ کی طرف سے صوبہ حجاز کا حاکم (وائسرائے) تھا تو اس نے مسجد نبوی میں تقریر کی تو یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا (کہ وہ ایسا ایسا صالح و فائق جوان ہے اور امیر المومنین معاویہ نے اسے اپنا جانشین بنانا طے کر لیا ہے) مقصد یہ تھا کہ معاویہ کے بعد یزید کے لیے بیعت کی جائے۔ اس پر ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے کچھ کہہ دیا۔ مروان نے کہا اسے پکڑ لو۔ عبدالرحمٰن بھاگ کر اپنی بہن ام المومنین عائشہ کے گھر میں گھس گئے۔ اس وجہ سے لوگ ان پر قابو نہ پا سکے تب مروان نے کہا یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق اللہ نے یہ آیت اتاری ہے۔

"والذی قال لوالدیه اف لکما اتعداننی ان اخرج و قد خلت القرون من قبلی وھما یستغیثان اللہ ویلک آمن ان وعد اللہ حق . فیقول ماھذا الااساطیر الاولین. (سورۃ الاحقاف ع۲)

یہ سن کر حضرت عائشہ نے پردے کے پیچھے سے بہ آواز بلند فرمایا۔ اللہ نے ہمارے (یعنی ابوبکر کے گھرانے کے بارے میں کچھ نہیں اتارا بجز اس کے کہ میرا عذر تو نازل فرمایا تھا۔)

یہ قصہ اول سے آخر تک قطعاً جھوٹا ہے اگر فی الواقع ابو بشر جعفر بن ابی وحشیہ سے یہ قصہ یوسف بن ماھک نے بیان کیا تھا تو اس کا ذمہ دار یہی غلمتا تھا اس کا باپ ماھک بن مہران ایرانی تھا ماھک کے معنی ہیں چھوٹا سا چاند۔ حضرت عمر کے عہد میں مسلمانوں کی ایرانیوں سے جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں سے کسی جنگ میں پکڑے ہوئے بچوں میں تھا ایک قرشی مکی مجاہد کے حصہ میں لگا۔ اس نے اس کی پرورش کی اور آزاد کر دیا۔ یوسف اس کا

بیٹا تھا مکہ میں رہا سہا علم حاصل کیا اور دیگر ایرانیوں کی طرح حضرت معاویہ اور بنی امیہ سے دل میں بغض رکھتا تھا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس نے یہ نہیں سنا نہ مروان سے جو اس قصہ میں مذکور ہے۔ اب سنیے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۷ رمضان ۵۸ھ میں حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوئی ہے۔ اوران کے سگے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنھما کی وفات ۵۳ھ میں ہوچکی تھی مکہ مکرمہ سے آرہے تھے یا جارہے تھے کہ طبیعت خراب ہوئی اور حُبشی نامی مقام پر جان جاں آفریں کے سپرد کردی وہاں سے مکہ بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ حُبشی سے ان کا جنازہ لے جایا گیا اور مکہ میں دفن کیا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن تو کیا حضرت عائشہ رضی عنہا کی زندگی میں بھی یزید کی ولی عہدی کا مسلمانوں میں کوئی چرچا نہیں ہوا۔ حضرت معاویہ کی وفات ۲۶ رجب ۶۰ھ میں ہوئی ہے یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے ایک سال دس ماہ بعد ۵۹ھ میں حضرت معاویہ کو یہ فکر ہوا کہ میرا وقت آخر قریب آ گیا ہے تو کیا امت مسلمہ کو یوں ہی کسی خلیفہ کے بغیر چھوڑ جاؤں. اگر میں نے ایسا کیا تو قبائل عرب تباہ کن خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائیں گے. ہر قبیلہ چاہے گا کہ اس کا سردار ہی امیر المومنین بنے اور اگر کسی کو خلیفہ نامزد کردوں جیسا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ تو کسے؟ ایسا فرد جس پر ساری امت جمع ہو سکے کون ہوسکتا ہے۔ بعض اہل الرائے مخلصین نے امیر المومنین معاویہ کے بیٹے یزید کا نام پیش کیا۔ سنجیدگی سے معاویہ نے اس پر غور کیا تو یہ تجویز معقول نظر آئی آخر اس پر عزم فرمالیا۔ اور اسلامی مملکت کے تمام مرکزی مقامات میں یہ خبر ارسال کردی۔ الغرض یزید کی ولی عہدی کی تجویز حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی وفات سے کئی برس بعد منظر عام پر آئی تھی پھر جو قصہ یوسف بن ماھک نے بیان کیا اور بخاری نے اسے درج فرمادیا ہے کیسے درست ہوسکتا ہے۔ مروان بن حکم عالم و فاضل شخص تھے۔ یوسف بن ماھک نے بلکہ کسی بھی شخص نے مروان کے منہ سے یہ نہیں سنا کہ اس نے عبدالرحمٰن کو پکڑنے کا حکم دیا ہو. نہ کسی آنکھ نے یہ دیکھا کہ عبدالرحمٰن نے اپنی بہن کے گھر پناہ لی ہو. نہ کسی کان نے مروان کے منہ سے یہ سنا کہ اس نے برسر منبر عبدالرحمٰن

کے متعلق یہ دریدہ دہنی کی ہو کہ اس شخص کے بارے میں آیت والذی قال لوالدیہ اف لکما نازل ہوئی ہے اور حضرت عائشہؓ نے جواب میں پردے کے پیچھے سے یہ فرمایا ہو ماانزل اللہ فینا شیئا من القرآن الا ان اللہ انزل عذری ۔ یہ سب یوسف بن ماھک کی بکواس تھی۔

صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر نے بجائے اس کے کہ تاریخی طور پر اس قصہ کو پرکھتے یہ کہا ہے عذر سے مراد ام المومنین کے قول میں حادثہ افک میں ان کی برأت ہے حالانکہ کسی کو منظوم ومنثور کلام عرب میں عذر بمعنی برأت نہیں مل سکتا۔

---

(۶۴) لات کے متعلق ابن عباس کی طرف منسوب ایک قول

بخاری نے کہا ہے

حدثنا مسلم بن ابراھیم قال حدثنا ابو الاشھب قال حدثنا ابو الجوزاء عن ابن عباس فی اللات والعزی کان اللاتُ رجلاً یلت سویق الحاج مات فعبدوہ (صحیح بخاری ص ۷۲۰ سورہ النجم کتاب التفسیر)

ہم سے مسلم بن ابراہیم فراھیدی نے بیان کیا کہ ہم سے ابوالاشھب نے بیان کیا کہ ہم سے ابوالجوزاء نے بیان کیا عبداللہ بن عباس سے روایت کر کے لات وعزیٰ کے بارے میں کہ لات ایک مرد تھا جو حاجیوں کے ستو گھولا کرتا تھا۔ وہ مر گیا تو مشرکین کا معبود بن گیا۔

یہ بھی قطعاً جھوٹی روایت ہے ابوالاشھب کا نام جعفر بن حیان عطاردی ہے۔ اور حماد بن زید کہا کرتے تھے ابوالاشھب نے ابوالجوزاء سے کچھ نہیں سنا (تھذیب التھذیب) لہذا امام بخاری کی اسناد میں جو مذکور ہے کہ ابوالاشھب نے کہا تھا حدثنا ابوالجوزاء تو یہ غلط ہے۔ اور غالباً یہ غلطی بخاری کے استاذ مسلم بن ابراہیم کی ہے۔ اور ابوالجوزاء کا نام اوس بن عبداللہ ہے۔ بصرہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے دس حدیثیں روایت کی ہیں جو سب کی سب غیر

محفوظ ہیں جیسا کہ ابن عدی نے تصریح کی ہے نیز ابن عدی نے کہا ہے کہ ابو الجوزاء روی عن الصحابه ولم تصح روایته عنهم ۔یعنی اس نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی لت کے معنی خلط ملط کرنا گھولنا اس کا اسم فاعل لاتّ ہے ت کی تشدید کے ساتھ جیسے مادّ. فارّ کسی جاہل نے افرائیتم اللات والعزی سورۃ النجم کی آیت اللاّت پڑھ دیا تھا۔ اسے صحیح ثابت کرنے کے لئے ابن عباس کا یہ قول گھڑ کر روایت کر دیا گیا اور امام بخاری نے اسے درج صحیح فرمادیا۔ عبداللہ بن عباس۔علی بن ابی طالب ۔عبداللہ بن مسعود صحابہ کرام میں بڑی مظلوم ہستیاں ہیں راویوں نے ان کی طرف بکثرت جھوٹی باتیں منسوب کر کے ان پر بڑا ظلم ڈھایا ہے۔

(۶۵) سورۃ الجمعہ میں وآخرین منھم لمایلحقوا بھم کے متعلق ابوالغیث کی روایت کی ہوئی حدیثِ ابوھریرہ

سلیمان بن بلال نے ثور بن زید دئلی سے روایت کی ہے:

عن ابی الغیث عن ابی هریرة قال کنا جلوساً عند النبی ﷺ فانزلت علیه سورة الجمعة. وآخرین منهم لما یلحقوا بهم قال قلت من هم یا رسول الله. فلم یراجعه حتی سأل ثلاثاً. و فینا سلمان الفارسی فوضع رسول الله ﷺ یده علی سلمان فقال لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجال او رجل من هؤلاء. (صحیح بخاری ص۷۲۷ سورۃالجمعه کتاب التفسیر)

ابوالغیث یعنی سالم نے جو عبداللہ بن مطیع کا آزاد کیا ہوا غلام تھا ابوھریرہ سے روایت کی ہے۔ ابوھریرہ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی اس میں آخرین منھم کے متعلق میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ وہ کون ہیں آپ نے پوچھنے والے کو جواب نہیں دیا حتی کہ اس نے تین بار پوچھا۔ اور ہم میں سلمان فارسی بھی تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمان پر رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا

ستارے کے پاس ہوتا یعنی اسے حاصل ہونا بہت شاق و دشوار ہوتا تو ان میں سے چند لوگ یا ایک شخص اسے ضرور حاصل کر لیتے۔ میں نے اس حدیث کا لفظی ترجمہ کر دیا ہے ویسے اس کی عبارت میں دو شدید خرابیاں ہیں۔ اول یہ کہ اس میں تصریح ہے کہ سوال خود ابوھریرہ نے کیا تھا لہذا اس کے بعد یہ ہونا چاہئے فلم یردّ علیّ. یافلم یجبنی حتی سألته ثلا ثاً فلم یراجعه بھی اس میں غلط ہے۔ فلم یرجع علیه کہنا چاہئے تھا۔

(دوم) یہ کہ لوْ ماضی کے لئے آتا ہے جیسے تم کسی سے کہو لو جئتنی اَمْسِ لاعطیتک کذا. (اگر تو کل میرے پاس آیا ہوتا تو میں تجھے فلاں چیز دیتا) اور مستقبل کے لئے ان آتا ہے جیسے ان ذھبت الی البلدة اذھب معک. اگر تو شہر جائے گا تو میں تیرے ساتھ جاؤں گا۔ جس موقع کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ موقع ماضی کا نہیں بلکہ مستقبل کا مقتضی ہے۔ بتانا یہ تھا کہ ایمان اگر دشوار یاب ہو جائے تو اہل ایران میں کچھ لوگ ضرور اسے حاصل کر لیں گے۔ اور اس معنی کو عربی زبان میں لو کان الایمان عند الثریا کی بجائے ان کان الایمان عند الثریا سے تعبیر کرنا چاہئے تھا ان دونوں غلطیوں کو ابوھریرہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا ان میں سے پہلی غلطی تو سلیمان بن بلال کی ہے اور دوسری غلطی ابوالغیث کی۔ اس لئے کہ عبدالعزیز بن محمد دراوردی نے بھی ثور بن زید دکلی سے اس کی روایت کی ہے۔

قال ابوھریرۃ کنا جلوساً عند النبی ﷺ اذ نزلت علیه سورۃ الجمعة فلما قرء وآخرین منھم لما یلحقوا بھم قال رجل مَن ھؤلاء یا رسول الله فلم یراجعه النبی ﷺ حتی سأله مرتین او ثلا ثاً قال و فینا سلمان الفارسی قال فوضع النبی ﷺ یده علی سلمان ثم قال لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجال من ھؤلاء (صحیح مسلم. او اخر کتاب الفضائل)

علی بن مدینی کے باپ عبداللہ بن جعفر مدینی نے بھی ثور بن زید سے اسی طرح اس کی روایت کی ہے کہ ابوھریرۃ نے کہا

کنا عند رسول الله حین انزلت علیه سورۃالجمعة فتلا ھا فلمابلغ

وآخرين منهم لما يلحقوا بهم قال له رجل يا رسول الله مَن هؤلاء الذين لم يلحقوابنا فلم يكلمه قال وسلمان فينا فوضع رسول الله ﷺ على سلمان فقال والذی نفسی بیده لو کان الایمان بالثریا لتنا وله رجال من هؤلاء (سنن ترمذی. ابواب التفسیر. سورہ الجمعة)

پس ثور بن زید سے ابوالمغیث کی یہ حدیث سلیمان بن بلال وعبدالعزیز دراوردی اورعبداللہ بن جعفر مدینی نے روایت کی ہے۔سلیمان کی روایت عبارت کے لحاظ سے فاسد ہے۔عبدالعزیز اور عبداللہ بن جعفر کی روایت عبارت کے لحاظ سے درست ہے۔مگر عبدالعزیز بد حفظ وضعیف راوی ہےاور عبداللہ بن جعفر بے حد ضعیف ومنکر الحدیث شخص ہے۔ اور تینوں کی روایت میں لوَ کا غلط استعمال ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ابو ہریرہ کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ فصیح اللسان اورعربی نژاد صحابی تھے وہ حروف کوغلط استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ یہ غلطی ابوالغیث سالم کی ہے جو عجمی نژاد اور عبداللہ بن مطیع کا آزاد کردہ تھا۔ یہ تو اس حدیث میں سند اور عبارت کے لحاظ سے کلام ہے عقل ودرایت کے لحاظ سے اسے پرکھئے تو اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ سورہ الجمعہ حضرت ابو ہریرہ کے سامنے نازل ہوئی۔اس کے نزول کے وقت وہ دیگر اصحاب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھےاور سب جانتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کو مدینہ کے اندر خدمت اقدس میں بیٹھنے کی سعادت ۷ھ میں خیبر کے بعد حاصل ہوئی ہے۔وہ جب مسلمان ہوکر مدینہ آئے تو آپ مع اکثر اصحاب خیبر میں تھے۔ابو ہریرہ مدینہ سے خیبر اس وقت پہونچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا اور آپ مجاہدین میں اموال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے وہاں سے لشکر اسلام کے ساتھ مدینہ واپس آکر رہے۔ پس ابوالغیث کی روایت کردہ اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ سورہ الجمعہ ۷ھ سے پہلے نہیں بلکہ ۷ھ میں یا اس کے بعد نازل ہوئی ہو حالانکہ اس سورہ کی اندرونی شہادت یہ ہے کہ یہ سورہ شریفہ ۲ھ یا ۳ھ میں نازل ہوئی ہے جب کہ قبائل یہود مدینہ ونواح میں موجود تھے یہود بنی قینقاع ۳ھ میں اور یہود بنی

نضیر ۴ھ میں جلاوطن کیے گئے پھر غزوۂ احزاب کے بعد متصلاً ۵ھ میں بنی قریظہ کی سرکوبی ہوئی اور مدینہ کی فضا یہود کے وجود سے صاف ہوگئی پس یہ سورہ شریفہ حضرت ابو ہریرہ کی آمد اور مدینہ میں قیام سے بہت پہلے نازل ہوچکی تھی۔

سالم ابوالغیث قلیل العلم شخص تھا اس نے صرف حضرت ابو ہریرہ سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ان کے علاوہ اور کسی صحابی سے اس کی روایت ثابت نہیں شاید اسے سورہ الجمعہ یاد نہ تھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے بھی بے خبر ہو کہ ابو ہریرہ کس سن میں مدینہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے میں سمجھتا ہوں کہ کسی یاوہ گو رافضی نے ابو ہریرہ کی طرف منسوب کرکے یہ حدیث اسے سنادی تھی اس لئے کہ اس حدیث کی کسی روایت میں بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ ابوالغیث نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے سننے کا دعویٰ کیا ہو۔ ہر روایت کی اسناد میں عن ابی ھریرہ ہے۔اس کے اصل راوی کو میں رافضی اس لئے سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ چاہتے تھے کہ اہل اسلام ایرانی لوگوں کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھیں اس لئے کہ ابولولوہ ایرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر مار کر شہید کیا تھا پھر ایرانی نومسلموں کا گروہ تمام صحابہ کرام سے کٹ کر حضرت علی کا دم بھرنے لگا تھا۔یہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان کے خلاف فتنہ بھڑکایا تھا اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ مسلمانوں میں باہم کشت وخون کرانے اور فساد بھڑکانے کی عرق ریز کوشش کی تھی جھوٹی حدیثیں گھڑنے میں یہ لوگ پیش پیش تھے۔عام اہل اسلام کے قلوب جو ایرانیوں سے پھرے ہوئے تھے اس کا ازالہ کرنے کے لئے جو حدیثیں گھڑی گئی تھیں ان ہی کی جنس سے یہ حدیث ہے جو سالم ابوالغیث کے ذریعہ لوگوں میں پھیلی تھی۔

---

(٦٦) کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے منکر تھے

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا قتیبہ بن سعید ثنا سفیان عن عاصم وعبدۃ عن زر قال سألت أُبی

بن کعب عن المعوذتین فقال سألت رسول اللهﷺ فقال قیل لی فقلت فنحن نقول کما قال رسول اللہ ﷺ

علی بن مدینی نے بھی سفیان بن عیینہ سے اسی اسناد کے ساتھ۔ اس کی روایت میں ہے کہ زر بن جیش نے کہا:

سألت ابی بن کعب قلت ابا المنذر ان اخاک ابن مسعود یقول کذا و کذافقال انی سألت رسول اللہ ﷺالخ (صحیح بخاری ص ۷۴۴ کتاب التفسیر)

بخاری نے قتیبہ و علی بن مدینی سے یہ چیستاں روایت کی تھی کاش کوئی بخاری سے پوچھتا کہ اس چیستاں کو درج صحیح فرمانے سے کیا حاصل ہوا۔

بل اس کی وضاحت امام احمد کی روایت میں ہے۔ امام احمد نے کہا ہے

حدثنا سفیان بن عیینه عن عبدة وعاصم عن زر قال قلت لاُبَیّ ان اخاک یحکّھما من المصحف فلم یُنکِر قیل لسفیان ابن مسعود قال نعم ولیستا فی مصحف ابن مسعود وکان یری رسول اللہ ﷺ یعوّذ بھما الحسن والحسین ولم یسمعه یقرء ھما فی شئی من صلاتہ فظن انھما عُوُذتان و اصرّ علی ظنه و تحقق البا قون کونھما من القرآن فاَو دعُوھما ایاہ (مسند احمد۵ ص ۱۳۰)

احمد بن حنبل کی اس روایت کے دو جزء ہیں پہلا جزء فلم یُنکِر تک ہے۔ یہ جزء سفیان بن عیینہ نے عبدۃ بن ابی البابہ اور عاصم بن بہدلہ دو شخصوں سے روایت کیا تھا۔ دوسرا جزء قیل لسفیان سے آخر تک ہے۔ یہ عبدۃ یا عاصم سے روایت کیا ہوا نہیں ہے۔ ابن عیینہ سے کسی نے پوچھا تھا ابن عیینہ نے اس کو جواب دیا تھا اور اس جواب کو کسی شیخ کی طرف منسوب نہیں کیا تھا پس یہ آخر تک ابن عیینہ کا ذاتی اور غیر مستند قول ہے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد احمد بن حنبل کی اس روایت کا ترجمہ سنئے۔ احمد نے کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا عبدہ اور عاصم سے روایت کرتے ہوئے ان دونوں نے زرّ بن حبیش سے

روایت کی زر نے ذکر کیا تھا کہ میں نے اُبی بن کعب سے کہا کہ آپ کا بھائی ان دونوں سورتوں یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کو مصحف سے کھرچ دیتا یعنی مٹا دیتا ہے۔تو ابی بن کعب نے اسے غلط نہیں بتایا یعنی یہ سن کر خاموش رہے۔ یہ نہیں کہا کہ میرا بھائی اچھا نہیں کرتا یا غلط کرتا ہے۔ابن عیینہ سے یہ سن کر کسی نے اس سے کہا کہ زر نے ابی بن کعب سے ان اخاک یحکھما من المصحف جو کہا تھا تو کیا اس نے لفظ اخاک بول کر عبداللہ بن مسعود کو مراد لیا تھا ؟ابن عیینہ نے کہا وہی مراد تھے۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے ابن عیینہ نے بتایا کہ یہ دونوں سورتیں عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں نہیں ہیں اور عبداللہ بن مسعود رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تھے کہ ان دونوں سورتوں سے حسن اور حسین دونوں نواسوں کی جھاڑ پھونک فرماتے ہیں اور ابن مسعود نے رسول اللہ ﷺ کو کسی بھی نماز میں یہ سورتیں پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔اور ابن مسعود نے یہ سمجھا تھا کہ یہ دونوں سورتیں حفاظتی دعا ہیں۔اور ابن مسعود اپنے اسی گمان پر ڈٹے رہے یعنی آخری دم تک اس سے رجوع نہیں کیا۔اور ان کے علاوہ دیگر سب صحابہ کو ان دونوں سورتوں کے من جملہ قرآن ہونے کا یقین ہوا تھا اس لیے انہوں نے یہ سورتیں مصحف شریف میں رکھی تھیں۔پس سفیان بن عیینہ نے زر بن حبیش کے ابی بن کعب سے پوچھنے کا تذکرہ تین شخصوں سے کیا تھا قتیبہ سے علی بن عبداللہ مدینی سے احمد بن حنبل سے اور اللہ کے بندے نے کسی کو بھی پوری بات نہیں بتائی۔تینوں کی روایت سامنے رکھنے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کا قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس (جنہیں عرف قراء میں معوذتین کہا جاتا ہے) کے بارے میں جو خیال تھا اس کے متعلق زر بن حبیش نے حضرت ابی بن کعب سے پوچھا۔ابی بن کعب نے کہا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کو اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس کہنے کا حکم دیا ہے لہذا اعوذ برب الفلق الخ اور اعوذ برب الناس ملک الناس الخ پڑھنا چاہیے۔اس کے شروع میں قل کیوں پڑھا جائے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قل کے ساتھ ہی اعوذ برب الفلق اور قل کے ساتھ ہی اعوذ برب الناس کہنے کی تعلیم دی

گئی ہے۔اسی تعلیم کے مطابق میں پڑھتا ہوں۔ابی بن کعب نے کہا اسی کے مطابق ہم سب مسلمان پڑھتے ہیں۔مطلب ابی بن کعب کا یہ تھا کہ معوذتین پڑھنے کی چیز ہیں لہذا قرآن ہیں جیسے **قل رب زدنی علما** اور **قل رب اعوذ بک من همزات الشیاطین** قرآنی آیات ہیں۔

ابی بن کعب کے اس جواب کو ابن عیینہ نے کج فہمی و ژولیدہ بیانی کی وجہ سے صحیح انداز سے نقل نہیں کیا اور احمد بن حنبل کی روایت یہ بتاتی ہے کہ زر بن حبیش نے ابی بن کعب سے ابن مسعود کے اس فعل کے متعلق پوچھا تھا کہ آپ کا بھائی معوذتین کو مصحف سے مٹاتا ہے اس پر ابی بن کعب خاموش رہے ابن مسعود کے اس فعل کو غلط نہیں بتایا اگر ابن عیینہ کا یہ بیان صحیح ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ابن مسعود کی طرف اس فعل کی نسبت انہیں جچی نہیں.زر بن حبیش کی تغلیط کر کے اس کی دل آزاری بھی انہیں مناسب نہ لگی اس لئے خاموش رہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ابن عیینہ نے اس کی اسناد میں عاصم بن بہدلہ کے ساتھ عبدہ کا ذکر بھی غلطی سے کر دیا تھا کیونکہ عبدہ سے کسی نے بھی اس کی روایت نہیں کی اور عاصم سے اس کی روایت ابن عیینہ ابوبکر بن عیاش، سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن سلمہ، ابوعوانہ اور اعمش نے بھی کی ہے ابوبکر و ثوری و شعبہ و حماد و ابوعوانہ کی روایت مسند احمد ۵ ص ۱۲۹ پر ہیں۔سب کا مضمون یہ ہے کہ ابی بن کعب نے زر بن حبیش کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کو **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھنے کا حکم ہوا تھا یعنی قل کے ساتھ یہ ہی حکم ہمارے لئے ہے ہمیں بھی ایسے ہی پڑھنا ہے۔

اب اعمش کی روایت پڑھئے امام احمد کہتے ہیں:

حدثنی محمد بن الحسین بن اشکاب ثنا محمد بن ابی عبیدۃ بن معن ثنا ابی عن الا عمش عن ابی اسحاق عن عبدالرحمن بن یزید قال کان عبداللہ بن مسعود یحک المعوذتین من مصاحفہ و یقول انھما لیستا من کتاب اللہ قال الاعمش وحدثنا عاصم عن زر عن ابی بن کعب قال سألنا عنھما رسول اللہ ﷺ قال فقیل لی(یعنی اقرء قل اعوذ) فقلت

(ای فقراتُ قل اعوذ) (مسند ۵ ص ۱۲۹)

ثابت ہوا کہ معوذتین کو مصحف سے حک کرنے کا ذکر عاصم بن بہدلہ نے نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن یزید نے کیا تھا حالانکہ عبدالرحمٰن بن یزید نے عبداللہ بن مسعود کا زمانہ نہیں پایا کسی نے یوں ہی غلط سلط اسے بتادیا تھا۔ اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ابن عیینہ سے یہ شدید غلطی ہوئی ہے کہ عاصم نے یہ قطعاً نہیں کہا تھا کہ عبداللہ بن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹادیا کرتے تھے لیکن ابن عیینہ نے غلط بات عاصم کی طرف منسوب کر کے روایت کر دی، یہ تو عبدالرحمٰن بن یزید کی کہی ہوئی بے سروپا بات ہے۔

الحاصل سفیان بن عینیہ سے اس کی اسناد میں بھی غلطی ہوئی ہے اور متن میں بھی۔ اسناد کی غلطی یہ ہے کہ عاصم کے ساتھ عبدہ کا بھی ذکر کردیا۔ حالانکہ عبدہ سے یہ حدیث مروی نہیں ہے بخاری نے دھوکا کھا کر اسے درج صحیح کردیا کیونکہ عاصم بن بہدولہ روایت حدیث میں بے حد ضعیف ہے اور عبدہ ثقہ ہے۔ دوسری غلطی ابن عینیہ کی یہ ہے کہ عاصم نے جو بات کہی تھی وہ ذکر نہیں کی اور عبدالرحمٰن بن یزید کی کہی ہوئی بات عاصم کے سر منڈھ دی۔

اب سفیان کا یہ قول لیجئے کہ کان ابن مسعود یری رسول الله ﷺ یعوذ بهما الحسن و الحسین تو یہ قطعاً بے اصل بات ہے معلوم نہیں ابن عینیہ نے کس سے سنی تھی۔ کہاں سے کہہ دی، اسی طرح ابن عینیہ کا یہ کہنا کہ ابن مسعود نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نماز میں معوذتین پڑھتے ہوئے نہیں سنا تو یہ بھی غلط ہے۔ سنن نسائی میں حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ کی حدیث ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر میں معوذتین پڑھی تھیں۔ یقیناً عبداللہ بن مسعود بھی اس نماز میں رسول اللہ کے مقتدی ہوں گے۔ (سنن النسائی کتاب افتتاح الصلاۃ ، القرأۃ فی الصبح بالمعوذتین)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار کی نسبت قطعاً غلط اور بہتان ہے۔ عبداللہ بن مسعود مدینہ میں ہی تھے جب حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں جملہ صحابہ کرام کے اجماع واتفاق کے ساتھ پورا قرآن ایک

مصحف میں لکھا گیا۔ اگر ابن مسعود کا گمان یہ ہوتا کہ معوذتین قرآن نہیں ہیں تو کیا مصحف میں ان کی کتابت پر خاموش رہ جاتے۔

مجھ سے پہلے بھی محقق اہل علم ابن مسعود کی طرف اس نسبت کی پرزور تردید فرما چکے ہیں۔ نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے: اجمع المسلمون علی ان الفاتحۃ و المعوذتین من القرآن و ان من حجد منها شیئا کفر۔ و ما نقل عن ابن مسعود باطل لیس بصحیح۔ ابن حزم نے المحلی کے اوائل میں لکھا ہے ما نقل عن ابن مسعود من انکار قرآنیۃ المعوذتین فهو کذب باطل۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کے اوائل میں لکھا ہے۔ الاغلب علی الظن ان هذا النقل عن ابن مسعود کذب باطل.

مگر افسوس ہے کہ ابن حجر نے یہ تصریحات نقل کرنے کے بعد فتح الباری میں لکھ مارا ہے۔ "ان الطعن فی الروایات الصحیحۃ بغیر مستند لا یقبل بل الروایۃ صحیحۃ." ابن حجر نے قطعاً غلط کہا ہے روایات تو کیا ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ابن مسعود معوذتین کو قرآن نہ مانتے تھے۔ ابن حجر بری طرح روایت پرستی میں مبتلا تھے۔ موصوف کے نزدیک یہ آسان تھا کہ ابن مسعود پر مخالفت اجماع کا الزام لگے مگر یہ گوارانہ تھا کہ جھوٹی روایت کو جھوٹا بتایا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوفہ میں فاسد العقیدہ مفسدین کا ایک گروہ تھا جس نے تقیہ کر کے رفض و بدعقیدگی پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ انہوں نے قرآن میں تحریف کرنے اور مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ باطل قرأتیں وضع کیں۔ قرآن میں کمی یا زیادتی کی روایات پھیلائیں ان ہی کی کوششوں میں سے ایک کوشش یہ معوذتین کے متعلق تھی جو ابن مسعود کی وفات کے بعد بدبختوں نے ابھاری تھی۔ بحمدللہ ان کی مساعی اکارت گئیں اگر کچھ احمق راویوں نے ان کی غلط بیانیوں کی روایت نہ کی ہوتی اور محدثین نے اپنی کتابوں میں انہیں درج نہ کیا ہوتا تو ان کا کوئی نشان بھی نہ ملتا۔

---

(٦٧) عبداللہ بن مسعود کا شہر حمص میں ایک شرابی کو حد مارنے کا قصہ بروایت علقمہ

سفیان ثوری نے اعمش سے روایت کی ہے اس نے ابراہیم نخعی سے اس نے علقمہ سے:

قال كنا بحمص فقرء ابن مسعود سورة يوسف فقال رجل ما هكذا انزلت قال قرات على رسول الله ﷺ فقال احسنت و وجد منه ريح الخمر فقال اتجمع ان تكذب بكتاب الله و تشرب الخمر فضربه الحد (صحيح بخاری ص ٧٤٨، كتاب فضائل القرآن باب القراء من اصحاب النبي ﷺ، حديث ٣)

علقمہ بن قیس نخعی نے بیان کیا کہ ہم شہر حمص میں تھے وہاں (چند لوگوں کی درخواست پر) عبداللہ بن مسعودؓ نے سورہ یوسف کی تلاوت کی تو مجمع میں سے ایک شخص بولا۔ یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی جیسے آپ نے پڑھی ہے۔ عبداللہ نے کہا میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو یہ سورۃ پڑھ کر سنائی تھی تو آپ نے فرمایا تھا تم نے اچھا پڑھا۔ ابن مسعود اس شخص کو جواب دے ہی رہے تھے کہ اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی تب فرمایا تو دو گناہ ایک ساتھ کر رہا ہے۔ اللہ کی کتاب کو جھٹلا رہا ہے اور شراب پیتا ہے۔ پس ابن مسعود نے اسے شراب نوشی کی سزا دی۔ یعنی اسی کوڑے مارے۔

عبداللہ بن نمیر و یعلی بن عبید طنافسی نے اعمش سے اسی اسناد کے ساتھ بایں لفظ:

عن علقمه قال اتى عبد الله الشام فقال له ناس من اهل حمص اقرء علينا فقرء عليهم سورة يوسف فقال رجل من القوم و الله ماهكذا انزلت فقال عبد الله ويحك لقد قرأتها على رسول الله ﷺ هكذا فقال احسنت فبينا هو يراجعه اذ وجد منه ريح الخمر فقال اتشرب الرجس و تكذب بالقرآن و الله لا تزاولنى حتى اجلدك فجلده الحد (مسند ١ ص ٤٢٥)

اور جریر بن عبدالحمید نے اعمش سے یوں روایت کی ہے:

عن ابراهيم عن علقمه عن عبد الله قال كنت بحمص فقال لی بعض القوم اقرء علينا فقرأت عليهم سورة يوسف. فقال رجل من القوم و الله ما هكذا انزلت قلت ويحک و الله لقد قرأتها علی رسول اله ﷺ فبينما انا اکلمه اذ وجدت منه ريح الخمر فقلت اتشرب الخمر و تکذب بالکتاب لاتبرح حتی اجلدک فجلدته الحد (صحيح مسلم ۱ ص ۲۷۰، فضائل القرآن، طبع هند)

عیسیٰ بن یونس اور ابو معاویہ نے بھی اعمش سے اسی طرح (صحیح مسلم ایضا) یعنی علقمہ نے کہا کہ عبد اللہ نے مجھے بتایا کہ میں حمص میں تھا) قصہ ایک ہے مخرج ایک ہے۔ اعمش سے اس کی چھ اشخاص نے روایت کی ہے۔ سفیان ثوری و عبد اللہ بن نمیر و یعلی بن عبید کی روایت بتاتی ہے کہ اس کا راوی علقمہ ہے وہ حمص میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ تھا۔ اس کے سامنے یہ قصہ ہوا تھا۔ لیکن جریر و عیسیٰ و ابو معاویہ کی روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کے راوی اول خود عبد اللہ بن مسعود ہیں۔ علقمہ ان کے ساتھ نہ تھا بلکہ عبد اللہ نے اپنا یہ قصہ جو انہیں حمص میں پیش آیا تھا علقمہ کو بتایا تھا۔ اس اضطراب و اختلاف کو رفع کرنے کی صورت نہیں۔ ماننا پڑے گا کہ یہ اضطراب خود اعمش کی طرف سے تھا۔ اس نے اپنے تین شاگردوں کو جو بتایا تھا تین شاگردوں کو اس کے خلاف بتا دیا پس یہ معلوم ہونے کی کوئی صورت نہیں کہ فی الواقع ابراہیم نخعی سے اعمش نے کیا سنا تھا۔ اور جس حدیث کی اسناد و متن میں ایسا اضطراب ہو اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری علت قادحہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس کی ہر روایت میں مذکور ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے خود اس بے ہودہ شخص کو شراب نوشی کی حد لگائی۔ حالانکہ ابن مسعود کبھی بھی حمص کے والی و حاکم یا قاضی شرع (جسٹس) نہیں رہے۔ اور مجرم پر حد شرعی نافذ کرنا حاکم یا قاضی کا کام ہے۔ اگر ابن مسعود اس شخص پر شراب نوشی کی حد نافذ کرنا ضروری سمجھتے تھے تو لازم تھا کہ اسے حاکم حمص کے یہاں یا قاضی حمص کی عدالت میں پیش کر کے حد لگواتے۔

(۶۸) سورۃ الاخلاص کی فضیلت میں ابوسعید خدری کی حدیث بروایت ضحاک مشرقی

اعمش نے کہا ہے:

حدثنا ابراهیم والضحاک المشرقی عن ابی سعید الخدری قال قال النبی ﷺ ایعجز احدکم ان یقرء ثلث القرآن فی لیلة فشق ذلک علیهم و قالوا اینا یطیق ذلک یا رسول الله فقال الله الواحد الصمد ثلث القرآن.

بخاری نے کہا کہ اعمش نے یہ حدیث ابراہیم نخعی اور ضحاک مشرقی سے روایت کی ہے مگر ابراہیم کی روایت مرسل ہے یعنی اس نے ابوسعید کا ذکر نہیں کیا اور ضحاک کی روایت مسند یعنی متصل ہے کہ اس میں ابوسعید کا ذکر ہے۔ (صحیح بخاری ص۷۵۰ کتاب فضائل القرآن) یعنی ضحاک مشرقی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھ لیا کرے۔ یہ بات حاضرین صحابہ کو بڑی دشوار محسوس ہوئی عرض کیا یارسول اللہ یہ کس کے بس میں ہے۔ فرمایا اللہ الواحد الصمد تہائی قرآن ہے۔

ضحاک کا باپ کسی نے شراحیل بتایا ہے کسی نے شرحبیل یہ قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ بنی مشرق میں سے تھا اس لئے مشرقی کہلاتا تھا۔ اس سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔ جاہل تھا کوئی علمی آدمی نہیں تھا۔ ابوخالد احمر نے بھی اعمش سے یہ حدیث روایت کی ہے عن الضحاک المشرقی عن ابی سعید الخدری مرفوعاً بلفظ بخاری (مسند۳ص۸)

اس ضحاک مشرقی کے جہل کا بھانڈا اسی کی روایت کردہ یہ حدیث ہی پھوڑ رہی ہے۔ قل هو الله احد الله الصمد کی بجائے اس نے الله الواحد الصمد کہا تھا تعجب ہے کہ بخاری نے اسے کیسے اور کیوں درج صحیح فرمادیا۔

---

(٦٩) متعہ کے متعلق سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث

بخاری نے لکھا ہے:

حدثنا علی قال حدثنا سفیان قال عمروعن الحسن بن محمد عن جابر بن عبداللہ و سلمۃ بن اکوع قالا کنا فی جیش فاتانا رسول رسول اللہ ﷺ فقال انہ قد اذن لکم ان تستمتعوا. فاستمتعوا.

یہ سفیان بن عیینہ کی روایت کی ہوئی حدیث ہے امام بخاری نے علی بن عبداللہ مدینی سے اس نے سفیان سے روایت ہے کہ عمرو بن دینار نے حسن بن محمد سے اس نے جابر اور سلمہ بن اکوع سے روایت کی ان دونوں نے کہا ہم ایک لشکر میں تھے یعنی سفر جہاد میں تھے (کہیں پڑاؤ کیا) تو رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہمارے پاس آیا اس نے کہا بے شک تم لوگوں کو متعہ یعنی عارضی نکاح کر لینے کی اجازت ہے۔ فاستمتعوا پس تم متعہ کرو دوسری ت کے کسرہ کے ساتھ اس صورت میں یہ قاصد کا قول ہے رسول اللہ کی طرف سے فاستمتعوا. تو لوگوں نے متعہ کیا آپ کی اجازت کے مطابق عارضی طور پر عورتوں سے نکاح کر لئے۔ دوسری ت کے فتحہ کے ساتھ اس صورت میں یہ ماضی کا صیغہ اور جابر اور سلمہ کا قول ہے۔ اس حدیث کے بعد بخاری نے لکھا ہے **و قال ابن ابی ذنب حدثنی ایاس بن سلمۃ بن اکوع عن ابیہ عن رسول اللہ ﷺ ایّما رجل و امرأۃ توافقا فعشرۃ ما بینھما ثلاث لیال فان احبّا ان یتزایدا تزایدا او تتارکا تتارکا فما ادری اشئی کان لنا خاصۃ ام للناس عامۃ۔** یعنی کوئی بھی مرد اور عورت عارضی میاں بیوی بننے پر راضی ہو جائیں (اور کوئی مدت طے نہ کریں) تو وہ تین راتیں ایک ساتھ بسر کر سکتے ہیں مگر انہیں اختیار ہے کہ اس مدت پر کچھ اضافہ کر لیں یا نہ کریں۔ سلمہ بن اکوع نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ متعہ کی یہ اجازت بس ہمارے لئے ہی تھی یا تمام مسلمانوں کے لئے تھی۔ اس کے بعد بخاری نے کہا ہے **و بیّنہ علیّ عن النبی ﷺ انہ منسوخ** یعنی حضرت علی نے

نبی ﷺ سے روایت کر کے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ متعہ کی اجازت منسوخ ہے۔اب کسی کو متعہ کرنا جائز نہیں ہے (صحیح بخاری ص۷۶۷ کتاب النکاح باب نهی رسول الله ﷺ عن نکاح المتعه اخیراً)

بخاری یہ سمجھتے تھے کہ پہلے متعہ کرنا جائز تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی تھی پھر آپ نے یہ اجازت اٹھالی اور متعہ کو ہمیشہ کے لئے ہر حال میں حرام و ناروا قرار دیدیا،شعبہ نے عمرو بن دینار سے اسی اسناد کے ساتھ .قالا خرج علینا منادی رسول الله ﷺ فقال ان رسول الله ﷺ قد اذن لكم ان تستمتعوا یعنی متعة النساء (صحیح مسلم ص۴۵۰ کتاب النکاح طبع الهند)اور ابن جریج نے بھی عمرو سے قالا کنا فی غزاة فجاء نا رسول رسول الله ﷺ فقال ان رسول الله ﷺ یقول استمتعوا(مسند احمد ۴ ص۴۷)

اور روح بن قاسم نے بھی عمرو سے ان رسول الله ﷺ اتانا فاذن لنا فی المتعة(صحیح مسلم ۱ ص ۴۵۱.طحاوی ۲ص ۱۴ طبع ھند)

پس عمرو بن دینار سے چار شخصوں نے اس کی روایت کی تھی سفیان بن عیینہ شعبہ ابن جریج روح بن قاسم ان میں سے ابن عیینہ وشعبہ وابن جریج نے عمرو کی کہی ہوئی بات ٹھیک نقل کی ہے کہ متعہ کی اجازت جابر وسلمہ وغیرہ کو رسول اللہ کے قاصد منادی سے معلوم ہوئی تھی لیکن عمرو بن دینار نے اس قاصد کا نام ذکر نہیں کیا اور روح بن قاسم کی روایت غلط ہے اس نے خود رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا ہے۔کہنا چاہے تھا اتانا رسول رسول الله ﷺ اور اس نے غلطی سے کہہ دیا اتانا رسول الله۔

اس حدیث پر یہ سوالات وارد ہوتے ہیں:

(۱) حسن بن محمد نے حضرت جابر وحضرت سلمہ بن اکوعؓ سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ یہ کس سفر جہاد کا قصہ ہے۔؟

(۲) اس میں مذکور ہے کہ متعہ کی اجازت سے رسول اللہ ﷺ نے ایک قاصد کے

ذریعہ آگاہ کیا تھا بھلا قاصد بھیجنے کی ضرورت کیا تھی تمام مجاہدین نماز کے لئے پانچ وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوتے تھے آپ ظہر یا عصر یا مغرب یا عشاء یا فجر میں سب سے زبانی فرما سکتے تھے۔

(۳) سفر جہاد پر مشقت ہوتا تھا اور جنگ و قتال کی حالت اس کی مقتضی ہے کہ مجاہدین اس چیز سے پرہیز رکھیں جس سے جسمانی قوت میں ضعف و فتور اور اضمحلال واقع ہو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر جہاد میں اپنے ساتھی مجاہدین کو عورتوں سے شہوت رانی کر کے خود کو کمزور کر لینے کا اذن دیا ہو۔

(۴) حسن بن محمد بن علی نے اپنے والد محمد بن علی سے جنہیں ابن الحنفیہ کہا جاتا ہے۔ اور محمد بن علی نے اپنے والد حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے موقع پر متعہ کرنے اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ یہ حدیث بڑی مضبوط و صحیح حدیث ہے خود امام بخاری نے صحیح میں اسے چار جگہ ذکر کیا ہے۔ حسن بن محمد بڑے نیک و صالح اور پابند سنت اور صحیح العقیدۃ تھے۔ اگر وہ جابر اور سلمہ بن اکوع سے متعہ کے جواز کی یہ حدیث سنتے تو وہ جابر و سمرہ سے ضرور کہتے کہ آپ یہ بتاتے ہیں حالانکہ میرے دادا علی بن ابی طالب نے یہ کہا ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ اپنے والد محمد بن علی سے حدیث علی سننے سے پہلے حسن بن محمد نے جابر و سمرہ سے حدیث مذکور سنی تھی تو انہیں اپنے والد محمد بن علی سے کہنا تھا کہ آپ تو مجھے متعہ حرام ہونے کی حدیث سنا رہے ہیں حالانکہ میں نے جابر انصاری اور سلمہ بن رکوع سے یہ سنا ہے ان جملہ سوالات کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ عمرو بن دینار نے غلط کہا تھا اس نے حسن بن محمد سے یہ حدیث نہیں سنی تھی اور یہ عمرو بن دینار وہ مشہور ثقہ تابعی عمرو بن دینار ابو محمد الاثرم مکی نہیں بلکہ عمرو بن دینار ابو یحییٰ بصری ہے جو کانا تھا (اعور) دجالوں میں سے ایک دجال۔ اس کے غیر ثقہ اور منکر الحدیث ہونے پر تمام اہل علم متفق ہیں ابن حبان نے اس کے متعلق لکھا ہے لایحل کتب حدیثه الا علی جهة التعجب کان یتفرد بالموضوعات

عن الاثبات تفصیل کے لیے تہذیب التہذیب وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔ ثبت وثقہ علمائے کرام کی طرف منسوب کر کے یہ شخص جھوٹی روایات نقل کرنے کا جرم کرتا تھا اوران بدسیرت لوگوں میں سے تھا جو متعہ کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔ حسن بن محمد کی طرف اس شخص نے حدیث مذکور کی غلط نسبت کی اور حسن و جابر وسلمہ اور حضور اکرم ﷺ پر بہتان باندھا ہے۔ بخاری ومسلم کو دھوکا لگ گیا وہ اسے عمرو بن دینار مکی سمجھ بیٹھے۔ دھوکے کی وجہ سفیان بن عیینہ کی تلبیس تھی۔ ابن عیینہ کو کہنا چاہئے تھا قال عمرو بن دینار البصری۔ اس تصریح کی بجائے اس نے "قال عمرو بن دینار کہا چونکہ ابن عیینہ نے عمرو بن دینار مکی سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں اس لیے بخاری ومسلم کو دھوکا لگ گیا اور انہوں نے اسے عمرو بن دینار مکی گمان کرلیا۔ بخاری کی نظر اس پر بھی نہیں گئی کہ ابن عیینہ نے حدثنا عمرو یا اخبرنا عمرو یا سمعت عمراً نہیں کہا تھا نہ عن عمرو، تحدیث واخبار وسماع بلکہ عنعنہ سے بھی گریز کر کے قال عمرو عن الحسن کہا تھا۔ دراصل سفیان بن عیینہ کوفی شخص تھا اس لیے رفض وتشیع کے زہریلے جراثیم اپنے اندر رکھتا تھا۔

بہرحال بخاری ومسلم کی تخریج کردہ یہ حدیث قطعاً باطل ہے رہی ایاس بن سلمہ کی روایت جو بخاری نے ابن ابی ذئب کے حوالہ سے نقل کی ہے جس میں مدت متعہ یعنی عارضی بیوی کے ساتھ رہنے کی مدت کا ذکر ہے تو اس کے متعلق یہ سنئے کہ ابوعمیس یعنی عتبہ بن عبداللہ بن عتبہ ہذلی نے ایاس بن سلمہ سے اور اس نے اپنے والد سلمہ بن اکوع سے روایت کی ہے رخص رسول اللہ ﷺ عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا (مسند احمد میں ثلاثۃ ایام ہے) ثم نھی عنھا. (صحیح مسلم ۱ ص ۴۵۱ مسند احمد ۴ ص ۵۵) یعنی آپ نے ۸ھ میں تین دن رات کے لیے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی پھر آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ اوطاس ایک وادی کا نام ہے قبیلہ ہوازن کو جب حنین میں شکست ہوگئی تو بھاگے ہوئے کفار وادی اوطاس میں جمع ہوگئے تھے ان کی سرکوبی کے لیے آپ نے ابوموسیٰ اشعری کے چچا کی سرکردگی

میں چند مجاہدین بھیجے۔ اوطاس کا سال اور حنین کا سال اور فتح مکہ کا سال ایک ہی ہے ۸ھ رمضان میں مکہ مکرمہ فتح ہوا وہیں سے رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کے ساتھ حنین کی طرف کوچ فرمایا تھا۔ یہ حدیث غلط ہے۔ حضرت علی سے مروی صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ متعہ اور پالتو گدھے کی حرمت غزوہ خیبر ۷ھ میں ہوئی تھی سلمہ بن اکوعؓ بھی یقیناً غزوہ خیبر میں شریک تھے لہذا وہ متعہ کی حرمت سے بے خبر نہ تھے۔ اور احکام کھیل کی چیز نہیں ہوتے اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ ۷ھ میں آپ نے متعہ کرنے سے منع فرمایا ہو پھر ۸ھ میں اس کی اجازت دیدی ہو اور پھر منع فرمادیا ہو ایاس بن سلمہ کو اپنے والد سے سنی ہوئی بات ٹھیک یاد نہ تھی کبھی وہ کہہ دیا جو ابن ابی ذئب نے ذکر کیا ہے کبھی وہ بات ہانک دی جو ابو عمیس نے نقل کی ہے۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ متعہ کو منسوخ قرار دینا محل نظر ہے اس لیے کہ منسوخ اس کو کہتے ہیں جو پہلے شرعاً جائز ہو پھر اسے حرام کیا گیا ہو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے مطلقاً قبور کی زیارت کرنے اور قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنے کی نہی فرمائی تھی۔ پھر فرمایا کنت نہیتکم عن ادخار لحوم الاضاحی فوق ثلاث الا فادخروا ھاما بدالکم و کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا لیکن نہی نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مباح و جائز سمجھ کر کوئی کام کرتے ہوں پھر اس کام کی شرعاً نہی ہوگئی ہو تو اس کو منسوخ و ناسخ نہیں کہا جاتا۔ جب تک شراب نوشی کی حرمت نازل نہ ہوئی تھی بہت سے لوگ پیتے تھے حرمت آ گئی تو باز آ گئے اور شراب نوشی کو سخت گناہ شمار کرنے لگے تو اس کے متعلق کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اسلام میں شراب نوشی منسوخ ہوگئی۔ اسی طرح دیگر احکام ہیں متعہ جاہلیت میں رائج نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی نہی سے پہلے کچھ لوگ مباح سمجھ کر اسے کر لیتے تھے۔ نہی کے بعد جان گئے کہ یہ تو زنا کی ہی ایک شکل ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے مسلمانوں کو بتایا ہو کہ متعہ جائز ہے کر سکتے ہو پھر اس کی نہی فرمائی ہو۔

(۷۰) کیا لوہے کی انگوٹھی کو مہر بنایا جا سکتا ہے؟
سفیان ثوری کی روایت کی ہوئی ایک حدیث

امام بخاری نے کہا:

حدثنا یحییٰ ثنا وکیع عن سفیان عن ابی حازم عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ قال لرجل تزوج ولو بخاتم من حدید (صحیح بخاری ص ۷۷۴) (کتاب النکاح باب المهر بالعروض وخاتم من حدید)

ہم سے یحیٰی بن موسیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے وکیع بن جراح نے بیان کیا سفیان ثوری سے روایت کر کے اس نے ابو حازم یعنی سلمہ بن دینار سے اس نے سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا۔ شادی کر لے اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی کے عوض ہو۔

یہ حدیث مختصر بھی ہے اور قطعاً غلط بھی۔ نہ نبی ﷺ نے کسی سے یہ فرمایا تھا نہ سہل بن سعد صحابی سے ابو حازم نے یہ روایت کی تھی۔ اور غالباً اسے غلط طور سے بیان کرنے کی غلطی وکیع سے سرزد ہوئی تھی۔ بخاری نے اسے درج صحیح کر کے غلطی کی ہے۔

اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان ثوری سے یوں روایت کی ہے:

عن ابی حازم عن سهل بن سعد قال جاء ت امرأة الی النبی ﷺ قال من یتزوجها؟ فقال رجل انا فقال النبی ﷺ اَعْطِهَا ولو خاتما من حدید. قال لیس معی. قال قد زوجتکها علی ما معک من القرآن (سنن ابن ماجه ص ۱۲۷ (ابواب النکاح. باب صداق النساء)

ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی۔ فرمایا کون ہے جو اس سے شادی کرے؟ تو ایک شخص نے کہا میں فرمایا اسے کچھ دے خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی ہو۔ بولا میرے پاس نہیں ہے فرمایا میں نے اس سے تیرا نکاح کر دیا اس پر جو قرآن میں سے تجھے یاد ہے۔ یہ روایت بھی غلط ہے۔ اس قصہ کی روایات میں تو یہ مذکور ہے کہ اس عورت نے عرض کیا یا

رسول اللہ میں نے خودکوآپ کے لیے ہبہ کردیا۔آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تب ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کواس کی حاجت نہ ہوتو اسے میری بیوی بنادیجئے یہ نہیں کہ آپ نے خودفرمایا ہو من یتزوجھا تب اس شخص نے کہا ہو" انا"

سفیان ثوری سے یہ حدیث دوشخصوں نے روایت کی ہے وکیع نے اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے۔ دونوں کی روایت غلط ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ سفیان ثوری کوابوحازم سے سنی ہوئی یہ حدیث ٹھیک یاد نہ تھی۔ کبھی کچھ کہہ دیا کبھی کچھ۔ ابوحازم کی روایت کی ہوئی حدیث بھی ناظرین پڑھ لیں۔

---

(۱۷)واھبة النفس کے متعلق سہل بن سعد ساعدی کی حدیث جس کی ابوحازم نے روایت کی ہے

امام مالک نے ابوحازم سے اوراس نے سہل بن سعد ساعدی سے روایت کی ہے:

جاء ت امرأة الی رسول الله ﷺ فقالت انی وھبت لک نفسی فقامت طویلا فقال رجل زوّجنیھا ان لم تکن لک بھا حاجة، قال ھل عندک من شئی نُصْدِقھا قال ما عندی الا ازاری قال ان اعطَیْتَھا ایاہ جلست لا ازار لک فالتمس شیئا فقال ما اجد شیئا. فقال التمس ولو خاتما من حدید فلم یجد. فقال معک من القرآن شئی؟ قال نعم سورة کذا و سورة کذا. لسورسماھا. فقال زوجتکھا بما معک من القرآن

(صحیح بخاری ص ۷۷۰ باب السلطان ولی. کتاب النکاح)

امام مالک سے یہ حدیث عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے (سنن ابی داود عبدالرحمٰن بن مہدی واسحاق بن عیسٰی نے (مسندہ ص ۳۳۶ عبداللہ بن نافع نے (ترمذی) یحییٰ مصمودی نے (موطا)

اورعبداللہ بن یوسف تنیسی نے (بخاری) روایت کی ہے بخاری کے شیخ عبداللہ بن

یوسف نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے کہ اُس عورت نے کہا تھا "وھبت لک من نفسی" "من کا اضافہ غلط اور مہمل ہے بقیہ تمام راویوں نے "وھبت لک نفسی" ذکر کیا ہے۔ یہی درست ہے۔ عجمی نژاد رُواۃ و محدثین عموماً صحیح عربی بولنے اور لکھنے سے نابلد ہوتے تھے۔ کیونکہ معمولی نوشت وخواند کے بعد روایات کو یاد کرنے پھر ان کی روایت کرنے کے چکر میں پڑ جاتے تھے۔ باقاعدہ عربی زبان نہ سیکھتے تھے۔

حماد بن زید نے بھی ابوحازم سے یہ حدیث روایت کی ہے بایں لفظ:

اتت النبی ﷺ امرأۃ فقالت انھا قد وھبت نفسھا للہ ولرسولہ. فقال مالی فی النساء من حاجۃ فقال رجل زوجنیھا. قال اعطیھا ثوباً قال لا اجد قال اعْطھا ولو خاتما من حدید فاعتلّ لہ (اُس نے آپ سے معذرت کی) فقال مامعک من القرآن؟ قال کذا و کذا. قال فقد زوجتکھا بما معک من القرآن (صحیح بخاری ص ۷۵۲ کتاب فضائل القرآن باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ. سنن دارمی طبع ھند ص ۲۸۳ کتاب النکاح باب ما یجوز ان یکون مھرا.

ابوغسان محمد بن مطرف لیثی نے ابوحازم سے بایں لفظ:

عن سھل ان امرأۃ عرضت نفسھا علی النبی ﷺ فقال لہ رجل یا رسول اللہ زوجنیھا. قال ماعندک؟ قال ماعندی شئی قال اذھب فالتمس ولو خاتما من حدید. فذھب ثم رجع فقال لا واللہ ماوجدت شیئا ولا خاتما من حدید ولکن ھذا ازاری ولھا نصفہ. قال سھل ومالہ رداء. فقال النبی ﷺ وما تصنع بازارک ان لبستہ لم یکن علیھا منہ شئی وان لبست لم یکن علیک منہ شئی فجلس الرجل حتی اذا طال مجلسہ قام فراہ النبی ﷺ فدعاہ او دعی لہ فقال لہ ماذا معک من القرآن فقال معی سورۃ کذا و سورۃ کذا فقال النبی ﷺ املکناکھا بما معک من القرآن (صحیح بخاری ص ۷۶۷ کتاب النکاح باب عرض المرأۃ نفسھا علی الرجل الصالح).

سفیان بن عیینہ نے ابوحازم سے اس طرح روایت کی ہے:

قال سمعت ابا حازم یقول سمعت سهل بن سعد الساعدی یقول انی لفی القوم عند رسول الله ﷺ اذ قامت امرأة فقالت یا رسول الله انها قد وهبت نفسها لک فر فیها رأیک فلم یجبها شیئا ثم قامت فقالت یا رسول الله انها قد وهبت نفسها لک فر فیها رأیک فلم یجبها شیئا ثم قامت الثالثة فقالت انها قد وهبت نفسها لک فَرَ فیها رأیک. فقام رجل فقال یا رسول الله اَنکِحْنِیها. قال هل عندک من شئی؟ قال لا قال اذهب فاطلب ولو خاتما من حدید فذهب فطلب ثم جاء فقال ما وجدت شیئا ولا خاتما من حدید قال هل معک من القرآن شئی؟ قال معی سورة کذا وسورة کذا قال اذهب فقد انکحتکها بما معک من القرآن (صحیح بخاری ص ۷۷۴ کتاب النکاح (باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق).

رَأ ہمزہ کے ساتھ غلط ہے رَبدون ہمزہ صحیح ہے اس لئے کہ مضارع تری ہے۔ بدونِ ہمزہ لامحالہ ضروری ہے کہ امر میں بھی ہمزہ نہ ہو۔ امام احمد نے سفیان بن عیینہ سے مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ اُس میں رَ ہے بدون ہمزہ (مسند ۵ ص ۳۳۰)

فضیل بن سلیمان کی ابوحازم سے روایت یہ ہے۔

حدثنا ابو حازم قال حدثنا سهل بن سعد قال کنا عند النبی ﷺ جلوسا فجاء ته امرأة تعرض نفسها علیه فخفض فیها النظر ورفعه فلم یُرِدْها فقال رجل من اصحابه زوّجنیها یا رسول الله قال أعندک من شئی؟ قال ما عندی من شئی قال ولا خاتم من حدید؟ قال ولا خاتم من حدید ولکن اشق بردتی هذه فأُعْطیها النصف واٰخذ النصف قال لا. هل معک من القرآن (صحیح بخاری ص ۷۷۱ کتاب النکاح باب اذا کان الولی رهو الخاطب.

یعقوب بن عبدالرحمٰن القاری کی ابوحازم سے روایت یہ ہے:

عن سهل بن سعد ان امرأة جاء ت رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله جئت لاهب لک نفسی فنظر اليها رسول الله ﷺ فصعد النظر اليها وصوّبه ثم طأطأ رأسه فلما رأت المرأة انه لم يقض فيها شيئا جلست فقام رجل من اصحابه فقال يا رسول الله ان لم يكن لک بها حاجة فزوّجنيها. فقال هل عندک من شئ؟ فقال لا والله يا رسول الله قال اذهب الی اهلک فانظر هل تجد شيئا فذهب ثم رجع فقال لا والله يا رسول الله ما وجدت شيئا. قال انظر ولو خاتما من حديد فذهب ثم رجع فقال لا والله يا رسول الله ولا خاتم من حديد ولكن هذا ازاری قال سهل ماله رداء. فلها نصفه فقال رسول الله ﷺ ماتصنع بازارک. ان لبستَه لم يكن عليها منه شئ وان لبسته لم يكن عليک منه شئ فجلس الرجل حتی طال مجلسه ثمّ قام فرآه رسول الله ﷺ موليا فامربه فدُعِی فلما جاء قال ماذا معک من القرآن؟ قال معی سورة كذا؟ وسورة كذا و سورة كذا. وعدّها. قال اتقرء هن عن ظهر قلبک؟ قال نعم. قال اذهب فقد مَلّكتكها بما معک من القرآن (صحيح بخاری ص ۷۵۲ كتاب فضائل القرآن. باب القراء ة عن ظهرالقلب) وص ۷۶۸ كتاب النكاح باب النظر الی المراة قبل التزويج صحيح مسلم ا ص ۴۵۷ كتاب النكاح طبع هند؛ سنن النسائی كتاب النكاح باب التزويج علی سور من القرآن

عبدالعزیز بن ابی حازم نے اپنے باپ ابوحازم سے یوں روایت کی ہے۔

جاء ت امرأة الی رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله جئت اهب لک نفسی فنظر اليها رسول الله ﷺ فصعد النظر فيها وصوبه ثم طأطأ رأسه فلما رات المرأة انه لم يقض فيها شيئا جلست فقام رجل من اصحابه فقال يا رسول الله ان لم تكن لک حاجة فزوجنيها فقال وهل عندک من شئ. قال لا والله يا رسول الله فقال اذهب الی اهلک

فانظر هل تجد شيئا فذهب ثم رجع فقال لا والله ما وجدت شيئا فقال انظر ولو خاتما من حديد فذهب ثم رجع فقال لا والله يا رسول الله ولا خاتم من حديد ولكن هذا ازاری الخ بقیہ پوری حدیث یعقوب بن عبدالرحمٰن کی روایت کی طرح ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۶۱ کتاب النکاح باب تزویج المعسر)

بخاری نے قتیبہ سے اور قتیبہ نے یعقوب بن عبدالرحمٰن القاری وعبدالعزیز بن ابی حازم دونوں سے ایک ہی متن کے ساتھ روایت کی ہے۔ دونوں کی روایت میں ایک لفظ کا بھی فرق نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ابو حازم نے اپنے بیٹے عبدالعزیز اور یعقوب کو ایک ہی مجلس میں یہ حدیث سنائی تھی ۔ دونوں نے اسے اپنی اپنی کاپی میں لکھا تھا۔ اور عبدالعزیز سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بھی یہ حدیث روایت کی تھی اس سے بخاری نے (ص ۸۷۲ کتاب اللباس باب خاتم الحدید)

اس میں بعض الفاظ کا معمولی سا فرق ہے۔

زائدہ بن قدامہ نے بھی ابو حازم سے اس کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا "انطلق فقد زوجتكها فعلمها من القرآن (صحيح مسلم ۱ ص ۴۵۷ کتاب النکاح)

اور معمر نے بھی ابو حازم سے ۔اس کے آخر میں ہے قال (سهل) فرأيته يمضى وهي تتبعه (مسند۵ ص ۳۳۴ یہ روایات جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ مالک وحماد بن زید ومحمد بن مطرف وفضیل بن سلیمان وسفیان بن عیینہ ویعقوب القاری وعبدالعزیز بن ابی حازم وزائدہ ومعمر کی ہیں۔ ان سب نے یہ قصہ ابو حازم سلمہ بن دینار سے روایت کیا تھا۔ ان میں سے صرف حماد بن زید کی روایت میں ہے کہ اس عورت نے کہا کہ اس نے اپنی ذات اللہ اور اس کے رسول کے لئے ھبہ کردی ہے۔ لیکن آٹھ اشخاص کی روایت میں اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ بس یہ ہی ہے کہ میں نے خود کو آپ کے لئے ہبہ کر دیا۔ یہ ہی صحیح ہے۔ حماد بن زید سے یہ حدیث ابو النعمان اور عمرو بن عون نے روایت کی ہے۔ عمرو بن عون کی

روایت میں اللہ کا ذکر ہے۔ پس یہ اسی کا وہم ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے اُس عورت سے فرمایا **مالی فی النساء من حاجة**۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے یعنی ابو حازم نے یہ نہیں کہا تھا۔

اسی طرح فضیل بن سلیمان کی روایت میں بردہ اور اسے شق کرنے کا ذکر فضیل کی غلطی ہے تمام روایات میں ازار کا ذکر ہے سفیان بن عیینہ نے یہ غلطی کی ہے کہ اس عورت نے تین بار آپ سے کھڑی ہو ہو کر کہا تھا کہ میں نے خود کو آپ کے لئے ہبہ کر دیا۔ تین بار کا ذکر فضول اضافہ ہے کسی اور روایت میں یہ نہیں آیا۔ ہر روایت میں ایک ہی بار کا ذکر ہے۔

زائدہ کی حدیث میں یہ زاید ہے کہ آپ نے اس شخص سے یہ فرمایا **فعلمها من القرآن**۔ معمر کی روایت میں یہ اضافہ شاذ ہے۔ **قال سهل فرأيته يمضي وهي تتبعه**۔

ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چند اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ان میں سہل بن سعد ساعدی بھی تھے کہ ایک عورت آئی اور بولی یارسول للہ میں نے خود کو آپ کے لیے ہبہ کر دیا۔ وہ کھڑی ہوئی تھی آپ نے اس کے سراپا پر گہری نگاہ ڈالی پھر سر جھکا کر خاموش ہو گئے۔ وہ آپ کا جواب سننے کے لئے بیٹھ گئی۔ کافی دیر گذر گئی۔ تب ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا کہ آپ کو اس کی حاجت نہ ہو تو اسے میری زوجیت میں دیدیجئے فرمایا تمہارے پاس اسے دینے کو کچھ ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا گھر جا کر دیکھ۔ وہ گیا اور واپس آ کر بتایا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے فرمایا۔ ارے کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ پھر گیا اور واپس آ کر بتایا کہ لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے۔ وہ بیٹھ گیا۔ جب دیکھا کہ آپ کچھ نہیں فرما رہے ہیں تو مایوس ہو کر مجلس سے اٹھ کر جانے لگا تب آپ نے اسے بلوا کر پوچھا کہ تجھے کچھ قرآن بھی یاد ہے۔ بولا جی ہاں فلاں فلاں سورتیں مجھے یاد ہیں۔ فرمایا جو قرآن تمہیں محفوظ ہے اسی کے عوض میں نے اسے تمہاری زوجیت میں دیدیا۔ وہ اسے ساتھ لے کر چلا گیا۔ لیکن اس حدیث کی کسی روایت میں نہ اُس عورت کا نام و نسب آیا ہے نہ اُس مرد کا حالانکہ وہ مدینہ کا ہی باشندہ تھا؟

محدثین نے بڑے طمطراق سے اس قصہ کا ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے اسے صحیح میں گیارہ جگہ لکھا ہے۔ محدثین نے خاص طور سے دو مسئلوں میں اس سے استدلال کیا ہے اول یہ کہ لوہے کی انگوٹھی بھی نکاح کا مہر ہوسکتی ہے۔ دوم یہ کہ قرآن کریم بھی مہر ہوسکتا ہے یعنی کسی مرد کے پاس مہر میں دینے کو کوئی چیز نہ ہو جسے مال کہا جاسکے لیکن اسے کچھ قرآن یاد ہو تو قرآن کو ہی مہر قرار دیا جاسکتا ہے۔

حالانکہ ان محدثین کو معلوم تھا اور اگر ان میں سے کسی کو معلوم نہ تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے وَاُحِلَّ لکم ما وراءَ ذلکم ان تَبْتَغُوا بِاَموالِکم مُحْصِنِیْنَ غیرَ مسافِحِیْنَ اس ارشاد کی رو سے اُس مسلمان پر جو کسی عورت کو جو اُس کے لئے محرمات میں سے نہ ہو نکاح میں لینا چاہے لازم ہے کہ اسے مال کے ذریعہ حاصل کرے یعنی اسے مہر میں مال دے جس پر جانبین راضی ہوں۔ مالِ مہر کی اللہ تعالیٰ نے کوئی مقدار متعین نہیں فرمائی۔ جس مقدار پر بھی باہم رضامندی ہوجائے کافی ہے۔ مگر مہر میں مال ہی ہونا چاہیے جسے عام بول چال میں مال کہا جاتا ہو۔ ردی کاغذ کا کوئی ٹکڑا، درخت کا کوئی گرا ہوا یا توڑا ہوا پتہ یا لوہے تانبے کی انگوٹھی تا فہ یعنی حقیر چیزیں ہیں انہیں مال نہیں کہا جاتا۔ اس لئے انہیں مہر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی طرح قرآن کریم جو کسی کو یاد ہو مال کا مصداق نہیں ہے ہاں لکھا ہوا یا چھپا ہوا قرآن کریم جو بازار میں بیچا اور خریدا جاتا ہے مال ہے۔ پس اگر کوئی شخص پورے قرآن مجید کا حافظ ہو یا قرآن کی چند سورتیں یاد رکھتا ہو تو اس کے ذہن و دماغ میں محفوظ قرآن کو عورت کے نکاح کا مہر قرار دینا بے معنی بات ہے۔ مہر تو وہ مال ہے جو منکوحہ کو دیا جائے۔ صورتِ مذکورہ میں ناکح منکوحہ کو کچھ نہیں دیتا اس کا یاد کیا ہوا قرآن تو ناقابل انتقال شئے ہے۔ منکوحہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس زبردست اشکال کو محسوس کرنے کے باعث ہی زائدہ بن قدامہ راوی نے ابوحازم سے سنے ہوئے اس قصہ میں یہ اضافہ کردیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ انطلق فقد زوجتکها فعلمها من القرآن پس آپ نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا تھا اس کے متعلق میں دو باتیں کہتا ہوں۔

اول یہ کہ تعلیم کے ذکر میں زائدہ منفرد ہے اس لیے یہ شاذ ہے اور زائدہ کا اضافہ ہے ابو حازم نے اسے ذکر نہیں کیا تھا۔

دوم یہ کہ تعلیم معلم کا عمل اور کسب ہے۔ بجائے خود مال نہیں ہے اور مہر میں مال کا ہونا ضروری ہے۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ قصہ کوئی واقعہ نہیں ہے جو پیش آیا ہو۔ بس ابو حازم کی کہی ہوئی ایک کہانی ہے اس لئے کہ سھل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے وقت اپنی عمر کے پندرہویں سال میں تھے ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل پیدا ہوئے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں تصریح ہے۔ پس غزوہ احزاب وغزوہ بنی قریظہ کے وقت دس سال کے نابالغ بچہ تھے اور اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ اس وقت سہل بن سعد صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پس آپ کی مجلس میں سھل بن سعد کا آ کر بیٹھنا ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد ہی متصور ہوسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رزق ومال اور طیبات وفارغ البالی کے دروازے کھول چکا تھا۔ ۵ھ سے لگاتار عام رفاہیت وخوشحالی اور کشادگی کا سلسلہ چل رہا تھا پس مدینہ منورہ کے باشندوں میں سے ۷ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں ایسے مفلوک الحال مفلس بے نوا کا پایا جانا جو اس قصہ میں مذکور شخص کا مصداق ہونا قابل تصور اور اَن ہوئی بات ہے۔ یہ صرف ابو حازم کے ذہن کی اختراع اور فرضی شخص ہے۔

دوسری دلیل اس قصہ کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ ۵ھ میں آزاد مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم دیدیا گیا تھا تمام مسلمان عورتوں نے دن میں کھلے منہ نکلنا چھوڑ دیا تھا پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان جوان عورت جو رسول اللہ ﷺ کی بیوی بننے کی آرزومند ہو بے حجاب اور بالکل کھلے چہرے کے ساتھ مردوں کی مجلس میں رسول اللہ کے سامنے جا کھڑی ہوا گر وہ آپ سے عرض مدعا کرنے کے ارادہ سے آئی تھی تو چاہئے تھا کہ آپ کے پاس مردوں کو دیکھ کر پلٹ جاتی۔ آپ کے گھروں میں سے کسی گھر میں پہنچ کر آپ کے تشریف لانے کا انتظار کرتی۔ مگر وہ تو بقول ابو حازم ایسی ڈھیٹ تھی کہ آپ سے اپنا مدعا

بیان کر کے جواب سننے کے انتظار میں وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ کوئی واقعی اللہ کی پیدا کی ہوئی عورت نہ تھی بلکہ افسانہ ساز ابو حازم کی گھڑی ہوئی کہانی کی ہیروین تھی۔

تیسری دلیل اس قصہ کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء یعنی اے جوانوں کے گروہ تم میں سے جو شخص حقوق زوجیت ادا کرنے کی مالی طاقت رکھتا ہو تو وہ شادی کر لے بغیر بیوی کے نہ رہے اور جو شخص مالی طاقت نہ رکھتا ہو وہ کثرت سے روزہ رکھے۔ کیونکہ روزہ رکھنا جوش شہوت فرد کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ابو حازم نے اس قصہ میں ایک نہایت مفلس بے نوا جوان کا ذکر کیا ہے پس اگر یہ واقعہ ہوتا تو آپ اسے روزے رکھنے کا ارشاد فرماتے۔ ایک مؤمن جوان عورت سے نکاح کر لینے کی خواہش کو پوری نہ فرماتے۔ محض چند سورتیں یاد ہونے کی وجہ سے آپ اس احساس سے صرف نظر نہ فرما سکتے تھے کہ یہ بے نوا اسے کیا کھلائے گا کیا پہنائے گا۔

چوتھی دلیل اس کے بطلان کی یہ ہے کہ اس بے حیا ابو حازم نے بیان کیا ہے کہ جب اُس عورت نے آپ کے سامنے کھڑی ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنی ذات کو آپ کے لئے ھبہ کر دیا ہے تو آپ نے اس کے سراپا کو بغور دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ معاذ اللہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بدن میں آپ کو جاذبیت اور کشش محسوس نہ ہوئی۔ وہ کوئی خوبصورت اور پر کشش بدن والی نہ تھی اس لئے آپ کو پسند نہ آئی۔ افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق ابو حازم کو یہ بیان کرتے ہوئے شرم نہ آئی کہ اس کے ظاہر کو تو دیکھا لیکن نہ اُس کے خلوص کی قدر فرمائی نہ اس سے یہ کہا کہ تو بے حجاب مردوں کے مجمع میں کیوں چلی آئی اور اسے ایک پھٹیچر کے حوالہ کر دیا حالانکہ آپ کسی خوشحال شخص سے بھی اس کا نکاح کر سکتے تھے۔

---

(۷۲) حدیث ام زرع امام بخاری نے لکھا ہے

حدثنا سلیمان بن عبدالرحمن وعلی بن حُجر قالا اخبرنا عیسی بن یونس قال حدثنا هشام بن عروة عن عبدالله بن عروة عن عروة عن عائشة قالت

ہم سے سلیمان بن عبدالرحمٰن اور علی بن حجر نے بیان کیا کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے بتایا کہ ہم سے ھشام بن عروہ نے بیان کیا اپنے بھائی عبداللہ بن عروہ سے روایت کر کے اس نے اپنے باپ عروہ بن زبیر سے روایت کی اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا۔

جلسن احدی عشرة امرأة فتعاهدْنَ وتعاقدن ان لایکتمن من اخبار ازواجهن شیئا۔ گیارہ عورتیں آپس میں یہ عہد و پیمان کر کے بیٹھیں کہ اپنے شوہروں کی باتوں میں سے کچھ نہ چھپائیں گی۔

قالت الاولی زوجی لحم جمل غث علی جبل و عر لا سهل فیرتقی و لا سمینٌ فینتقیٰ پہلی نے کہا میرا شوہر ایک لاغر اونٹ کا گوشت ہے جو ایک پہاڑ کی چوٹی پر ہو۔ جس پر چڑھنا دشوار ہو نہ کوئی نرم زمین کا ٹیلہ ہے کہ چڑھا جائے نہ ہی وہ گوشت روغنی ہڈیوں والا ہے کہ اس کی ہڈیاں حاصل کر کے ان کا مغز نکال کر تناول کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ لاغر اونٹ کا گوشت بجائے خود ناپسندیدہ ہوتا ہے لیکن کسی ضرورتمند بھوکے کو مل جائے تو وہ اس سے اپنی بھوک دفع کر سکتا ہے۔ مگر جب وہ گوشت کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر ہو جس پر چڑھنا مشکل ہو تو وہ بے چارہ بھوکا کیسے اسے حاصل کرے۔ اور وہ گوشت اگر روغنی ہڈیوں والے فربہ اونٹ کا ہو تو اس پہاڑ پر چڑھنے کی صعوبت بھی اٹھائی جائے تو جیسے وہ گوشت کسی کام کا نہیں۔ اسی طرح میرا شوہر بھی بے سود بے کار شخص ہے اور میرا دل س سے نفرت کرتا ہے۔

اس طرح اس عورت نے اپنے شوہر کی شدید مذمت کی تھی۔

قالت الثانية زوجی لاابث خبره انی اخاف ان لا اذره إن اذکره اذکر عجره وبجره میں اپنے شوہر کی کوئی بات نہیں بتاتی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ بتانے لگوں تو کوئی بات نہ چھوڑوں۔ اگر میں اس کا ذکر کروں تو اس کے کھلے چھپے عیوب کا بھانڈا پھوڑوں، یعنی تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی اجمالی بیان پر اکتفا کرتی ہوں۔ اس میں ایک دو عیب ہوں تو بتاؤں وہ تو ظاہری و باطنی عیوب کا مجموعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے بھی اپنے شوہر کی سخت مذمت کی تھی۔

قالت الثالثة زوجی العشنّق ان انطق اطلق وان اسکت أُعلق۔ میرا شوہر لمبا لمڈھینگ ہے (مجھ سے بے پروا رہتا ہے) اگر میں بولوں یعنی شکایت کے لیے زبان کھولوں تو مجھے طلاق دیدی جائے (اور میں خود پر طلاق کا داغ لگانا نہیں چاہتی) اور اگر چپ رہوں تو معلقہ رکھی جاؤں' معلقہ وہ عورت جسے اس کا شوہر طلاق بھی نہ دے اور اس سے تعلق بھی نہ رکھے۔ اس لئے میں زبان پر تالا لگائے اس لمڈھینگ کو گوارا کر رہی ہوں اور معلقہ ہوکر جی رہی ہوں۔ اس طرح اس نے بھی اپنے شوہر کی بڑی پرزور مذمت کی تھی۔

قالت الرابعة زوجی کلیل تهامة لا حر ولاقر ولا مخافة ولا سئامة:

تہامہ حجاز ویمن کی سرزمین کو کہتے ہیں جو سمندر کے ساحل اور پہاڑوں کے درمیان ہے۔ یہ سرزمین حد درجہ معتدل ہے اور اس میں رات بڑی خوشگوار ہوتی ہے۔ آدمی کو کوئی فکر وغم لاحق نہ ہو تو بڑے آرام سے میٹھی نیند سوتا ہے۔

چوتھی بولی میرا شوہر تہامہ کی رات جیسا ہے نہ گرمی نہ سردی نہ کوئی ڈر نہ کوئی اُکتاہٹ۔ یعنی میں اس کے یہاں بڑی عمدہ اور راحت بھری زندگی گذار رہی ہوں۔ امن وامان کے ساتھ کسی تکلیف واذیت کے بغیر نہ وہ مجھ سے ملول نہ میں اُس سے اکتانے والی۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی بڑی بلیغ تعریف کی تھی۔

قالت الخامسة زوجی ان دخل فهد وان خرج اسد ولا یسأل عما عهد۔ میرا شوہر گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے باہر نکلتا ہے تو شیر ہوتا ہے اور جو اس نے گھر میں مال ومتاع دیکھا ہو اس کے متعلق مجھ سے نہیں پوچھتا۔ چیتا اچھل کود کرتے اور

گہری نیند سونے میں ضرب المثل ہے۔ اور شیر دلیری اور شجاعت اور بے خوفی میں معروف ہے۔

اس نے اپنے شوہر کی مردانگی اور بیوی پر پورا اعتماد رکھنے کے وصف کو بڑی خوبی کے ساتھ سراہا تھا۔ یعنی گھر میں داخل ہوکر وہ بے صبری کے ساتھ مجھ پر جھپٹتا اور لذت جماع لے دے کر گہری نیند سو جاتا ہے۔ گھر کے مال ومتاع کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں پوچھتا کہ میں جو فلاں فلاں چیزیں لایا تھا ان کا تو نے کیا کیا۔ فلاں قیمتی چیز ہے یا نہیں۔ اور گھر سے باہر ہوتا ہے تو دوسروں پر اس کی دہشت طاری ہوجاتی ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا سب اس سے ڈرتے ہیں۔

قالت السادسة زوجی ان اکل لف وان شرب اشتف وان اضطجع التف ولا یولج الکف لیعلم البث. میرا شوہر اگر کھائے تو موجود غذا سب چٹ کر جائے اور اگر پیئے تو ایک بوند بھی نہ چھوڑے اور اگر سونے کے لئے لیٹے تو چادر وغیرہ ادھر اُدھر سے خوب دبا کر لمبی تان کر سو جائے اور میرے بستر میں مجھے چھونے کے لئے ہتھیلی داخل نہیں کرتا تا کہ میرا دلی غم معلوم کرے...... یعنی وہ بہت کھانے پینے اور بے فکر سو جانے والا شخص ہے۔ بیوی سے کچھ مطلب نہیں رکھتا۔ بس اپنے پیٹ کا پجاری اور سونے کا دھنی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے خاوند کی مذمت ہی کی تھی۔

قالت السابعة زوجی غیایاء او عیایاء طباقاء کل داء له داء شجک او فلک او جمع کلا لک. میرا خاوند انتہائی درجہ کا احمق ہے۔ یا یہ کہا کہ لوگوں کے سامنے بولنے اور صحیح بات کہنے سے درماندہ ہے۔ سوجھ بوجھ سے محروم ہے۔ دنیا میں پایا جانے والا ہر روگ اس میں ہے اسی کے ساتھ حد درجہ بے رحم اور مروک ہے ہائے اے اس کی بے چاری جورو اس نے تیرا سر پھوڑ دیا یا تیرے بدن میں کہیں زخم کر دیا یا دونوں آفتیں تجھ پر توڑ دیں۔

راوی عیسیٰ بن یونس کو یاد نہ رہا کہ ھشام بن عروہ نے غیایاء کہا تھا غین معجمہ کے ساتھ یا عیایاء عین مھملہ کے ساتھ۔ اگر عین کے ساتھ ہے تو اس کے معنی ہیں احمق ترین

اس کا ماخذ غی اور غوایہ ہے۔اور اگر عین مہملہ کے ساتھ ہے تو اس کے معنی ہیں ہُنکار نہ بھرنے والا یعنی وہ شخص جو لوگوں کے سامنے نہ بول سکے اور اچھی طرح بات نہ بتا سکے۔اس کا ماخذ عِیٌ ہے۔طَبَاقاء وہ شخص جس میں سوجھ بوجھ نہ ہو۔شج کے معنی ہیں سر پر چوٹ مارنا فَلّ کے معنی ہیں توڑ دینا۔زخمی کر دینا۔

قالت الثامنة زوجي المس مس ارنب والريح ريح زرنب (انا اغلبه والناس يغلب) یہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں نہیں ہے۔زبیر بن بکار اور عقبہ بن خالد کی روایت میں ہے) میرا شوہر ایسا ہے کہ اس کو چھونا خرگوش کو چھونا ہے اور اس کے بدن کی خوشبو زرنب یعنی یاسمین (بیلے) کے پھول کی خوشبو ہے، میں گھر میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ باہر لوگوں پر غالب رہتا ہے۔

یعنی میرا شوہر اچھی غذائیں کھاتا اور عمدہ پھل۔۔اور میوے تناول کرتا اور مشقت کے کاموں سے الگ رہتا ہے اس لیئے اس کی کھال خرگوش کے بدن کی طرح نرم وملائم ہے اور چونکہ وہ غسل کرنے اور مشک وعطر لگانے کا خوگر ہے اس لئے اس کا بدن بیلے کے پھولوں کی طرح مہکتا ہے۔اور مجھ سے محبت کرتا اور میری ناز برداری کرتا ہے اس لیے مجھ سے مغلوب اور میرے بس میں رہتا ہے۔لیکن سوسائٹی میں اس کی عزت وعظمت ہے۔ اس لیے وہ لوگوں پر غالب ہے اور اس کا کہا مانا جاتا ہے۔اس طرح اس نے اپنے شوہر کی پاکیزگی خوش عیشی محبت حلم اور عزت وعظمت کو بڑے پیارے اور محبوبانہ انداز سے بیان کیا تھا۔

قالت التاسعة زوجي رفيع العماد طويل النجاد عظيم الرماد قريب البيت من الناد.

نویں بولی میرا شوہر اونچے ستون والا لمبے پرتلے والا راکھ کے انبار والا ہے چوپال سے نزدیک گھر والا ہے یعنی اس کا گھر بستی میں نمایاں۔ممتاز اور سب سے اونچا ہے۔ظاہر ہے کہ چھت تو ستونوں کے اوپر ہوتی ہے جس گھر کے ستون اونچے ہوں گے اس کی دیواریں بھی اونچی ہوں گی۔اونچا اور ممتاز گھر اس نے اس لئے بنایا ہے کہ مسافروں کو دور

سے نظر آ جائے اور وہ اس کا قصد کر کے آئیں کھائیں پییں اور آرام کریں اور طویل النجاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قد آور اور لمبے ڈیل ڈول کا ہے اس لئے اس کی تلوار کا پرتلہ لمبا ہے۔ اور اعتدال کے ساتھ بلند قامتی جمال انسانی کے اوصاف میں سے ہے۔ عظیم الرماد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے یہاں بکثرت مہمان اور ملاقاتی آتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے کھانا پکایا جاتا ہے تو راکھ کا انبار جمع ہو جاتا ہے۔ بستی کے سب لوگ جس جگہ روزانہ اکٹھے ہوتے ہیں اور مسافرین آ کر ٹھہرتے ہیں اسے ہندی میں چوپال اور عربی میں النادی اور الندوۃ کہتے ہیں۔ چوپال سے قریب گھر اس نے اس لئے بنایا ہے کہ مہمانوں اور زائرین کے لئے ضرورت کی چیزیں جلد گھر سے لائی جاسکیں الحاصل اس نے بتایا کہ میرا شوہر بلند و بالا قامت کا سخی و مہمان نواز رئیس ہے۔

زبیر بن بکار کی روایت میں ان اوصاف پر یہ اضافہ ہے۔

لایشبع لیلة یضاف و لا ینام لیلة یخاف جس رات اس کے یہاں کثرت سے مہمان آ جاتے ہیں وہ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتا۔ مبادا مہمانوں کے لئے کوئی کمی رہ جائے اور جس رات اسے کسی اور قبیلہ کی جہت سے اپنی بستی پر حملہ کا خطرہ ہوتا ہے تو دفاع کی تیاری میں مصروف رہنے کی وجہ سے نہیں سوتا یعنی وہ اپنی بستی اور قبیلہ کے تحفظ کا دھیان رکھنے والا سردار ہے۔

قالت العاشرۃ زوجی مالک. وما مالک. مالک خیر من ذلک له ابل کثیرات المبارک قلیلات المسارح واذا سمعن صوت المزهر ایقن انهن هوالک.

دسویں نے کہا میرے میاں کا نام مالک ہے۔ ہائے ہائے مالک کیا چیز ہے۔ مالک اس سے بہتر ہے جو اس کے وصف میں کہا جائے۔ اس کی ملکیت میں بہت اونٹ ہیں۔ ان کی تعداد رات کو بیٹھنے میں تو بہت ہوتی ہے لیکن دن میں چراگاہوں میں جاتے ہوئے کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے کئی اونٹ صبح ہی صبح مہمانوں کے لئے ذبح کر لیئے جاتے ہیں۔ اور جب وہ باجے کی یعنی بانسری وغیرہ کی آواز سنتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا

ہے کہ وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔یعنی مالک کے احباب آتے ہیں نغمہ وسرود کی محفل جمتی ہے گانے والیاں آتی ہیں اور سازوں کی طرب انگیز آواز کے ساتھ ان کے گیت سماں باندھنے لگتے ہیں تو اونٹ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کی خاطر مدارات کے لئے ہمیں ضرور ذبح کیا جائے گا۔ روز بروز کے مشاہدے نے ان کے اندر یہ یقین پیدا کر دیا ہے۔غرضیکہ اس نے بتایا کہ اس کا پتی بہت مالدار اور سخی ومہمان نواز شخص ہے۔اس کے یہاں مہمانوں اور دوستوں کی آمد کا۔ان کے لئے اونٹوں کے ذبح ہونے کا اور ادھر اُدھر سے خرید کر نئے اونٹ لے آنے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

قالت الحادية عشرة زوجي ابوزرع فما ابو زرع؟ اناس من حليّ اُذُنَيّ وملأ من شحم عضدي وبجحني فبجحت الي نفسي. وجدني في اهل غنيمة بشق. فجعلني في اهل صهيل واطيط ودائس ومنق فعنده اقول فلا اُقبح وارقد فاتصبح واشرب فاتقنح.

گیارہویں نے کہا میرا خاوند ابوزرع ہے۔کیا بتاؤں ابوزرع کیا ہے۔اس نے زیوروں سے میرے دونوں کان جھکا دیے اور چربی سے میرے دونوں بازو بھر دیے۔اور مجھے عظمت دی تو میری ذات خود میرے نزدیک عظیم ہوگئی۔یعنی میں خود کو عظیم سمجھنے لگی۔اُس نے مجھے مشقت میں پڑے ہوئے چند بکریوں والے گھرانے میں پایا تھا (یعنی میں کسی خوشحال گھر کی بیٹی نہ تھی میرے میکے والوں کے پاس بکریوں کا چھوٹا سا ریوڑ تھا اس کے سہارے بڑی مشقت کے ساتھ ان کی گذر بسر ہوتی تھی) مجھے بیوی بنا کر ابوزرع نے گھوڑوں، اونٹوں، بیلوں اور غلاموں باندیوں والے گھرانے میں کر دیا۔تو اس کے گھر میں میری عزت کا یہ حال ہو گیا کہ میں بولتی ہوں تو میری بات کو غلط اور برا کہہ کر رد نہیں کیا جاتا (کوئی یہ نہیں کہتا کہ ایسا مت کہو،تم نے غلط کہا میری ہر بات بے چوں وچرا تسلیم کی جاتی ہے)اور سوتی ہوں تو صبح کر دیتی ہوں (گھر کے کام کاج کے لئے سویرے اٹھنا نہیں پڑتا۔ کیونکہ کام کاج کرنے والی خادمائیں اور باندیاں ہیں)اور دودھ وغیرہ پیتی ہوں تو مزید پینے کے لئے مجھ سے اصرار کیا جاتا ہے۔

صہیل کے معنی ہیں گھوڑے کی ہنہناہٹ۔ مراد گھوڑے ہیں اطیط کے معنی ہیں اونٹ یا اونٹنی پر لدے ہوئے ہودج کی چرچراہٹ جب کہ تیز چل رہا ہو۔ اس عبارت میں اطیط سے مراد اونٹ ہیں۔ دائس کے معنی ہیں کھیتی کے لانکھ کو روندنے والا۔ کاٹی ہوئی کھیتی کو ہندی میں لانکھ کہتے ہیں۔ اب تو لانکھ سے غلہ نکالنے اور بھس الگ کرنے کی مشین سے کام لیا جاتا ہے لیکن ماضی بعید سے ماضی قریب تک جسے خود ہم نے خوب دیکھا ہے غلہ نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ لانکھ کو صاف چٹیل میدان میں اوپر تلے رکھ کر اس پر بیلوں کو گھماتے تھے ان کے مسلسل روندنے سے لانکھ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا اور بالوں میں سے غلہ نکل آتا تھا۔ اسے ہمارے دیہات میں داہنا کہتے تھے۔ کاہنا بھی اسے ہی کہا جاتا ہے گاہنے کے بعد ٹوکروں میں بھر بھر کر سر سے اونچا اٹھا کر اسے برساتے تھے۔ غلہ نیچے جمع ہو جاتا اور بھس کا انبار فاصلہ سے الگ لگ جاتا تھا۔ پس دائس سے مراد بیل ہیں کیونکہ ان سے غلہ گاہنے کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ دَوس سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں روندنا پامال کرنا غلہ الگ کرنے کے لئے گاہے ہوئے لانکھ کو برسانے کا کام آدمی خود کرتے تھے۔ خوشحال کاشتکار اس کام پر مزدور لگاتے تھے اور پہلے زمانے میں یہ کام غلاموں سے لیا جاتا تھا۔ عربی زبان میں اس کام کے کرنے والے کو منقی کہا جاتا ہے جو تنقیۃ سے اسم فاعل ہے۔ اس عبارت میں منقی سے مراد غلام و چاکر ہے۔

عورت خواہ کسی دولتمند شخص کی بیوی ہو مگر بسا اوقات اسے اپنی ساس کی جہت سے یا سوتیلے بیٹے اور سوتیلی بیٹی کی جہت سے جو شوہر کی پہلی بیوی سے ہوں اور سن شعور کو پہنچ چکے ہوں یا گھر کی خادمہ کی جہت سے ناگوار باتیں پیش آتی اور اس کی زندگی کو تلخ کر دیتی ہیں۔ ام زرع نے بتایا کہ اسے ابوزرع کے یہاں ان جہات سے بھی کوئی تکلیف نہ تھی اولاً اُس نے اپنی ساس کا ذکر کیا۔

ام ابی زرع فما ام ابی زرع عکومھا رداح وبیتھا فساح۔ ابوزرع کی ماں کا کیا حال بتاؤں اس کے پیٹ کے بل چربی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ فربہ بدن کی بے فکری کے ساتھ گذر بسر کرنے والی عورت ہے۔ اور اس کا گھر طول و عرض

میں بڑا فراخ ہے۔یعنی وہ اپنے بیٹے کے مکان سے الگ ایک وسیع وآرام دہ مکان میں رہتی ہے۔خوددولتمند وخوش عیش ہے گذر بسر اور رہن سہن میں بیٹے کی محتاج نہیں ہے۔اس لئے اس کی جہت سے مجھے کوئی ناگوار بات پیش آنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

پھر ام زرع نے سوتیلے بیٹے کا ذکر کیا ابن ابی زرع فما ابن ابی زرع **مضجعه کمسل شطبة وتشبعه ذراعُ الجفرة** ابوزرع کا بیٹا کیا بتاؤں وہ کیسا ہے۔اس کے لیٹنے کی جگہ کسی تلوار کے میان سے کھینچنے کی طرح ہے بکری کے بچہ کا پکایا ہوا گوشت دست (جسے ہمارے یہاں پنجہ کا گوشت کہتے ہیں) اس کا پیٹ بھر دیتا ہے۔یعنی وہ چست ونشیط لڑکا ہے۔سویا ہوا ہو اور اُسے آواز دی جائے تو بستر سے ایسی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے جیسے میان سے تلوار کھینچی جاتی ہے۔یہ نہیں کہ بیدار کرنے والا پکار پکار کر اسے جگائے۔پاؤں یا کاندھے پکڑ کر ہلائے تب اٹھے اور بستر پر بیٹھا ہوا آنکھیں ملتا رہے۔تب جمائی پر جمائی لیتا ہوا بستر چھوڑے۔اسے تو بستر سے اٹھنے میں بس اتنی دیر لگتی ہے جتنی زیر تلوار کو میان سے باہر آنے میں لگتی ہے جب اسے کھینچا جائے۔پھر وہ کھاؤ میت نہیں ہے کہ وقت بے وقت کھانا طلب کرے۔اور اناڑی کی بندوق کی طرح پیٹ بھرتا چلا جائے۔بکری کے بچہ کے پنجہ کا گوشت اسے شکم سیر کر دیتا ہے۔ظاہر ہے کہ ایسا چست ونشیط اور کم خور بچہ کبھی اپنی ماں پر بھاری نہیں بنتا۔وہ اسے جو حکم دے گی چستی ونشاط کے ساتھ فوراً اس کی تعمیل کرے گا۔

اس کے بعد اس نے سوتیلی بیٹی کی تعریف میں کہا۔بنت ابی زرع فما بنت ابی زرع **طوع ابیها وطوع امها وملأ کسائها وغیظ جارتها.**

لڑکی میں فرمانبرداری کی خوبی ہو کہ باپ یا ماں جو اسے حکم دیں بجالائے۔ساتھ ہی وہ خوبصورت اور جمیل پیکر ہو اور اس کی سوتیلی ماں کوئی شریف خاتون ہو تو وہ لڑکی اپنی سوتیلی ماں کی آنکھوں کا تارا ثابت ہوتی ہے۔وہ اسے سگی بیٹی کی طرح ہی عزیز رکھتی ہے۔ام زرع نے کہا۔

ابوزرع کی بیٹی واہ واہ کیسی اچھی بیٹی ہے اپنے باپ کی فرماں بردار اپنی ماں کی

طاعت گذار اور اپنی چادر کا بھراؤ یعنی لاغر و نحیف نہیں بلکہ پر گوشت وفربہ اندام۔ مطلب یہ ہے کہ خوشحال گھرانے کی ناز ونعم میں پلی ہوئی ہے۔ اور اپنی سوکن کے اندر غیظ وحسد بھڑ کانے والی۔ یعنی جب وہ لڑکی شادی کی عمر کو پہنچ جائے اور اس کی شادی کسی ایسے گھر ہوجائے جو پہلے سے بیوی رکھتا ہو (کیونکہ تعدد ازواج اہل عرب میں کوئی معیوب چیز نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت ایک عام ومعروف رواج کی تھی) تو شوہر اس کا ہو رہے گا اس کی دلربائی وزیبائی دیکھ دیکھ کر اس کی سوتن غیظ وحسد کی آگ میں جلے گی۔

اخیر میں اس نے گھر کی خادمہ کا ذکر کیا۔

جارية ابی زرع فما جارية ابی زرع لاتبث حديثنا تابيثا ولا تُنقّث ميرتنا تنقيثا ولا نملأ بيتا تعشيشا ابو زرع کے گھر کی خادمہ کی امانت داری وخیر خواہی کا کیا حال سناؤں۔ وہ ہماری باہمی بات چیت کا باہر جا کر ذکر نہیں کرتی (جیسا کہ عموماً نوکرانیوں کا حال ہوتا ہے کہ جس گھر میں کام کرتی ہیں اس گھر والوں کی ہوئی اور ان ہوئی باتیں دوسرے گھروں کی عورتوں کو جا جا کر بتایا کرتی ہیں) اور ہمارے کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی چوری اور خیانت نہیں کرتی اور پرندوں کو گھونسلے بنانے کا موقع دیکر ہمارے گھر کو کوڑے کرکٹ سے نہیں بھرتی۔ مطلب یہ ہے کہ گھر میں جھاڑو لگا کر جو کوڑا نکالتی ہے تو اسے گھر سے باہر دور پھینکتی ہے۔ قریب میں ڈالنے سے خطرہ رہتا ہے کہ چڑیاں اور دیگر پرندے چونچوں میں بھر کر اس کوڑے سے چن چن کر چھوٹی چھوٹی لکڑیاں لے آئیں اور وہ گھر میں ہی اپنے گھونسلے بنالیں۔ ان گھونسلوں سے ان کی بیٹ اور کوڑا گھر میں گرتا رہے۔

اس طرح ام زرع ابو زرع کے یہاں خیر وخوبی اور عزت وتکریم کے ساتھ رہتی رہی مگر پھر اُس کی خوش نصیبی کو زوال آ گیا کیسے: ام زرع نے بتایا۔

خرج ابوزرع والاوطاب تمخض فلقى امراة معها ولدان لها كالفهدين يلعبان من تحت خصرها برمانتين فطلقنى ونكحها.

ایک دن صبح سویرے ابو زرع نکلا حال یہ تھا کہ دودھ ہانڈیوں میں بلویا جارہا تھا۔

(وہ کھیتوں کو دیکھنے کے لئے نکلا تھا) تو ایک بڑی حسین وجمیل عورت ایک جگہ لیٹی نظر آئی اس کی رانیں اور سرین بڑے بھاری تھے کمر نہایت پتلی چت لیٹی ہوئی تھی مگر اس کی کمر زمین سے نہ لگ رہی تھی مونڈھے اور سرین زمین سے لگ رہے اور کمر زمین سے ابھری ہوئی تھی اس کے ساتھ اس کے دو چست وشیط بچے تھے جو دائیں بائیں دو اناروں سے کھیل رہے تھے (ابومعاویہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ دونوں بچے اس کے بھائی تھے) دائیں جانب والا لڑکا اپنا انار سیدھ میں لڑھکاتا تو اس دلربا عورت کی کمر کے نیچے سے نکل کر بائیں جانب والے بچے کی طرف چلا جاتا وہ ادھر سے اپنا انار لڑھکاتا تو عورت کی کمر کے نیچے سے نکل کر اس طرف آ جاتا اس عورت کے حسن اور پر کشش بدن نے ابوزرع کو اس کا دیوانہ بنادیا اس نے اسے پیام نکاح دیا اس نے اس شرط کے ساتھ اس کا پیام قبول کرلیا کہ پہلی بیوی کو طلاق دیدو ابوزرع نے مجھے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کرلیا (اس طرح میں اُس عظیم آسایش ونعمت سے محروم ہوگئی) فنکحت بعده رجلا سريا ركب شريا واخذ خطيا واراح عليّ نعما ثريا واعطاني من كل رائحة زوجا وقال كلي ام زرع وميري اهلک. قالت فلو جمعت كل شئی اعطانيه مابلغ اصغر آنية ابی زرع.

ام زرع نے کہا پس ابوزرع سے طلاق مل جانے کے بعد میں نے ایک معزز سردار سے نکاح کرلیا (جو شہسوار، اونچی اور کافی دولتمند شخص تھا) تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور ہاتھ میں خطی نیزہ لیا (خط ایک نیستاں کا نام ہے جہاں نہایت عمدہ مضبوط ٹھوس سیدھے اور لمبے بانس اُگتے تھے۔ وہاں کے بانس کا بنا ہوا نیزہ خطی کہلاتا تھا جو بہتر ہتھیار ثابت ہوتا تھا اور گراں قیمت پر دستیاب تھا) اس کے یہاں میں نے دیکھا کہ شام کو چراگاہ سے چر کر کثیر مقدار میں قیمتی اونٹ آتے ہیں قسم قسم کے۔ اس نے ہر قسم میں سے مجھے ایک جوڑا۔ اونٹ اور اونٹنی بخش دیا اور کہا اے ام زرع خود بھی کھا (یعنی ان اونٹوں سے جو آمد ہو جو مال حاصل ہو بے روک ٹوک اسے اپنے تصرف میں لا) اور اپنے میکے والوں کو بھی دے (تجھ پر کوئی پابندی نہیں۔ ام زرع نے بتایا کہ (گو میں دوسرے شوہر کے یہاں بھی آسودگی کے ساتھ

عیش کر رہی ہوں لیکن سچی بات یہ ہے کہ) اس نے مجھے جو قسم قسم کا مال و متاع دیا ہے اگر میں سب کو جمع کر لیتی تب بھی وہ ابو زرع کے سب سے چھوٹے برتن کے سامان کی قدر و قیمت کو نہ پہنچتا۔ ام زرع کا قصہ بیان کرنے کے بعد ھشام بن عروہ نے اپنے بھائی عبداللہ سے اس نے اپنے والد عروہ سے اس نے اپنی خالہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا میں تیرے لئے ایسا ہی ثابت ہوا ہوں جیسا ابوزرع ام زرع کے لئے تھا۔

قالت قال لی رسول الله ﷺ کنت لک کابی زرع لأم زرع (صحیح بخاری ص ۷۸۰ کتاب النکاح باب حسن المعاشرۃ مع الاهل)

ناظرین نے یہ قصہ ضروری بیان و وضاحت کے ساتھ پڑھ لیا تو اب اس کی سند سمجھ لیجئے اور یہ کہ کس کس محدث نے اسے حدیث نبوی کی طرح بیان کرنے کی بے ہودہ اور بھاری غلطی کی تھی۔

اس کا راوی اول تنہا ھشام بن عروہ ہے اس نے کہا تھا کہ مجھے یہ قصہ اپنے بڑے بھائی عبداللہ سے اور اسے والد ماجد عروہ سے اور انہیں حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوا تھا۔ عبداللہ بن عروہ کی پیدائش ۴۵ھ میں ہوئی تھی اپنے والد عروہ سے بس پندرہ سال چھوٹے تھے پھر ھشام کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی۔ ھشام اپنے بھائی عبداللہ سے سولہ سال چھوٹا تھا۔ اب کیا یہ سخت حیرت کی بات نہیں کہ عروہ نے یہ حدیث عمر بھر کسی کو نہیں سنائی صرف اپنے بڑے بیٹے عبداللہ کو ہی بتائی۔ عبداللہ نے بھی کبھی کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا صرف اپنے بھائی ھشام کو یہ قصہ سنایا۔ پھر سب جانتے ہیں کہ ھشام نے اپنے والد عروہ سے بہت حدیثیں سنی اور ان کی روایت کی ہے۔ لیکن کبھی یہ خیال نہ ہوا کہ عبداللہ سے سنی ہوئی حدیث ام زرع کے متعلق براہ راست عروہ سے پوچھ لے کہ ابا جان مجھے بھائی عبداللہ نے ام زرع کا قصہ آپ کے حوالہ سے سنایا تھا کیا وہ صحیح قصہ ہے۔ عروہ کی زندگی میں کبھی ھشام نے اس کے متعلق نہیں پوچھا حالانکہ نہایت آسانی سے پوچھ سکتا تھا۔ تو ایسا کیوں ہوا؟ پھر ھشام نے یہ قصہ دو شخصوں کو بتایا عیسی بن یونس کو اور سعید بن سلمہ کو۔

عیسیٰ بن یونس سے اس کی روایت تین اشخاص نے کی ہے سلیمان بن عبدالرحمٰن علی بن حجر احمد بن جناب سلیمان و علی دونوں سے بخاری نے۔

صرف علی بن حجر سے ترمذی نے (شمائل ترمذی ص ۱۸ طبع ھند)

علی بن حجر و احمد بن جناب سے مسلم نے (صحیح مسلم کتاب الفضائل، آخر باب فضل عائشہ)

سعید بن سلمہ سے موسیٰ بن اسماعیل نے اس سے بواسطہ حسن بن علی مسلم نے۔
بخاری و مسلم و ترمذی کی روایت کے مطابق۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی نہیں بلکہ حضرت عائشہ کی کہی ہوئی ہے۔ موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔ ہاں آخر میں کنتُ لک کابی زرع لام زرع مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔

فتح الباری میں ہے کہ ھیثم بن عدی نے اس کی اسناد میں عن ھشام بن عروۃ عن اخیہ یحیی بن عروۃ عن ابیہ عروۃ بن الزبیر" کہا ہے۔ یعنی عبداللہ بن عروہ کی جگہ یحییٰ بن عروہ کہا ہے۔ یحییٰ ھشام کا باپ شریک بھائی تھا اس کی ماں مروان بن حکم کی بہن تھی عمر میں ھشام سے بڑا اور علم و فضل میں فائق تھا۔

اور عقبہ بن خالد و عباد بن منصور اور عبدالعزیز دراوردی و عبداللہ ابن مصعب و ابو معاویہ و عبدالرحمٰن بن ابی الزناد نے بھی ھشام سے اس کی روایت کی ہے۔ ان سب کی اسناد میں نہ عبداللہ کا ذکر ہے نہ یحییٰ کا۔ عن ھشام عن ابیہ عروۃ ہے۔ عقبہ و عباد کی روایت نسائی نے تخریج کی ہے دراوردی و عبداللہ بن مصعب کی روایت زبیر بن بکار نے۔ ابو معاویہ کی ابو عوانہ نے۔ عبدالرحمٰن کی طبرانی نے نیز عقبہ بن خالد و ابو اویس اور ابراہیم بن ابی یحییٰ نے یہ اسناد ذکر کی ہے۔ عن ھشام بن عروہ عن یزید بن رومان عن عروۃ اور بس خبر مرفوع کو روایت کیا ہے یعنی کنت لک کابی زرع لام زرع۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ھشام بن عروہ کو اس کی سند اچھی طرح یاد نہ تھی کسی کو بتا دیا کہ مجھے یہ حدیث بھائی عبداللہ سے پہنچی ہے کسی کو یہ کہ بھائی یحییٰ سے اور متعدد اشخاص سے اسے بیان کرتے ہوئے اس نے نہ عبداللہ کا ذکر کیا نہ یحییٰ کا اور انہیں یہ تاثر دیا کہ مجھے یہ حدیث

اپنے والد عروہ سے پہنچی ہے ظاہر ہے کہ اس شدید اضطراب کے ہوتے ہوئے یہ حدیث صحیح السند نہیں سمجھی جاسکتی۔

اور سنیے عباد بن منصور وعبداللہ بن مصعب ودراوردی تینوں کی روایت کے مطابق ھشام نے یہ حدیث یوں بیان کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کنت لک کابی زرع لام زرع یہ سن کر ام المؤمنین نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ابو زرع کون تھا ام زرع کون تھی؟ آپ نے فرمایا گیارہ عورتیں عہد و پیمان کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے شوہر کا حال بتائیں گی۔ الخ اس طرح یہ پورا قصہ اول سے آخر تک حدیث مرفوع بن جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کا بیان فرمایا ہوا۔

اس سخت اختلاف کے ہوتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ ھشام نے اسے کبھی کسی طرح ذکر کر دیا کبھی کسی طرح۔ نہ اس کی سند درست ہے نہ متن۔ اور اس میں یہ جو پیوند لگایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کنت لک کابی زرع لام زرع تو یہ بالکل غلط اور رسول اللہ ﷺ پر دروغ بافی اور بے معنی بات ہے۔ اس مثال کی کوئی تک نہیں ہے۔ آپ ایسی بے تکی بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

الغرض بخاری و مسلم کا اسے صحیح گمان کر کے درج صحیح کر دینا ان کی غلطیوں میں سے ایک شدید غلطی ہے کیونکہ یہ سرے سے حدیث نبوی ہے ہی نہیں۔

حدیث ام زرع کی حقیقت

یہ ایک کہانی ہے اُن کہانیوں میں سے جو اہل عقل وحکمت اشخاص نے حقائق عالیہ اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم کی خاطر وضع کی تھیں۔ گلستاں بوستاں انوار سہیلی جیسی کتابوں میں ایسی بے شمار کہانیاں موجود ہیں۔ بچے اور نوعمر وکم عقل لوگ انہیں دلچسپ قصوں کی حیثیت سے یاد کر لیتے ہیں۔ گھروں میں بوڑھی اور پختہ کار عورتیں بچوں کو اور بڑے بوڑھے لوگ چوپالوں میں وہ مزے دار حکایتیں سناتے ہیں اور ان کے اندر جرأت وہمت وشجاعت وسخاوت کی خوبیاں اور بخل وبزدلی اور بری خصلتوں کی برائیاں راسخ کر دیتے ہیں۔ چڑیوں کبوتروں شیروں گیدڑوں اور لومڑیوں کے قصوں کے پردے میں یہ ہی مقاصد

ومطالب پنہاں ہوتے ہیں۔اسی طرح کی کسی عربی مردِ دانا کی وضع کی ہوئی یہ گیارہ عورتوں کی کہانی ہے۔اس کہانی کے بنیادی مقصد دو ہیں اول پسندیدہ شوہر کے اوصاف کا بیان کہ عرب کی شریف عورت چاہتی ہے کہ اس کا شوہر ان سے متصف ہو۔دوم زراعت کی خوبی و برکت۔ام زرع اس کہانی میں زمین سے کنایہ ہے زمین اپنی فطرت وطبیعت کے لحاظ سے یہ چاہتی ہے کہ اسے جوتا بویا جائے۔لہلہاتی کھیتیاں اس سے برآمد ہوں جب تک کوئی قطعہ زمین ابوزرع یعنی کاشتکار کے تصرف میں اس کی زراعتی کوششوں اور محنتوں کے سایہ میں رہتا ہے بہجت ومسرت سے جھومتی رہتی ہے اور جب وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر اس میں زراعت کرنے سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس میں زراعت کے علاوہ اور کام ہونے لگتے ہیں جیسے مکانوں کی تعمیر یا کارخانوں کا قیام وغیرہ وغیرہ تو ایسا سمجھو کہ ابوزرع نے ام زرع کو طلاق دیدی اور وہ کسی اور شخص کی زوجیت میں چلی گئی۔دوسرے شخص نے اس پر شاندار محل تعمیر کیا۔کمروں میں سنگ مرمر کا فرش بچھایا دیواروں کو سجایا، کتبے اور تصویریں آویزاں کیں قیمتی فرنیچر سے اس کے تمام کمرے آراستہ کر دیے۔مگر ام زرع کا رنج وافسوس اس آرائش وزیبائش سے زائل نہیں ہوتا۔وہ تو اُن ہی مبارک ایام کو یاد کرتی رہتی ہے جو اس نے ابوزرع سے تعلق کے زمانے میں گذارے تھے اہل عرب میں یہ کہانی معروف تھی ھشام نے یہ غلطی کی تھی کہ اسے حدیث نبوی یا حضرت ام المؤمنین کا ذکر فرمایا ہوا قصہ قرار دے دیا۔تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔

لما حدث هشام بن عروة بحديث ام زرع هجره ابو الاسود يتيم عروة وقال لم يكن احد يرفع حديث ام زرع غيره یعنی جب ھشام نے حدیث ام زرع بیان کی تو ابوالاسود نے جسے یتیم عروہ کہا جاتا ہے ھشام سے قطع تعلق کر لیا اور کہا کہ ھشام کے سوا کوئی بھی اسے حدیث عائشہ کی حیثیت سے بیان کرنے کی جسارت نہ کر سکا۔

ابوالاسود کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ام زرع کی یہ کہانی معروف تھی۔مگر حدیث کی حیثیت سے نہیں۔حدیث کی حیثیت تو اسے ھشام نے دی ہے اور اس نے یہ اچھا نہیں کیا۔

نے یہ حدیث یوں بیان کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کنت لك کابی زرع لام زرع یہ سن کر ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ابو زرع کون تھا ام زرع کون تھی؟ آپ نے فرمایا گیارہ عورتیں عہدو پیمان کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے شوہر کا حال بتائیں گی۔ الخ اس طرح یہ پورا قصہ اول سے آخر تک حدیث مرفوع بن جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کا بیان فرمایا ہوا۔

اس سخت اختلاف کے ہوتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ ھشام نے اسے کبھی کسی طرح ذکر کر دیا کبھی کسی طرح۔ نہ اس کی سند درست ہے نہ متن۔ اور اس میں یہ جو پیوند لگایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کنت لك کابی زرع لام زرع تو یہ بالکل غلط اور رسول اللہ ﷺ پر دروغ بافی اور بے معنی بات ہے۔ اس مثال کی کوئی تک نہیں ہے۔ آپ ایسی بے تکی بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

الغرض بخاری و مسلم کا اسے صحیح گمان کر کے درج صحیح کر دینا ان کی غلطیوں میں سے ایک شدید غلطی ہے کیونکہ یہ سرے سے حدیث نبوی ہے ہی نہیں۔

حدیث ام زرع کی حقیقت

یہ ایک کہانی ہے اُن کہانیوں میں سے جو اہل عقل و حکمت اشخاص نے حقائق عالیہ اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم کی خاطر وضع کی تھیں۔ گلستاں بوستاں انوار سہیلی جیسی کتابوں میں ایسی بے شمار کہانیاں موجود ہیں۔ بچے اور نوعمر و کم عقل لوگ انہیں دلچسپ قصوں کی حیثیت سے یاد کر لیتے ہیں۔ گھروں میں بوڑھی اور پختہ کار عورتیں بچوں کو اور بڑے بوڑھے لوگ۔ چوپالوں میں وہ مزے دار حکایتیں سناتے ہیں اور ان کے اندر جرأت و ہمت و شجاعت و سخاوت کی خوبیاں اور بخل و بزدلی اور بری خصلتوں کی برائیاں راسخ کر دیتے ہیں۔ چڑیوں کبوتروں۔ شیروں گیدڑوں اور لومڑیوں کے قصوں کے پردے میں یہ ہی مقاصد و مطالب پنہاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح کی کسی عربی مرد دانا کی وضع کی ہوئی یہ گیارہ عورتوں کی کہانی ہے۔ اس کہانی کے بنیادی مقصد دو ہیں اول

پسندیدہ شوہر کے اوصاف کا بیان کہ عرب کی شریف عورت چاہتی ہے کہ اس کا شوہر ان سے متصف ہو۔ دوم زراعت کی خوبی ور برکت۔ ام زرع اس کہانی میں زمین سے کنایہ ہے زمین اپنی فطرت وطبیعت کے لحاظ سے یہ چاہتی ہے کہ اسے جوتا بویا جائے۔ لہلہاتی کھیتیاں اس سے بر آمد ہوں جب تک کوئی قطعۂ زمین ابو زرع یعنی کاشتکار کے تصرف میں اس کی زراعتی کوششوں اور محنتوں کے سایہ میں رہتا ہے بہجت ومسرت سے جھومتی رہتی ہے اور جب وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر اس میں زراعت کرنے سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس میں زراعت کے علاوہ اور کام ہونے لگتے ہیں جیسے مکانوں کی تعمیر یا کارخانوں کا قیام وغیرہ وغیرہ تو ایسا سمجھو کہ ابو زرع نے ام زرع کو طلاق دیدی اور وہ کسی اور شخص کی زوجیت میں چلی گئی۔ دوسرے شخص نے اس پر شاندار محل تعمیر کیا۔ کمروں میں سنگ مرمر کا فرش بچھایا دیواروں کو سجایا، کتبے اور تصویریں آویزاں کیں قیمتی فرنیچر سے اس کے تمام کمرے آراستہ کردیے۔ مگر ام زرع کا رنج وافسوس اس آرایش وزیبائش سے زائل نہیں ہوتا۔ وہ تو ان ہی مبارک ایام کو یاد کرتی رہتی ہے جو اس نے ابو زرع سے تعلق کے زمانے میں گذارے تھے اہل عرب میں یہ کہانی معروف تھی ھشام نے یہ غلطی کی تھی کہ اسے حدیث نبوی یا حضرت ام المؤمنین کا ذکر فرمایا ہوا قصہ قرار دے دیا۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔

لما حدث هشام بن عروة بحديث ام زرع هجره ابو الاسود يتيم عروة وقال لم يكن احد يرفع حديث ام زرع غيره یعنی جب ھشام نے حدیث ام زرع بیان کی تو ابو الاسود نے جسے یتیم عروہ کہا جاتا ہے ھشام سے قطع تعلق کر لیا اور کہا کہ ھشام کے سوا کوئی بھی اسے حدیث عائشہ کی حیثیت سے بیان کرنے کی جسارت نہ کر سکا۔

ابو الاسود کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ام زرع کی یہ کہانی معروف تھی۔ مگر حدیث کی حیثیت سے نہیں۔ حدیث کی حیثیت تو اسے ھشام نے دی ہے اور اس نے یہ اچھا نہیں کیا۔

(۷۳) ابوحازم سلمہ بن دینار کی سہل بن سعد ساعدی سے روایت کی ہوئی ایک لغو و باطل حدیث

بخاری نے کہا ہے ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا کہ ہم سے ابوغسان محمد بن مطرف نے بیان کیا کہ مجھ سے ابوحازم نے بیان کیا—

حدثنی ابو حازم عن سهل بن سعد قال: ذکر للنبی ﷺ امرأة من العرب فامر ابا اُسید الساعدی ان یرسل الیها فارسل الیها فقدمت فنزلت فی اجم بنی ساعدة فخرج النبی ﷺ الیها حتی جاء ها فدخل علیها. فاذا امرأة منکسة راسها فلما کلمها النبی ﷺ قالت اعوذ بالله منک. فقال: قد اَعَذْتکِ منی. قالوا لها اتدرین من هذا؟ قالت: لا. قالوا هذا رسول الله جاء لیخطبک. قالت: کنت انا اشقی من ذلک فاقبل النبی ﷺ یومئذ حتی جلس فی سقیفه بنی ساعدة هو و اصحابه ثم قال اسقنا یا سهل. فاخرجت لهم هذا القدح فاسقیتهم فیه. فاخرج لنا سهل ذلک القدح مشربنا منه. قال ثم استوهبه عمر بن عبدالعزیز بعد ذلک فوهبه له.(صحیح بخاری ص ۸۴۲ اواخر کتاب الاشربة)

ابوحازم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ سے اہل عرب میں سے ایک عورت کا ذکر کیا گیا (کہ وہ اپنی صورت وسیرت کے لحاظ سے آپ کی بیوی بننے کے لائق ہے۔ تو آپ نے ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کے پاس کوئی قاصد بھیج کر اسے بلالو۔ ابواسید نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ آ گئی تو بنی ساعدہ کے محلہ میں واقع ایک گھر میں فروکش ہوئی۔ اس کی آمد کی اطلاع ملنے پر (چند اصحاب کے ساتھ) نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے اندر تشریف لے جا کر دیکھا تو وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ آپ نے اس سے گفتگو شروع کی تو بولی میں تجھ سے اللہ کی پناہ لیتی ہوں..... اللہ مجھے تجھ سے بچائے..... فرمایا ٹھیک ہے میں نے تجھے اپنی ذات سے الگ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ مطمئن رہ میں تجھے ہاتھ نہ لگاؤں گا (یہ فرما کر آپ اٹھ کر باہر آ گئے۔ گھر میں موجود اشخاص نے

(جو یقیناً بنی ساعدی کی خواتین ہوں گی) اس سے کہا تجھے معلوم ہے یہ صاحب کون تھے؟ بولی نہیں۔ انہوں نے کہا یہ رسول اللہ ہیں۔ تجھے اپنا پیام نکاح دینے کے لئے آئے تھے۔ بولی مجھ بدنصیب کی قسمت میں یہ سعادت کہاں تھی؟......

اس کے پاس سے نکل کر نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب بنی ساعدہ کی چوپال میں آ کر بیٹھے پھر آپ نے فرمایا اے سہل ہمیں پانی پلاؤ۔ سہل نے بیان کیا کہ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ گھر سے یہ بڑا پیالہ لے کر آیا اس سے میں نے ان سب حضرات کو پینے کے لئے پانی دیا۔ ابو حازم نے کہا تو پھر اس پیالہ کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے (جب وہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے) سہل بن سعد سے مانگ لیا۔

(صحیح بخاری ص ۸۴۲ اواخر کتاب الاشربہ باب الشرب من قدح النبی ﷺ وانیتہ)

اس حدیث کے دو جزء ہیں۔ اول اُس عورت کا قصہ جس نے آپ سے اعوذ باللہ منک کہا تھا۔

دوم سقیفہ بنی ساعدہ میں سہل بن سعد کا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو پانی پلانے کا قصہ جزء دوم غالباً صحیح ہے لیکن جزء اول یعنی عورت کا قصہ قطعاً لغو و باطل ہے۔ اس لیے کہ اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو اسید سے فرمایا تھا کہ اس عورت کے پاس کسی کو بھیج کر اسے بلالو۔ ابو اسید نے ایسا ہی کیا اور وہ آ گئی۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس عورت کا باپ بھائی چچا یا اور کوئی عزیز قریب نہ تھا؟ کیا وہ خود مختار اور اپنی مرضی کی مالک تھی کہ ابو اسید کا پیام ملتے ہی مدینہ چلی آئی۔ آخر ابو اسید اور اس عورت کے درمیان کیا تعلق تھا جس نے اُسے ابو اسید کی بات ماننے اور سفر کی مشقت اٹھا کر مدینہ چلے آنے پر آمادہ کر دیا تھا؟ اگر عرب میں کوئی ایسی حسین اور خود مختار اور اپنی مرضی کی مالک عورت ہوتی تو اسے تو معروف و مشہور ہونا چاہئے تھا حالانکہ اس قصہ کے راوی اول سہل بن سعد کو اس کا نہ نام معلوم تھا نہ قبیلہ۔ اور اگر نبی ﷺ اس عورت کو بلانا چاہتے تھے تو ابو اسید کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ جزیرۂ عرب میں آپ کا نام پھیل چکا تھا اور جو قبائل ہنوز مسلمان نہ ہوئے تھے وہ بھی آپ کی عظمت کے معترف تھے۔ پس آپ خود اپنی طرف سے کسی کو اس کے پاس بھیج سکتے تھے اور انصار کے قبیلہ بنی

ساعدہ میں سے ہی کسی مرد سے یہ کام لینا قرین مصلحت تھا تو بنی ساعدہ کے مشہور معروف سردار سعد بن عبادہ اس خدمت کے لئے موزوں تر تھے۔ جنہیں عام اہل عرب مرد کامل کہا کرتے تھے۔ پھر اس قصہ میں مذکور ہے کہ جب آپ اُس عورت سے ملنے کے لئے گئے ہیں تو اس نے آپ کو نہیں جانا کہ کون صاحب ہیں۔

مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے آپ اجازت لیئے بغیر کسی گھر میں نہ جاتے تھے۔ آپ نے اس گھر کے دروازے پر اندر آنے کی اجازت ضرور چاہی ہوگی گھر میں جو اشخاص تھے انہوں نے اس عورت کو بتایا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ آپ سے ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ پھر اس میں مذکور ہے کہ اس گھر کے اشخاص نے جب اسے بتایا کہ یہ رسول اللہ تھے جو آپ کو پیام دینے کی غرض سے آئے تھے تو اس نے رنج و افسوس کے ساتھ کہا "كنت انا اشقى من ذلك" تو پھر اس نے آپ کے پاس کسی کو بھیج کر معذرت کیوں نہ کی کہ یارسول اللہ میں نے آپ سے جو گستاخانہ انداز اختیار کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں آپ کو جانتی نہ تھی۔

پھر اس میں یہ جو مذکور ہے کہ آپ اسے پیام نکاح دینے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کیونکہ سورۃ الاحزاب میں جو کہ ۵ھ میں نازل ہوئی ہے جب کہ سہل بن سعد دس سال کے نابالغ بچہ تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو صراحۃً بتادیا تھا کہ آپ کے لیے موجودہ بیویوں کے علاوہ بس مہاجرات میں سے چچا کی یا پھوپھی کی یا ماموں کی یا خالہ کی بیٹی حلال ہیں۔ نیز واھبۃ النفس سے آپ نکاح کرنا چاہیں خواہ وہ مہاجرہ نہ ہو تو وہ بھی حلال ہے۔ اس صریح حکم کے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اس عورت کو جس کا ابوحازم نے ذکر کیا ہے پیام نکاح دینے کا ارادہ کیسے فرماسکتے تھے۔ نہ وہ مہاجرہ تھی نہ واھبۃ النفس تھی۔ پس ابوحازم نے جو بیان کیا تھا وہ سراسر شروع سے آخر تک لغو ہے۔

حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی مشہور شرح فتح الباری میں یہ غضب ڈھایا کہ یہ لکھ مارا ہے کہ اُس عورت نے جو رسول اللہ ﷺ سے اعوذ باللہ منک کہا تھا تو یہ غلطی اُس سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما نے فریب دے کر اور جھوٹ بول کر کرائی

تھی چنانچہ هشام بن محمد نے عبدالرحمٰن بن الغسیل سے روایت کی ہے کہ عائشہ وحفصہ دونوں اس عورت کی آمد کی خبر (اور س کے حسن و جمال کی شہرت) سن کر چپکے سے اس کے پاس پہنچیں تو اس کے بال سنوارے مہندی لگائی اور ان دونوں میں سے ایک نے اس سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بڑی اچھی لگتی ہے کہ دلہن ان سے جب وہ اس کے پاس آئیں اعوذ بالله منک کہے۔ یہ پٹی پڑھا کر دونوں چلی گئیں۔

(فتح الباری ۹ کتاب الطلاق باب ۳)

اسے بدون نکیر وارد کر کے ابن حجر نے حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہا کی شان میں بڑی بھاری گستاخی کی ہے حالانکہ ابن حجر کو خوب معلوم تھا کہ هشام اس کا راوی ومصنف رافضی تھا اس نے عبدالرحمٰن بن الغسیل پر دروغ بافی کی ہے عبدالرحمٰن نے قطعاً یہ بے ہودہ قصہ نقل نہیں کیا۔ یہ خود اس هشام کا گھڑا ہوا ہے مسجد نبوی سے بني ساعدہ کا محلہ تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ ناممکن تھا کہ ام المؤمنین عائشہ وحفصہ گھر سے چپکے سے اجازت لیئے بغیر وہاں پہنچیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلے نہ کسی اور ام المؤمنین کو نہ کسی صحابی کو...... کیونکہ اس کی وحی تو شیطان نے اسی خبیث هشام کو کی تھی۔

الغرض ابو حازم نے سہل بن سعد سے روایت کر کے جو قصہ بیان کیا ہے وہ لغو اور غلط ہے بخاری پر لازم تھا کہ اسے درج صحیح نہ کریں۔ یہ لغو قصہ ابو حازم نے خود نہیں گھڑا تھا۔ فی الواقع بدحفظی کی وجہ سے اسے سہل سے سنا ہوا قصہ صحیح یاد نہ رہا۔ انٹ شنٹ کچھ کا کچھ بیان کر دیا۔ صحیح حدیث وہ ہے جو سہل بن سعد سے ان کے فرزند عباس نے روایت کی ہے۔ اس کی تخریج امام احمد نے بھی کی ہے اور امام بخاری نے بھی۔ احمد کی روایت واضح و مفصل ہے امام احمد فرماتے ہیں۔

حدثنا ابو احمد الزبیری قال اخبرنا عبدالرحمن بن الغسیل عن ابی حمزة بن ابی اسید عن ابیه وعباس بن سهل عن ابیه قالا مربنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واصحابٌ له فخرجنا معه حتی انطلقا الی حائط یقال له الشوط حتی انتهینا الی حائطین فجلسنا بینهما فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اجلسوا ودخل هو وقد اتی بالجونیة فی بیت امیة بنت النعمان بن شراحیل ومعها دایة لها فلما دخل علیها رسول الله

ﷺ قال: هبی لی نفسک. قالت وهل تهب الملكة نفسها للسوقة (فاراد ان يضع يده عليها لتسكن) قالت انی اعوذ بالله منک. قال لقد عذت بمعاذ. ثم خرج علينا فقال يا ابا اُسَيد اُكسها رازقيين والحقها باهلها. وقال غير ابی احمد امرأة من بنی الجون يقال لها اُمينة. (مسند ۳ ص ۴۹۸، مسند ۵ ص ۳۳۹)

ہم سے ابواحمد زبیری نے بیان کا کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن غسیل نے بتایا۔ ابوحمزہ وعباس دو شخصوں سے روایت کر کے ابوحمزہ نے اپنے والد حضرت ابواُسید ساعدی سے اور عباس نے اپنے والد حضرت سھل بن سعد ساعدی سے روایت کی کہ ابواسید و سھل دونوں نے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ ہم پر گذرے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہو لیے تاآنکہ شوط نامی باغ تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد دو باغوں تک پہنچے تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان کے درمیان بیٹھ گئے اور آپ ایک گھر میں داخل ہو گئے جس میں جونیہ یعنی نعمان بن شراحیل کی بیٹی اُمیہ فروکش تھی اس کے ساتھ اس کی دایہ بھی آئی تھی جب آپ امیہ کے پاس پہنچے تو اس سے فرمایا۔ اپنی ذات میرے لئے ھبہ کر دو اُس نے (نخوت کے ساتھ) جواب دیا کیا رانی اپنی ذات کو بازاری شخص کے لئے ھبہ کرتی ہے؟ آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھنا چاہا تو بولی "میں تجھ سے اللہ کی پناہ لیتی ہوں" یعنی اللہ مجھے تجھ سے بچائے" فرمایا تو نے زبردست پناہ حاصل کر لی پھر آپ نے وہاں سے باہر آ کر فرمایا اے ابواُسید اسے رازقیہ کپڑوں کا جوڑا دیدو اور اسے اس کے گھر پہنچا دو رازقیہ کتان کا بُنا ہوا سفید رنگ بیش قیمت کپڑا ہوتا تھا۔

امام بخاری کی روایت یہ ہے:

حدثنا عبدالله بن محمد (المسندی). قال: ثنا ابراهيم بن ابی الوزير. قال: ثنا عبدالرحمن عن حمزة عن ابيه وعن عباس بن سهل بن سعد عن ابيه بهذا.

بخاری نے اس کے متن کی عبارت ذکر نہیں کی (صحیح بخاری ص ۷۹۰ کتاب الطلاق)

نیز بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ابو نعیم ثنا عبدالرحمن بن الغسیل عن حمزة بن ابی اُسید عن ابی اسید قال خرجنا مع النبی ﷺ حتی انطلقنا الی حائط یقال له الشوط حتی انتهینا الی حائطین فجلسنا بینهما ودخل وقد اُتی بالجونیة فانزلت فی بیت فی نخل امیمة بنت النعمان بن شراحیل ومعها دایة لها حاضنة لها فلما دخل علیها النبی ﷺ قال: لها هبی نفسک لی. قالت: وهل تهب الملکة نفسها للسوقة. فاهوی بیده یضع علیها لتسکن. فقالت اعوذ باللہ منک. فقال: قد عُذت بمعاذ ثم خرج علینا فقال یا ابا اسید اکسها رازقیتین والحقها باھلھا.

(صحیح بخاری ص ۷۹۰ کتاب الطلاق)

طبقات ابن سعد میں جونیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ نعمان بن ابی الجون کندی رئیس بنی کندہ ۹ھ میں مسلمان ہوکر حاضر خدمت ہوا۔ اس نے عرض کیا تھا میں اپنے اور آپ کے درمیان قرابت قریبہ قائم کرنا چاہتا ہوں میری جوان اور نہایت خوبصورت بیوہ بیٹی ہے آپ اسے زوجیت میں لے لیں آپ نے اس کی درخواست منظور فرمالی۔ عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ کسی کو بھیج دیں جو اسے آپ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے ابواُسید ساعدی کو اس کے ساتھ بھیج دیا۔ ابواسید وہاں تین دن مہمان رہے چوتھے روز اُس نے بڑے شاندار اور باپردہ ہودج میں بٹھا کر اپنی بیٹی کو روانہ کردیا۔ اس کا نام کسی نے اُمَیمَہ بتایا ہے کسی نے امینہ کسی نے امیہ کسی نے اسماء۔ دل بستگی کے لئے اس کی دایہ جس نے اس کی پرورش کی تھی اس کے ساتھ کردی۔ ابواسید عزت واحترام کے ساتھ اسے مدینہ لے آئے اور اپنے محلّہ میں ایک عمدہ مکان میں جو نخلستان میں تھا اسے معزز ومکرم مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا کر اور اس کی خدمت کا معقول بندوبست کر کے رسول اللہ ﷺ کو اس کی آمد سے مطلع کیا اس وقت آپ عوالی میں بنی عمرو بن عوف کے محلّہ میں آئے ہوئے تھے۔ آپ وہیں سے چند اصحاب کو ساتھ لے کر بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس کے والد نعمان نے تو اسے آپ کی بیوی کی حیثیت سے آپ کے پاس ارسال کردیا تھا لیکن وہ مہاجرہ اور آپ کی عم زاد یا پھوپھی زاد یا ماموں زاد یا خالہ زاد نہ تھی اس لئے آپ کے لئے حلال نہ

تھی۔ اس لئے آپ کے لئے حلال اور جائز النکاح ہونے کی صورت صرف یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وامراۃ مؤمنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا" کے مطابق اپنی ذات کو آپ کے لئے ھبہ کردے۔ اس لئے آپ نے اس سے یہ ہی فرمایا ھَبِیْ نَفْسَکِ لِیْ۔ لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کی قدر ومنزلت کی پہچان سے محروم تھی اور اپنے باپ کی ریاست و دولتمندی کی وجہ سے احساس برتری کا شکار تھی باپ نے بھیج دیا تھا تو آ گئی تھی اس لئے اس نے نہایت غرور ونخوت سے خود کو شہزادی اور آپ کو معمولی وحقیر شخص قرار دیکر جواب دیا وھل تھب الملکۃ نفسھا للسوقۃ پھر اعوذ باللہ منک کہا آپ لقد عذت بمعاذ کہہ کر فوراً اس کے پاس سے اٹھ کر نکل آئے اور اسے بہترین جوڑا دینے اور اس کے باپ نعمان کے پاس واپس پہنچا دینے کی ہدایت فرمادی۔ یہ ہے صحیح قصہ جو عباس بن سھل نے اپنے والد سھل بن سعد سے اور ابوحمزہ نے اپنے والد ابواُسید سے سن کر بیان کیا تھا۔ اس تفصیل سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ابوحازم کو صحیح بات یاد نہ تھی اور اس نے سھل بن سعد کی طرف منسوب کر کے بالکل غلط اور غیر معقول بات ہانک دی تھی امام بخاری نے کتاب الطلاق کے دوسرے باب یعنی باب من طلق میں عبدالرحمٰن بن غسیل کے طریق سے اسے صحیح انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن بخاری نے اسے کتاب الطلاق میں ذکر کر کے شدید علمی غلطی کی ہے کیونکہ آپ نے جونیہ یعنی نعمان کی بیٹی سے نکاح نہیں کیا تھا لہٰذا اسے طلاق دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ طلاق تو منکوحہ کو ہی دی جاسکتی ہے۔ آپ کا اُس سے نکاح کرنا موقوف تھا اس پر کہ اپنی ذات کو آپ کے لئے ھبہ کردیتی بدنصیبی کی وجہ سے وہ اس پر راضی نہ ہوئی تو آپ نے اس سے نکاح نہیں کیا اور جوں کی توں واپس اس کے باپ کے پاس پہنچوادی۔ دراصل یہ غلطی زہری ابن شہاب کی ہے۔ اوزاعی کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے پوچھا تھا ای ازواج النبی ﷺ استعاذت منہ قال اخبرنی عروۃ عن عائشۃ ان ابنۃ الجون لما اُدخلت علی رسول اللہ ﷺ ودنا منھا قالت اعوذ باللہ منک فقال لھا لقد عذیت بعظیم الحقی باھلک۔

(صحیح بخاری ص ۷۹۰ کتاب الطلاق باب ۲)

رسول اللہ ﷺ کی کس بیوی نے آپ سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ چاہی تھی۔ زہری

نے جواب میں بتایا کہ مجھے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر کے بتایا تھا کہ جون کی بیٹی جب نبی ﷺ کے پاس لائی گئی اور آپ اس کے نزدیک ہوئے تو بولی اعوذ باللہ منک آپ نے فرمایا تو نے بڑی عظمت والی ذات کی پناہ لی ہے اپنے گھر چلی جا۔

(صحیح بخاری ص ۷۹۰ کتاب الطلاق باب ۲)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن ابی ذئب نے بھی زہری سے اس کی روایت کی ہے اسی طرح اور آخر میں یہ اضافہ کیا ہے قال الزهری جعلها تطليقة۔ اس کی تخریج بیہقی نے کی ہے۔ (فتح الباری)

یعنی زہری نے یہ سمجھا کہ الحقی باهلک فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اسے طلاق دی تھی۔

ظاہر ہے کہ یہ زہری کی خالص غلط فہمی تھی کہ اسے طلاق سمجھ لیا اگر زہری فقیہ ہوتے تو اوزاعی کے سوال ای ازواج النبی ﷺ استعاذت منه کے جواب میں کہتے کہ آپ کی کسی بیوی نے بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ امام بخاری بھی عجیب فہم کے بزرگ تھے جزوی مسائل میں وہ زہری جیسے غیر فقیہ کے مقلد تھے اور جن گرامی مرتبہ علماء کو اللہ تعالیٰ نے واقعی فقیہ بنایا تھا ان کے شدید مخالف تھے۔

آخر میں ناظرین ابن ماجہ کی تخریج کردہ ایک جھوٹی روایت سے بھی آگاہ ہو جائیں۔ ابن ماجہ نے عبید بن قاسم کے طریق سے روایت کی ہے عبید نے کہا: حدثنا هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ان عمرة بنت الجون تعوذت من رسول الله ﷺ حين اُدخلت عليه فقال لَقَدْ عُذْتِ بمعاذ فطلقها و امر اسامة بن زيد او انسا فمتَّعها بثلاثة اثواب رازقية.

(سنن ابن ماجه ص ۱۴۸ طبع هند ابواب الطلاق. باب متعة الطلاق)

عبید بن قاسم سفیان ثوری کا بھانجا تھا۔ اسے محدث بننے کا شوق تھا لیکن کمبخت صحیح حدیثوں میں اپنی طرف سے جھوٹی اور قطعاً غلط باتیں ملا کر بیان کر دینے کا عادی تھا۔

جونیہ کا نام عمرہ بتایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا قول: لقد عذت بمعاذ ذکر کر کے یہ جھوٹ بول دیا کہ آپ نے اسے طلاق دیدی اور اُسامہ یا انس نے آپ کے حکم سے اسے تین جوڑے

رازقی کپڑے دیے۔

تمام اہل علم نے اس شخص کی مذمت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا ہے لیس بثقة کذاب خبیث ابوزرعہ نے کہا ہے واھی الحدیث حدث احادیث منکرة لاینبغی ان یحدث عنه۔ ابوحاتم کا قول ہے ضعیف الحدیث ذاھب الحدیث۔ صالح بن محمد کا قول ہے کہ کان یضع الحدیث وله احادیث منکرة۔ ابوداؤد نے بھی کہا ہے کہ یہ شخص حدیث گھڑتا تھا۔ بخاری نے کہا ہے لیس بشئی۔ ابن حبان نے یہ کہا ہے کہ یہ شخص ثقہ لوگوں کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثیں بیان کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک کتاب تھی جس میں اس نے ھشام بن عروہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثیں درج کر رکھی تھیں۔ انہیں بیان کیا کرتا تھا۔

ابونعیم نے کہا ہے لاشئی متروک الحدیث (تهذیب التهذیب) محدث ابن ماجہ بھی اس کے غیر الثقہ اور کذاب ہونے سے واقف ہوں گے۔ اس کی روایت کردہ یہ حدیث ابن ماجہ اپنی کتاب میں نہ لکھتے تو کیا بگڑ جاتا۔

(۷۴) ابوظبیان رافضی کا گھڑا ہوا قصہ کہ: حضرت عمرؓ نے ایک پاگل عورت کو رجم کر دینے کا حکم دیا تھا

بخاری نے تعلیقاً جزم کے ساتھ لکھا ہے:

وقال علیؓ الم تعلم ان القلم رفع عن ثلاث، عن المجنون حتی یفیق وعن الصبی حتی یدرک وعن النائم حتی یستیقظ.

(صحیح بخاری ص ۷۹۴ کتاب الطلاق)

علی نے کہا (عمر سے) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ یعنی ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ انہیں کوئی سزا نہ دی جائے) پاگل سے یہاں تک کہ وہ باہوش ہو جائے اور بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔

یہ تینوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن بخاری نے قال علی الم تعلم کہہ کر جس قصہ کی طرف اشارہ گیا ہے وہ جھوٹا اور ابوظبیان جنبی رافضی کا گھڑا ہوا ہے۔اس خبیث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا بھی نہیں۔اس نے بیان گیا ہے کہ مدینہ میں ایک شادی شدہ عورت تھی اس پر دیوانگی کے دورے پڑتے رہتے تھے۔اسے زنا کا حمل رہ گیا تو امیرالمؤمنین عمر کے پاس اسے لایا گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حاضرین صحابہ سے جن میں علی نہ تھے مشورہ لیا۔ سب کی رائے سے حضرت عمر نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔

لوگ اسے سنگسار کرنے کے لیے لے گئے۔ساتھ میں بچے بھی تماشا دیکھنے کے لئے ہو گئے۔اتفاقیہ راستہ میں علی مل گئے۔پوچھا گیا معاملہ ہے۔انہیں بتایا گیا علی نے کہا نہیں اسے واپس لے جاؤ پھر علی غصہ میں بھرے ہوئے عمر کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

الم تعلم ان القلم رفع عن ثلاث الخ یعنی آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا حالانکہ اس پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہتے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں الخ عمر اس پر علی کے شکر گذار ہوئے۔ابوظبیان کی یہ روایت مسند احمد و سنن ابی داؤد و مستدرک و سنن بیہقی میں ہے۔(مسند ۱ ص ۱۵۴ و ۱۵۸ سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا. بیہقی ۸ ص ۲۶۴ مستدرک ۴ ص ۳۸۹)

ظاہر ہے کہ ابوظبیان رافضی نے یہ قصہ حضرت علی کی مدح اور حضرت عمر کی کسر شان وتوہین کے لئے گھڑا تھا۔

اگر بخاری قال علی الم تعلم نہ کہتے تو کوئی حرج نہ تھا۔بس رفع القلم عن ثلاث الخ ذکر کرنے پر اکتفا کر لیتے۔

(۵) صلہ رحم کے متعلق حضرت عائشہؓ سے منسوب حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا سعید بن ابی مریم قال حدثنا سلیمان بن بلال قال: اخبرنی

معاوية بن ابی مزرد عن النبی ﷺ قال: الرحم شجنة فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته.

(صحیح بخاری ص ۸۸۶ کتاب الادب (باب من وصل وصله الله)

ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا کہ ہم سے سلیمان بن بلال نے بیان کیا کہ مجھے معاویہ بن ابی مزرد نے بتایا یزید بن رومان سے روایت کر کے اس نے عروہ سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا رشتہ داری ایک شاخ ہے پس جس نے اسے جوڑا (ملایا) اسے میں نے جوڑا اور جس نے اسے کاٹا اسے میں نے کاٹا۔ یہ حدیث تقریباً مہمل و بے معنی ہے۔ شجنہ درخت سے نکلی ہوئی شاخ کے معنی میں ہے۔ رشتہ داری شاخ ہے۔ مگر کس کی؟ اس کا ذکر نہیں۔ اور کیا نبی ﷺ نے وصلتہ اور قطعتہ اپنے متعلق فرمایا تھا جیسا کہ ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب کیا ہوا۔ یا اللہ کے متعلق فرمایا تھا تو متن حدیث میں اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور سعید بن ابی مریم کے علاوہ اسمٰعیل بن ابی اویس اور خالد بن مخلد نے بھی سلیمان بن بلال سے اس کی روایت کی ہے۔ ان دونوں سے بخاری نے خالد کی روایت یہ ہے۔

حدثنا سليمان قال: حدثني معاوية بن ابی مزرد عن سعيد بن يسار عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال خلق الله الخلق فلما فرغ منه قامت الرحم فاخذت بحقوالرحمن فقال لهامه قالت هذا مقام العائذ بک من القطيعة قال الاترضين ان اصل من وصلک واقطع من قطعک و قالت بلى قال: فذاک.

(صحیح بخاری (ص ۷۱۶ سورة محمد. کتاب التفسیر)

جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا کر کے فارغ ہوا تو رشتہ داری نے ٹھنک کر اس رحمت والی ذات کا دامن تھام لیا۔ فرمایا کیا بات ہے؟ تو کیا چاہتی ہے۔ بولی میں تیری پناہ کی جویا ہوں مجھے قطع تعلق سے پناہ مطلوب ہے فرمایا۔ اری کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھے جوڑے میں اسے اپنی رحمت سے جوڑوں اور جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹ دوں۔

بولی کیوں نہیں یعنی میں اس پر راضی ہوں۔ فرمایا بس تو ایسا ہی ہوگا۔ رشتہ داری تو

انسانوں کے باہمی تعلق ونسبت کا نام ہے جس کی بنیاد نسب ہو اُس نسبت کی رعایت کرنا اور اسے ملحوظ رکھنا۔ یعنی رشتہ داروں کا باہم ملنا جلنا ایک دوسرے کے کام آنا خوشی وغمی میں شریک رہنا۔ ضرورت پڑنے پر مال سے مدد کرنا۔ صلہ رحمی کہلاتا ہے اور یہ نہایت پسندیدہ خصلت ہے۔ اس سے رشتہ داروں میں باہم اتفاق واتحاد رہتا ہے اور جس خاندان کے لوگوں میں یہ خوبی ہو وہ مضبوط ومعزز خاندان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ہی چاہتا ہے کہ اس کے بندے دنیا میں شرافت وعزت کی زندگی گذاریں اس لئے اللہ کی طرف سے مبعوث کیے ہوئے رہنماؤں نے انسانوں کو صلہ رحمی کا سبق پڑھایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ ہی ہدایت فرماتے اور صلہ رحمی کی اہمیت وعظمت واضح کرتے ہوئے بطور مثال واستعارہ یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ایسا سمجھو جیسے رشتہ داری سے اللہ نے یہ عہد فرمالیا ہے کہ جو بندہ تجھے جوڑے، تیرے حقوق کی رعایت کرے وہ میری رحمت سے جڑ جائے گا اور جو تجھے کاٹے وہ میری رحمت سے کٹ جائے گا جب کہ یہ ہر بندے کی ناگزیر ضرورت ہے کہ عمر بھر وہ اللہ کی رحمت سے وابستہ رہے پس حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نہایت بلیغ تمثیل واستعارہ پر مشتمل ہے۔

اسماعیل بن ابی اویس کی روایت امام بخاری نے یہ نقل کی ہے **حدثنی سلیمان بن بلال عن معاویة بن ابی مزرد عن سعید بن یسار عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال خلق الله الخلق الخ** اس کے آخر میں ہے **"قالت بلی یا رب. قال فذلک لک ثم قال (یعنی قرء) ابوهریرة فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم**. اس میں **فاخذت بحقو الرحمن** نہیں ہے۔

(صحیح بخاری ص ۱۱۱۷ کتاب التوحید، حدیث ۲۱) باب قول الله یریدون ان یبدلوا کلام الله۔

سلیمان بن بلال کے علاوہ معاویہ بن ابی مزرد سے یہ حدیث حاتم بن اسماعیل وعبداللہ بن مبارک وابوبکر حنفی نے بھی اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے **معاویة بن ابی مزرد عن عمه سعید بن یسار ابی الحباب عن ابی هریرة** حاتم کی روایت صحیح مسلم میں ہے۔

(ج ۲ ص ۳۱۵ و ص ۸۸۵ اور ابوبکر کی مسند احمد میں ہے۔ مسند ۲ ص ۳۳۰)

پس بخاری کے شیخ سعید بن ابی مریم نے نہ اس حدیث کی سند ٹھیک ذکر کی ہے نہ اس کا متن درست بیان کیا تھا۔ یہ حدیث حضرت ابوھریرۃ سے مروی ہے۔ ابوھریرہ سے سعید بن یسار ابوالحباب نے روایت کی ہے اس سے اس کے بھتیجے معاویہ بن ابی مزرد نے۔ سعید بن ابی مریم نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی بتایا ہے اور یہ کہ ان سے یزید بن رومان نے اور اس سے معاویہ بن ابی مزرد نے روایت کی ہے۔ یعنی سعید بن ابی مریم نے سعید بن یسار کی جگہ یزید بن رومان کا اور حضرت ابوھریرہ کی جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لے دیا۔ اور جو متن نقل کیا ہے وہ مہمل و بے معنی ہے۔ پس سند و متن میں غلط ہونے کی وجہ سے یہ حدیث درجِ صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔

(۷۶) حضرت انس سے مروی حدیث کہ کوئی باندی بھی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی تھی

ھشیم بن بشیرہ واسطی نے حمید الطویل سے روایت کی ہے کہ ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا **کانت الامة من اماء اهل المدينة لتأخذ بيد رسول الله ﷺ فتنطلق به حيث شاء ت. (صحيح بخاری ص ۸۹۷ كتاب الادب باب الكبر، مسند احمد ۳ ص ۹۸)**

یہ حدیث حمید کی روایت کی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی روایت تو علی بن زید بن جدعان نے کی ہے جو جھوٹا رافضی شخص تھا۔ علی بن زید سے شعبہ نے (مسند ۳ ص ۱۷۴ و ص ۲۱۵ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۸ ابواب الزھد)

حمید الطویل ثقہ راوی ہے۔ اس نے حضرت انس سے جو حدیث روایت کی ہے وہ ہے جو مروان بن معاویہ فزاری اور سوید بن عبدالعزیز سے مروی ہے۔

مروان کی روایت یہ ہے:

حدثنا حمید عن انس قال: جاء ت امرأة النبی ﷺ فقالت یا رسول الله ان لی الیک حاجة قال لها یا ام فلان اجلسی فی ای نواحی السکک شئت حتی اجلس الیک فجلست فجلس النبی ﷺ الیها حتی قضت حاجتها.

(مسند ۳ ص ۱۱۹. سنن ابی داؤد کتاب الادب باب الجلوس فی الطرقات)

ہم سے حمید نے بیان کیا کہ حضرت انس نے ذکر فرمایا کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آ کر بولی یا رسول اللہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ ضروری بات کہنی ہے۔ فرمایا: اے فلاں کی ماں جہاں تیرا جی چاہے کسی بھی گلی میں بیٹھ جا میں بیٹھ کر تیری بات سن لوں گا۔ وہ بیٹھ گئی رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ کر اس کی پوری بات سن لی۔ سوید کی روایت بھی اسی مضمون کی حامل ہے۔ اس کی تخریج ترمذی نے کی ہے۔

(شمائل ترمذی ص ۲۳ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ)

ھشیم نے غلطی اور بھول سے حمید کی طرف وہ حدیث منسوب کر دی جس کا راوی حمید نہیں بلکہ علی بن زید ہے۔ اور امام بخاری نے یہ غلط حدیث درج صحیح فرما دی۔

(۷۷) ھشام بن عروہ کی روایت

کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے گھر سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں

امام بخاری سے محمد بن سلام نے اس سے ابو معاویہ نے اس سے ھشام نے بیان کیا اپنے والد عروہ سے روایت کر کے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

کنت العب بالبنات عند رسول الله ﷺ وکان لی صواحب یلعبن معی وکان رسول الله ﷺ اذا دخل یتقمعن منه فیسربهن الی

فیلعبن معی (صحیح بخاری ص ۹۰۵) کتاب الادب (باب الانبساط الی الناس)

میں رسول اللہ ﷺ کے یہاں (یعنی آپ کے گھر جب رخصت ہوکر آ گئی) گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری چند سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ جب اندر آتے تو وہ آپ کو دیکھ کر اِدھر اُدھر کھسک جاتی تھیں تو آپ انہیں پکڑ پکڑ کر میرے پاس بھیج دیتے تب وہ آ کر پھر کھیلتی تھیں۔

(۷۸) عبدہ نے ھشام بن عروہ سے یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا تھا:

تزوجنی رسول الله ﷺ وانا بنت ست ودخل علی وانا بنت تسع وکنت العب بالبنات (سنن النسائی کتاب النکاح (البناء بابنة تسع)

مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجیت میں لیا جب میری عمر چھ سال تھی اور مجھ سے زوجیت کا تعلق قائم کیا یعنی ہم بستر ہوئے جب میری عمر نو سال تھی۔ اور میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی عبدالعزیز دراوردی وجریر بن عبدالحمید وابواسامہ ومحمد بن بشر نے بھی ھشام سے اس کی روایت کی ہے۔ ان سب کی روایت ابومعاویہ کی روایت کی ہم معنی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل فضل ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا)

ھشام بن عروہ کی بیان کی ہوئی یہ حدیث خود اس کی قیاسی حدیث اور ظن وگمان کو یقین کا درجہ دینے کی بری مثال ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قطعاً یہ نہیں کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھر جب دلہن ہوکر آئی تھی تو گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ اور میرے ساتھ کھیلنے والی لڑکیاں جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیتیں تو ادھر اُدھر ہو جاتیں تو میری دل دہی کی خاطر آپ انہیں پکڑ پکڑ کر میرے پاس بھیج دیتے۔ یہ جو کچھ ھشام نے بیان کیا تھا محض اس کا بے ہودہ قیاس تھا بے شک یہ صحیح ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا تزوجنی رسول الله ﷺ وانا بنت ست وبنی بی وانا بنت تسع۔ یعنی آپ نے مجھ سے

نکاح کیا اس وقت میری عمر چھ تھی اور مجھ سے ہمبستری کی اس وقت میر عمر نو تھی۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنھا نے یہ ذکر کرتے ہوئے لفظوں میں دس کا عدد ذکر نہیں کیا تھا۔ کیونکہ کسی کام کی مدت بیان کرتے ہوئے عربی میں اور دیگر زبانوں میں بھی دہائی کو اور بسا اوقات سینکڑے کو نہیں بولا جاتا سننے والا خود ہی اسے سمجھ لیتا ہے۔ احادیث اور منظوم و منثور کلام عرب میں اس کی بہت مثالیں مل سکتی ہیں۔ میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خرجت لاخبركم بليلة القدر فتلاحى فلان وفلان فرفعت وعسى ان يكون خيرا لكم فالتمسوها فى التاسعة و السابعة و الخامسة.

(صحیح بخاری ص ۲۷۱ كتاب الصيام باب رفع معرفة ليلة القدر لتلاحى الناس)

میں گھر سے نکلا (شب قدر کے متعلق خواب دیکھ کر) تاکہ تمہیں بتاؤں کہ وہ کس رات میں ہے۔ مگر فلاں فلاں شخص باہم جھگڑ پڑے میں ان کا قضیہ سننے اور فیصلہ کرنے میں لگ گیا۔ فارغ ہوا تو وہ ذہن سے نکل چکی تھی۔ یاد نہیں آیا کہ وہ کونسی رات میں بتائی گئی تھی اور قریب ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہی ہو۔ تم شب قدر کو نویں اور ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو۔ اس ارشاد میں یقیناً بعد العشرین مقدر ہے۔ لفظاً مذکور نہیں مگر معنی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انتیسویں اور ستائیسویں اور پچیسویں رات میں شب قدر کی جستجو کیا کرو۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں بعد العشر مقدر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ بوقت نکاح میری عمر سولہ سال تھی اور جب رخصت ہو کر آپ کے پاس دلہن بن کر آئی تو میری عمر ۱۹ سال تھی۔ ''بعد العشر'' اس میں یقیناً مقدر ہے۔ ھشام بن عروہ نے اور اس حدیث کو روایت کرنے والے راویوں اور محدثین نے بڑی بے ہودہ غلطی کی ہے کہ وہ اس کا مطلب یہ سمجھ بیٹھے کہ بوقت نکاح ام المؤمنین رضی اللہ عنہا چھ سال کی بچی تھیں اور جب اپنے معزز ومکرم شوہر ﷺ کے یہاں آئیں تو نو سال کی تھیں۔ اس غلطی کی بے ہودگی محتاج بیان نہیں ہے پھر بھی ہم نہایت واضح و روشن دلائل سے اسے واضح کیے دیتے ہیں۔

(۱) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن کے متعلق حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ ھی اکبر من اختها عائشة بعشر سنین وتوفیت اسماء سنة ثلاث وسبعین وقد جاوزت مائة سنة (البداية والنهاية ۸ ص ۳۴۶)

یعنی حضرت اسماء حضرت عائشہ سے دس سال بڑی تھیں سو سال سے ان کی عمر کچھ بڑھ چکی تھی جب ۷۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ پس ۱ھ میں ستائیس سال سے کچھ زیادہ عمر رکھتی تھیں۔ لامحالہ حضرت عائشہ کی عمر اس میں سترہ سال سے کچھ زائد تھی۔

(۲) ابن جریر طبری نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ابوبکر نے بعثت سے پہلے جاہلیت یعنی زمانہ کفر میں دو عورتوں سے نکاح کیا تھا۔ اولاً قیلہ سے جو عبدالعزیٰ کی بیٹی تھی۔ اس سے دو بچے ہوئے عبداللہ اور اسماء۔ پھر ام رُوْمان بنت عامر سے اس سے عبدالرحمان و عائشہ پیدا ہوئے۔

فکل هؤلاء الاربعة من اولاده ولدوا من زوجتيه اللتين سميناهما فی الجاهلية.

یعنی ابوبکر کے یہ چاروں بچے اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے۔

(تاریخ ابن جریر طبری ۴ ص ۵۰)

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بوقت نکاح تقریباً سولہ سال کی تھیں اور بوقت رخصت انیس سال کی۔

(۳) مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت عائشہ ڈیڑھ ماہ بخار میں مبتلا رہیں طویل بیماری میں سر کے بال جھڑ گئے تھے۔ بخار سے نجات ملی تو بال پھر سے اُگے۔ قوت عود کر آئی۔ مسجد اور اس سے متصل حضور اکرم ﷺ کے لئے رہائشی گھر کے کمروں کی تعمیر ہوگئی ایک کمرے میں حضرت سودہ بنت زمعہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ رہنے لگے۔ حضرت عائشہ کا ہی بیان ہے کہ تب ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ مایمنعک ان تبنی باهلک یعنی اب عائشہ کو اپنے پاس رکھنے میں کیا رکاوٹ ہے؟

تب آپ حضرت ابوبکرؓ کے یہاں ان کے مدنی گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ آپ کے یہاں آ گئیں۔

ظاہر ہے کہ اس وقت اگر وہ صرف نو سال کی ہوتیں تو ابوبکر آپ سے ہرگز یہ نہ کہتے کہ مایمنعک ان تبنی باھلک" اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ گڑیوں سے سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے کی بات بالکل غلط اور بے تکی ہے۔ مدینہ آ کر وہ تقریباً ڈیڑھ ماہ میعادی بخار "ٹائی فائیڈ" میں مبتلا رہیں۔ ایسی حالت میں گڑیوں سے کھیلنے والی سہیلیاں کہاں سے مل گئیں۔ پھر سوچیے تو سہی اگر ایسی چند سہیلیاں تھیں تو ان میں سے ایک دو کا نام تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ضرور ذکر کرتیں۔ بات یہ ہے کہ ھشام نے اپنے والد عروہ سے حضرت عائشہ کا قول تزوجنی رسول اللہ ﷺ وانا بنت ست وبنی بی وانا بنت تسع سنة سنا تھا۔ کم فہمی کیوجہ سے ست کو واقعی چھ سال اور تسع کو نو سال کے معنی میں سمجھ لیا۔ پھر یہ گمان کر لیا کہ لڑکیاں اس عمر میں گڑیوں سے کھیلتی ہیں۔ حضرت عائشہ بھی گڑیوں سے کھیلتی ہوں گی کیونکہ اس عمر کی بچی گھر سنبھالنے اور اپنے لئے اور شوہر کے لئے کھانا پکانے کا کام نہیں کر سکتی۔ ھشام نے اپنے اس گمان کو یقین کا درجہ دیکر حضرت عائشہ کی بیان کی ہوئی حدیث کی حیثیت سے روایت کر ڈالا۔ کچھ اسی انداز کی غلطی ھشام سے قصۂ ام زرع کو حدیث عائشہ بنانے میں ہوئی ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

(۷۹) بخاری کی تخریج کی ہوئی

ابن صیاد کے متعلق حدیث عبداللہ بن عباس

امام بخاری نے کہا ہے۔

حدثنا ابو الولید قال: ثنا سلم بن زویر قال سمعت ابا رجاء قال سمعت ابن عباس قال: رسول اللہ ﷺ لابن صائد قد خبأت لک خبیئاً فما ھو؟ قال الدخ قال اخسأ.

(صحیح بخاری ص ۹۹۱ کتاب الادب باب قول الرجل للرجل اخسأ)

حضرت عبداللہ بن عباس نے کبھی ابن صیاد کو نہیں دیکھا کیونکہ ابن عباس ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد اپنے والدین کے ساتھ مکہ سے مدینہ آئے تھے اور ابن صیاد اپنے والدین اور خاندان بنی قینقاع کے ساتھ شوال ۳ھ میں مدینہ سے نکل گیا تھا۔ اس وقت وہ نابالغ ہی تھا۔ پھر معلوم نہیں کہاں رہا ہاں حضرت عثمان کے بعد وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے مدینہ آگیا اور یزید بن معاویہ کے عہد میں مدینہ میں ہی اس کا انتقال ہوا۔ اور ابن عباس حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کے ساتھ مدینہ سے نکل گئے تھے۔ ان ہی کے ساتھ رہے۔ علیؓ نے انہیں بصرہ کا حاکم بنادیا تھا تو بصرہ میں رہے پھر معزول ہونے کے بعد مکہ آگئے۔ پھر ابن صیاد کے متعلق یہ بات کیسے بیان کر سکتے تھے۔ اس کا راوی سلم بن زریر عاقفی عطاردی غیر ثقہ شخص تھا۔ اہل علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ علی بن موسیٰ نے کہا کہ اس کا سرمایۂ علم بس دس حدیثیں ہیں ابن حبان نے کہا ہے لم یکن الحدیث من صناعته. یخطی خطأ فاحشا لایجوز الاحتجاج به (تهذیب التهذیب) اس شخص نے ابورجاء عطاردی اور ابن عباس کی طرف اس کی اسناد کی نسبت غلط کر دی تھی۔ یہ قطعاً ابن عباس کی بیان کی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی شان اس سے بہت بلند تھی کہ آزمائش کی خاطر آپ ابن صیاد سے پوچھیں کہ بتا میرے دل میں کیا ہے دل میں چھپی ہوئی بات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، آزمائش ممکن چیز میں ہوسکتی ہے ناممکن میں آزمائش نہیں ہوا کرتی ــــــ یہ حدیث بخاری کے افراد میں سے ہے کسی اور محدث نے اس کی تخریج نہیں کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بخاری ایسے نادان نہ تھے کہ مسلم بن زریر عاقفی جیسے ضعیف و ناقابل اعتبار شخص کی روایت تخریج کرتے۔ کیا عجب ہے کہ بعد میں کسی نے صحیح بخاری میں اسے داخل کر دیا ہو۔ اگر فی الواقع بخاری نے ہی اس کی تخریج کی تھی تو سخت غلطی کی تھی۔

(۸۰) ابوہریرہ سے مروی حدیث کہ زینب کا اصل نام برہ تھا

شعبہ نے عطاء بن ابی میمونہ سے روایت کی ہے اس نے ابورافع سے اس نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے:

ان زينب كان اسمها برة فقيل تزكى نفسها فسماها رسول

الله ﷺ زینب.

(صحیح بخاری ص ۹۱۴ کتاب الادب (باب تحویل الاسم الی اسم هو احسن منه)

مسلم وابن ماجہ ودارمی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔یعنی زینب کا اصل نام برہ تھا۔اس کے معنی ہیں بڑی نیک احسان کرنے والی۔رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ اس نام کی وجہ سے وہ اپنی مدح سرائی کرتی ہے خود کو بہت بڑھیا سمجھتی ہے۔تو آپ نے اس کا نام بدل کر زینب رکھ دیا۔

معلوم نہیں کہ زینب سے مراد کونسی خاتون ہیں۔ام المؤنین زینب بنت جحش یا ام المؤنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی زینب بنت ابی سلمہ۔یا عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب۔یا ان کے علاوہ کوئی اور زینب پھر اس کے متعلق آپ سے تزکی نفسہا کہنے والا کون تھا۔اس کی یہ بات تو بے تکی ہے۔کسی عورت کا نام صالحہ یا کریمہ یا رشیدہ ہو تو کیا یہ کوئی بری بات ہے۔اس نام والی عورت کیا اس وصف کی مدعی ہوتی ہے جس پر وہ نام دلالت کرتا ہے۔

پس درایۃً یہ حدیث صحیح معلوم نہیں ہوتی۔روایۃً اس کی صحت میں یہ کلام ہے کہ اس کے راوی عطاء بن ابی میمونہ کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے انہ صالح لا تحتج بحدیثہ۔ابن عدی کا قول ہے کہ اس کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں کچھ غلط باتیں ہوتی ہیں۔ فی احادیثه بعض ماینکر علیه (تہذیب التہذیب)

(۸۱) ابوھریرہ سے مروی حدیث کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا تھا

ابوالزناد نے جس کا نام عبداللہ بن ذکوان تھا اعرج یعنی عبدالرحمٰن بن ہرمز سے اور اس نے حضرت ابوھریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اختتن ابراهیم علیه السلام وهو ابن ثمانین سنة بالقدوم (صحیح بخاری ص ۴۷۳ بدء الخلق اور ایک روایت میں ہے۔ان ابراهیم اختتن بعد ثمانین سنة واختتن بالقدوم (صحیح بخاری ص ۹۳۱ کتاب الادب)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب اسی سال ہو چکی تھی تو آپ نے مقام قدوم میں اپنی ختنہ کیا تھا۔

قدوم کنعان کے قریب ملک شام میں ایک جگہ کا نام بتایا گیا ہے۔ اور قدوم بڑھئی کا ایک آلہ بھی ہے جسے ہندی میں بسولہ کہا جاتا ہے۔ اکثر اہل علم نے قدوم کو جگہ کے معنی میں سمجھا ہے اور بعض نے بمعنی آلہ خیال کیا ہے۔ اور یہ اختلاف فضول ہے کیونکہ فی الواقع یہ رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی حدیث نہیں ہے بلکہ ابوھریرہ کا کعب احبار سے سنا ہوا قول ہے۔ کعب احبار ایک نومسلم یہودی تھا۔ تورات اور صحف انبیاء کی طرف منسوب کر کے بہت سی لاطائل اور جھوٹی باتیں اولاً اسی نے مسلمانوں میں پھیلائی تھیں۔ پہلے ناظرین یہ جان لیں کہ سعید بن میسب اور کیسان ابوسعید مقبری نے ابوھریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **خمس من الفطرۃ (ای من فطرۃ الانبیاء التی فطروا علیھا) الختان والاستحداد ونتف الابط وتقلیم الاظفار وقص الشارب (صحیحین سنن ابی داؤد، سنن ترمذی سنن ابن ماجہ سنن نسائی، مسند احمد)**

پانچ خصلتیں انبیائے کرام کی فطرت میں سے ہیں ختنہ، زیر ناف بالوں کی اور بغل کے بالوں کی صفائی اور ناخن تراشی اور مونچھ کترنا۔

پس یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اسی سال تک حضرت ابراہیم کی ختنہ نہ ہوئی ہو، اور پوری جوانی اور ادھیڑ عمری کا وقت آنحضرت نے نبیوں کی اس فطرت وسنت کو پس پشت ڈالے رکھا ہو۔ اب ذرا وہ پڑھ لیں جو کتاب مقدس عہد نامہ قدیم کے سفر تکوین میں حضرت ابراہیم کی ختنہ کے متعلق لکھا ہوا ہے۔ کہ خدا ابراہیم کو خاص طور سے اسحاق کی بشارت دینے کے لیے آیا۔ باتیں کرنے کے بعد اس کے پاس سے اوپر چلا گیا۔

> ''تب ابرھام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اور سب خانہ زادوں اور اپنے سب زرخریدوں کو یعنی اپنے گھر کے سب مردوں کو لیا اور اسی روز خدا کے حکم کے مطابق ان کا ختنہ کیا۔ ابرہام ننانوے برس کا تھا جب اس کا ختنہ ہوا اور جب اس کے بیٹے اسماعیل کا

ختنہ ہوا تو وہ تیرہ برس کا تھا ابرھام اور اس کے بیٹے اسماعیل کا ختنہ ایک ہی دن ہوا۔ اور اس کے گھر کے سب مردوں کا ختنہ خانہ زادوں اور اُن کا بھی جو پردیسیوں سے خریدے گئے۔ تھے اس کے ساتھ ہوا۔'' (باب ۱۷ آیات ۲۴۔۲۵۔۲۶۔۲۷)

اب یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ ختنہ کیا ہوا بچہ جب اس کا ختنہ ہوتا ہے تو کم از کم اس دن تو وہ چلنے کے لائق نہیں رہتا۔ بچہ کا زخم تو جلد ہی ٹھیک اور مندمل ہو جاتا ہے۔ پس اگر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر کے سب مردوں کا ختنہ ایک ہی دن ہوا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورا گھر زخمیوں سے بھر گیا تھا۔ گھر کے کام کاج کس نے کیے ہوں گے مویشیوں کی دیکھ بھال اور خود زخمیوں کی ضروری حاجتوں کی انجام دہی کیسے ہوئی ہوگی گھر میں باندیاں اور خادمائیں تو تھی نہیں۔

سفر تکوین میں تو یہ لکھا ہے کہ بوقت ختنہ حضرت ابراہیم ننانوے سال کے تھے۔ مگر کعب احبار نے ۹۹ کی بجائے آنخضرت کی عمر ابو ہریرہ کو اسی بتائی تھی۔ یا تو اُس نے قصداً سفر تکوین کے خلاف بات کہی تھی کیونکہ جھوٹ بولنے کی اسے عادت تھی یا بھول کر اور غلطی سے ۹۹ کی بجائے اسی سال بتادی تھی اس لئے کہ وہ تورات کا اور عہد نامہ قدیم کے صحیفوں کا حافظ نہ تھا کیونکہ حفظ تورات کا یہود کے یہاں رواج نہ تھا جیسا کہ بحمد للہ مسلمانوں میں حفظ قرآن مجید کا رواج ہے۔ ابو ہریرہ اپنی سادگی طبع کی بنا پر کعب کو سچا آدمی اور اسرائیلی صحیفوں کا عالم متبحر سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کی ذکر کی ہوئی باتوں کو ذہن نشین کر لیا کرتے۔ ابوھریرہ اسے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سنایا کرتے اور وہ نہایت ہوشیاری سے ان سے سنی ہوئی ہر حدیث میں اپنی طرف سے کچھ کمی کچھ زیادتی کر کے ابو ہریرہ کو بتا دیتا کہ یہ مضمون ہمارے صحیفوں میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ ایسی باتیں بھی انہیں سناتا جو موصوف نے کبھی کسی سے نہ سنی ہوتیں۔ ابو ہریرہ اپنے اصحاب کو رسول اللہ سے سنی ہوئی حدیثیں تو سناتے ہی تھے اور عموماً تصریح فرما دیتے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور کبھی ذائقہ بدلنے کے طور پر کعب سے سنی ہوئی باتیں بھی بیان کر دیتے کبھی اس کا نام لے کر کبھی نام لئے بغیر کعب سے سنی ہوئی جو باتیں ابو ہریرہ نے اس کا نام لئے بغیر اپنے اصحاب کو سنائی تھیں ان میں ہی یہ غلطی واقع ہوئی ہے کہ سننے والے یہ خیال کر کے کہ ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیثیں ہی بیان فرمایا کرتے تھے آپ کا ذکر اسناد میں کر کے اسے حدیث مرفوع

بتادیا۔ ان ہی روایات میں سے یہ حضرت ابراہیم کے متعلق روایت ہے کہ آنحضرت نے اسی سال عمر ہو جانے پر اپنی ختنہ کی تھی۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ذکر فرمائی ہوتی تو دیگر صحابہ کرام کے علم میں بھی آتی۔ حالانکہ ابوہریرہ کے علاوہ کسی بھی صحابی سے یہ حدیث مروی نہیں ہے ابوہریرہ سے بھی صرف اعرج نے اور اعرج سے صرف ابوالزناد نے اس کی روایت کی ہے۔ اسے حدیث نبوی بنانے کی غلطی ان دونوں میں سے کسی سے ہوئی ہے اور یہ غلطی قصدی وارادی نہ تھی۔ نیز ظاہر ہے کہ یہ کوئی راز نہ تھا کہ ابوہریرہ کے علاوہ کوئی صحابی اور اعرج پھر ابوالزناد کے علاوہ کوئی تابعی اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ اسے اس سے آشنا کیا جائے۔

(۸۲) ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث

جس کی امام بخاری نے کتاب الرقاق باب التواضع میں تخریج کی ہے۔

لکھا ہے:

حدثنا محمد بن عثمان قال ثنا خالد بن مخلد قال ثنا سليمان بن بلال قال ثنا شريک بن عبدالله بن ابی نمر عن عطاء عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله قال من عادی لی ولياً قد اذنته بالحرب. وما تقرّب الیّ عبدی بشئی احب الیٰ مما افترضت عليه. ولا يزال عبدی يتقرب الیّ بالنوافل حتی احببته فكنت سمعه الدی يسمع به وبصره الدی يبصر به ويده التی يبطش بها ورجله التی يمشی بها. وان سألنی لأعطينه ولئن استعاذنی لأعيذنّه وما ترددت عن شئی انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن يكره الموت وانا اكره مساء ته. (صحيح بخاری ص ۹۶۳ كتاب الرقاق)

ہم سے محمد بن عثمان مروزی نے بیان کیا کہ ہم سے خالد بن مخلد قطوانی نے بیان کیا کہ ہم

سے سلیمان بن بلال مدنی نے بیان کیا عطاء بن یسار سے روایت کر کے اس نے ابوھریرہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میرا اس سے اعلان جنگ ہو گیا۔ اور میرا بندہ میرا قرب جن اعمال کے ذریعہ حاصل کرتا ہے ان میں سب سے زیادہ مجھے پسند وہ فرائض ہیں جو میں نے اس کے ذمہ عائد کئے ہیں۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تب میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ چیزوں کو تھامتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو اسے ضرور ضرور دیدوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور ضرور اسے پناہ دوں گا اور جس کام کے کرنے کی میں نے ٹھان لی ہو اسے کر ڈالنے میں مجھے تردد نہیں ہوتا ہاں بندۂ مؤمن کی روح قبض کرنے میں جو ہنوز مرنا نہیں چاہتا اور اس کی مہلت حیات پوری ہو چکی ہو مجھے تردد ہوتا ہے۔ یعنی جب اس کی مدت مقررہ تمام ہو گئی تو بغیر کسی تاخیر کے اس کی روح قبض ہونی چاہئے اور چونکہ اسے ابھی مرنا پسند نہیں ہے اور جو امر بندۂ مؤمن کو ناپسند ہو وہ نہ ہونا چاہئے۔

اس حدیث کی اسناد میں دو نہایت غیر ثقہ اور غلط گو راوی ہیں ایک خالد بن مخلد ابوالھیثم قطوانی کوفی۔ کہ غلو پسند اور صحابہ کرام کو کھلم کھلا گالیاں بکنے والا رافضی اور غلط و منکر حدیثیں پھیلانے والا راوی تھا۔ دوسرا شریک بن عبداللہ بن ابی نمر جو بے حد غلط بیان شخص تھا ان دونوں میں سے ایک ہی اس کی اسناد میں ہوتا تب بھی سند کے لحاظ سے اسے غیر صحیح کہا جاتا۔ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الکامل میں کہا ہے **هذا حديث غريب جدا لولا هيبة الصحيح لعدوه من منكرات خالد بن مخلد** یعنی محدثین پر صحیح بخاری کا رعب چھایا ہوا نہ ہوتا تو اسے خالد بن مخلد کی منکر یعنی غلط روایات میں سے شمار کرتے۔ (فتح الباری)

میں اس نقد پر یہ اضافہ کرتا ہوں کہ اس کا راوی اول عطاء بن یسار بھی چنداں ثقہ نہ تھا۔ وعظ گو شخص تھا۔ متعدد غلط حدیثیں اس سے مروی ہیں۔ محض تابعی ہونے کی وجہ سے محدثین نے اسے ثقہ سمجھ لیا تھا۔ بہر کیف یہ ابو ہریرہ کی بیان کی ہوئی حدیث نبوی نہیں ہے ان ہی غیر ثقہ

اشخاص میں سے کسی کی گھڑی ہوئی ہے اور چونکہ ہم اسے حدیث نبوی ہی نہیں سمجھتے اس لئے اس کے معنی ومطلب کی وضاحت کرنے میں بھی وقت ضائع نہیں کریں گے۔ ابن حجر خالد قطوانی اور شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کی توثیق تو نہ کر سکے لیکن چند اور موضوع روایات کے بل پر یہ کہنے سے باز نہ آئے "ولکن للحدیث طرق اخری یدل مجموعها علی ان له اصلاً"
حالانکہ چند نجس چیزوں کی تائید سے کوئی نجس چیز پاک نہیں بن جاتی۔

(۸۳) عطاء بن یسار کی حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہوئی حدیث کہ:

اہل جنت کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے زمین کی روٹی بنا کر کھلائے گا

امام بخاری نے لکھا ہے کہ ہم سے بیان کیا یحییٰ بن بکیر نے کہ ہم سے بیان کیا لیث بن سعد نے خالد بن یزید ابوعبدالرحیم مصری سے روایت کر کے اس نے سعید بن ابی ھلال ابوالعلاء مصری سے اس نے زید بن اسلم سے اس نے عطاء بن یسار سے اس نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تکون الارض یوم القیامة خبزة واحدة یتکفأها الجبار بیده کما یتکفأ احدکم خبزته فی السفر نزلا لاهل الجنة. فاتی رجل من الیهود فقال: بارک الرحمن علیک یا اباالقاسم، الا اخبرک بنزل اهل الجنة یوم القیامة؟ قال بلی قال تکون الارض خبزة واحدة کما قال النبی ﷺ فنظر النبی ﷺ الینا ثم ضحک حتی بدت نواجذه. ثم قال الا اخبرک بادامهم؟ قال: ادامهم بالام ونون. قالوا وما هذا؟ قال ثور ونون یأکل من زائدة کبدهما سبعون الفا.

(صحیح بخاری ص ۹۶۵ کتاب الرقاق (باب یقبض الله الارض)

زمین قیامت کے دن ایک روٹی بن جائے گی اُسے خدائے جبار اپنے ہاتھ سے ڈھالے گا جیسا کہ تم میں سے کوئی روٹی ڈھال کر (توے پر پکا کر آگ سے سینک کر) دستر خوان میں رکھتا ہے۔ یہ اہل جنت کی اولین ضیافت کا سامان ہوگا (یعنی جنت والے جنت میں داخل ہوتے ہی اسے تناول کریں گے) پس یہود میں سے ایک شخص آ گیا تو آپ سے مخاطب ہوا کہ اے ابوالقاسم رحمان آپ پر برکت نازل فرمائے کیا میں آپ کو نہ بتاؤں کہ قیامت کے دن اہل جنت کی اولیں ضیافت کیا ہوگی؟ فرمایا کیوں نہیں۔ ضرور بتاؤ۔ بولا زمین ایک روٹی بن جائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ پس نبی ﷺ ہماری طرف دیکھ کر ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک نمایاں ہوگئے۔ پھر وہ یہودی بولا۔ کیا میں آپ کو نہ بتاؤں کہ ان کا سالن کیا ہوگا (جس سے وہ روٹی کھائی جائے گی) بولا بالام اور نون ان کا سالن ہوگا (حاضرین نون کے معنی تو جانتے تھے کہ بڑی مچھلی کو نون کہتے ہیں لیکن بالام کے معنی نہیں جانتے تھے) بولے۔ یہ کیا ہے؟ بولا اس کے معنی ہیں بڑا بیل، بیل اور مچھلی کے جگر کی بالائی چربی (اس روٹی کا سالن ہوگا) اسے ستر ہزار شخص تناول کریں گے۔

یہ حدیث عطاء بن یسار کی محض گپ شپ ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ذکر کی ہوئی نہیں ہے۔

ابوسعید نے اس کو بیان کیا ہوتا تو اس یہودی کا نام ونسب ضرور بتاتے کہ وہ بنی نضیر یا بنی قینقاع یا بنی قریظہ یا باشندگان خیبر میں سے فلاں شخص تھا جب اُس نے اُسی مجلس میں بروقت نبی ﷺ کی بتائی ہوئی بات کی تصدیق وتائید کی تھی تو ابوسعید وغیرہ نے اسے ضرور جانا پہچانا ہوگا۔ پھر اس کا نام ذکر کرنے سے کیا مانع تھا؟ پھر وہ یہودی یقیناً نبی نہیں تھا کہ اُسے وحی حق سے یہ بات معلوم ہوئی ہو۔ اسرائیلی صحیفوں میں سے کسی صحیفہ میں یہ بات اس نے پڑھی ہوگی۔ اور معلوم ہے کہ اسرائیلی صحیفے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں یہود کے پاس تھے سب کے سب چھپ چکے ہیں۔ لیکن کسی بھی صحیفے میں یہ بات لکھی ہوئی کسی کو نہیں مل سکتی۔

نُزل وہ کھانے پینے کی چیزیں کہلاتی ہیں جو مہمان کو پہلے پیش کی جائیں۔ قرآن کریم

میں مومنین کے متعلق ارشاد ہوا ہے ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون نزلاً من غفور رحیم (حم السجدة) اور تمہارے لئے جنت میں من چاہی نعمتیں ہیں اور تمہارے لئے جنت میں وہ ہے جس کی تمہیں طلب ہو۔ غفور رحیم کی طرف سے مہمانوں کو پیش کی جانے والی چیزوں کے طور پر۔

اور ارشاد ہے "ان الذین امنوا وعملوا الصلحت کانت لھم جنّٰت الفردوسِ نُزُلا.

متعدد آیاتِ شریفہ میں اہل جنت کے کھانے پینے کی اعلیٰ مرتبہ نعمتوں کا ذکر ہے تو کیا وہ جنت میں جا کر جنت کی نہیں بلکہ زمین کی جس میں رہتے بستے تھے مٹی کھانے کی خواہش کریں گے؟ معلوم نہیں کہ عطاء بن یسار کو یہ گپ ہانکنے کی کیوں سوجھی تھی اور بخاری نے لے کر اسے درجِ صحیح کیوں کر ڈالا۔

(۸۴) یزید الرشک کی روایت کی ہوئی حدیث عمران بن حصین جس کی بخاری وغیرہ نے کتاب القدر میں تخریج کی ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ادم قال ثنا شعبة قال ثنا یزید الرشک قال سمعت مطرف بن عبدالله بن الشخیر یحدث عن عمران بن حصین قال قال رجل یا رسول الله ایُعرف اهل الجنة من اهل النار؟ قال نعم قال فلم یعمل العاملون؟ قال کل یعمل لما خلق له او لما یسر له.

(صحیح البخاری ص ۹۷۶ کتاب القدر باب جف القلم علی علم الله)

شعبہ نے کہا کہ ہم سے یزید الرشک نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن شخیر کے بیٹے مطرف سے سنا وہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جنتیوں کو دوزخیوں سے الگ پہچانا جاتا ہے (کہ یہ اہل جنت کا گروہ

ہے اور یہ اہل جہنم کا گروہ ہے) فرمایا ہاں۔ اس نے کہا تو عمل کرنے والے کیوں عمل کرتے ہیں۔ فرمایا ہر ایک اُسی کے لئے عمل کرتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا یا یہ فرمایا کہ ہر شخص اُس کے لیے عمل کرتا ہے جو اس کے لیے آسان کیا گیا۔

مطرّف سے یہ حدیث یزید الرشک نے سنی تھی۔ یہ بصرہ کا رہنے والا اور خاندان بنی ضبیعہ کے آزاد کیئے ہوئے غلاموں میں سے تھا۔ زمین کے پیمائش کے کام میں ماہر تھا۔ امیر حجاج بن یوسف ثقفی نے اس سے مکہ و بصرہ کی پیمائش کرائی تھی۔ رشک پیمائش کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اس کام کے علاوہ اسے روایتِ حدیث سے بھی خاصا تعلق تھا ابو حاتم و ابوزرعہ و ترمذی و ابن سعد نے اسے ثقہ بتایا ہے مگر یحیٰی بن معین و ابن شاہین و اسماعیل بن علیہ اور ابو احمد الحاکم نے ضعیف کہا ہے۔ اس کی یادداشت کچھ کمزور تھی۔ صحیح بخاری میں اس کی روایت کردہ صرف یہی ایک حدیث ہے اور مجموعی لحاظ سے یہ حدیث مہمل و بے معنی ہے۔ کیونکہ اس کے دو جزء ہیں اول یہ کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا أیعرف اهلُ الجنة من اهل النار؟ آپ نے اس کا جواب اثبات میں دیا یہ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہی ہوسکتا ہے کیونکہ مؤمن آدمی کافر شخص سے قطعاً ممتاز ہوتا ہے دنیا میں قول و عمل سے اور صورت سے قطعاً پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ آدمی مؤمن ہے اور یہ کافر ہے اور آخرت میں تو دونوں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہوں گے ہی میدانِ حشر میں بھی الگ الگ ہوں گے اور انجام میں بھی جدا جدا۔

تم نے ایک اجنبی آدمی کو دیکھا جس کے نام و نسب کا تمہیں علم نہیں لیکن تم نے سنا کہ وہ کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت بول رہا ہے یا قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے یا دیکھا کہ مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھ رہا ہے تو تم سمجھ لیتے ہو کہ وہ مومن آدمی ہے۔ کسی کو کلمہ کفر بکتے ہوئے سنا یا غیر اللہ کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا تو جان لیتے ہو کہ وہ کافر ہے۔ دو اجنبی شخص تمہارے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں ایک کے چہرے پر ایمان کا نور ہو۔ پیشانی پر سجدوں کا نشان ہو تو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مومن ہے مستحقانِ جنت میں سے ہے۔ لیکن اہل جنت یعنی مومنین کا اہل نار یعنی کفار سے الگ شناخت ہونا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اس پر فلم یعمل العاملون کہا جائے یہ سوال کیا جائے

کہ پھر عمل کرنے والے کیوں عمل کرتے ہیں؟ اگر رسول اللہ ﷺ کا قول یہ نقل کیا جاتا کہ اللہ نے بعض بندوں کو جنت کے لیے ہی اور بعض کو جہنم کے لیے ہی پیدا کیا ہے تو اس پر تو سوال لم یعمل العاملون اٹھ سکتا تھا۔ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اہل جنت اہل نار سے الگ پہچانے جاتے ہیں تو اس پر سوال لم یعمل العاملون اٹھنے کی کوئی تک نہیں اسی لیے میں نے کہا کہ مجموعی لحاظ سے یہ حدیث مہمل و بے معنی ہے۔ لہذا یہ عمران بن حصین کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ غلط محض ہے نیز بخاری نے کہا ہے۔

حدثنا ابو معمر ثنا عبد الوارث ثنا یزید الرشک ثنی مطرف بن عبد الله عن عمران بن حصین قال قلت یا رسول الله فیم یعمل العاملون قال کل میسر لما خلق له

(صحیح بخاری ص ۱۱۲۷ کتاب التوحید)

عبدالوارث بن سعید نے یزید الرشک سے اس نے مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے اس نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے۔ عمران نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کام کرنے والے کس حالت میں کام کر رہے ہیں؟ حالت مجبوری میں یا بحالت خود مختاری میں۔ فرمایا ہر ایک شخص کرنے والا ہے اسی کے لیے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ انسانی کاموں کا دائرہ دنیا میں بہت وسیع ہے۔ کوئی بڑھئی ہے کوئی لوہار ہے کوئی سنار ہے کوئی درزی ہے کوئی کاشتکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو لوگ جو زندگی گذارنے کے لیے یہ طرح طرح کے مشغلے رکھتے اور اپنے اپنے مختلف کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ تو خود مختاری کی حالت میں ایسا کر رہے ہیں یا حق تعالی کی طرف سے یہ مشاغل اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ عبدالوارث کی اس روایت میں ہے کہ سوال خود عمران بن حصین نے کیا تھا۔ عبدالوارث کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (ج ص ۲۱۲ طبع مصر)

حماد بن زید نے بھی یزید الرشک سے اسی اسناد کے ساتھ بایں لفظ:

عن عمران بن حصین قال قیل یا رسول الله اعلم اهل الجنة من اهل النار؟ فقال نعم قیل ففیم یعمل العاملون ؟ قال کل میسر لما

خلق له.

(صحيح مسلم ص ۲۱۲ طبع مصر كتاب القدر)(سنن ابی داؤد كتاب السنة باب فی القدر)

اسماعیل بن علیہ نے بھی یزید الرشک سے اسی اسناد کے ساتھ:

عن عمران بن حصين قال قال رجل يا رسول الله اعلم اهل الجنة من اهل النار ؟ قال نعم قال فيم يعمل العاملون قال اعملوا فكل ميسر لما خلق له او كما قال. (مسند احمد ۴، ص ۴۲۱)

جعفر بن سلیمان نے بھی یزید الرشک سے اسی اسناد کے ساتھ (صحیح مسلم ۴ص ۲۱۲) مگر مسلم نے اس کی روایت کا متن ذکر نہیں کیا۔ بس یہ اشارہ کیا ہے کہ اس کی روایت میں بھی سائل عمران کے علاوہ کوئی اور شخص ہے۔

پس یزید الرشک سے یہ حدیث شعبہ وعبدالوارث وحماد بن زید واسماعیل بن علیہ وجعفر بن سلیمان نے روایت کی ہے۔ ان میں سے عبدالوارث کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ سائل خود عمران بن حصین تھے باقی چار اشخاص کی روایت میں یہ ہے کہ عمران کے علاوہ سائل کوئی اور شخص تھا دوسرا اختلاف یہ ہے کہ شعبہ کی روایت میں ہے کہ سائل نے کہا تھا فلم يعمل العاملون بقیہ چار کی روایت میں ففيم يعمل العاملون ہے۔

شعبہ کی روایت جو صحیح بخاری میں ہے اس کے متعلق میں واضح کر چکا ہوں کہ وہ مہمل و بے معنی ہے۔ شعبہ نے سوال میں أيعرف اهل الجنة من اهل النار کہا تھا۔ مگر حماد بن زید و اسماعیل بن علیہ کی روایت میں ہے کہ سائل نے صیغہ ماضی کے ساتھ اعلم اهل الجنة من اهل النار کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فی الواقع یزید الرشک نے کیا بیان کیا تھا وہ جو شعبہ کی روایت میں ہے یا وہ جو ان دونوں کی روایت میں ہے۔

علم اهل الجنة من اهل النار کے معنی یہ ہیں کہ اہل جنت یعنی مؤمنین اور اہل نار یعنی کفار کے درمیان فرق و امتیاز کر دیا گیا۔ علم من کے صلہ کے ساتھ عربی زبان میں دو چیزوں یا دو شخصوں کے درمیان فرق و امتیاز کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے اعلم صديقك من

عدوک۔ اپنے دوست و دشمن کے درمیان امتیاز کر۔ پس علم اهل الجنة من اهل النار ان انسانوں پر صادق آتا ہے جو پہلے گذر چکے تھے کہ ان میں ہر شخص کے متعلق اللہ تعالی نے جان لیا تھا کہ فلاں کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے اور وہ جنتی ہے اور فلاں کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اور وہ دوزخی ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے بعد قیامت تک جو انسان یکے بعد دیگرے مرنے والے تھے ان پر علم اهل الجنة من اهل النار۔ بصیغہ ماضی صادق نہیں آتا ہے ان پر تو یعلم بصیغہ مضارع صادق آتا ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا اہل جنت میں سے ہونا موقوف ہے اس پر کہ اس کا خاتمہ ایمان وصلاح پر ہو۔ اور کسی شخص کا اہل نار میں سے ہونا موقوف ہے اس پر کہ اس کی کتاب زندگی کفر پر ختم ہو۔ پس حماد بن زید و اسماعیل بن علیہ نے یزید الرشک سے روایت کر کے جو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا اعلم اهل الجنة من اهل النار اور آپ نے جواب میں فرمایا۔ نعم تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو صرف ان لوگوں پر صادق آتا ہے جو اس سوال و جواب سے پہلے گذر چکے اور مر چکے تھے۔ بعد کے لوگوں پر صادق نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی کوتاہ بات کی نسبت نہیں کی جاسکتی پس یزید الرشک کی بیان کردہ یہ حدیث متن کے لحاظ سے مضطرب اور معنی کے لحاظ سے فاسد ہے۔ نہ وہ درست ہے جو شعبہ کی روایت میں ہے۔ نہ وہ صحیح ہے جو عبد الوارث کی روایت میں ہے نہ وہ ٹھیک ہے جو حماد و اسماعیل کی روایت میں ہے۔

حافظ ابن حجر وغیرہ نے علم اهل الجنة من اهل النار کا مطلب یہ بتایا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ کے علم میں تھا کہ اس نوع کے بے شمار گروہوں میں سے ہر ایک گروہ میں فلاں فلاں اہل جنت میں سے ہوں گے۔ اور فلاں فلاں اہل نار میں سے۔ آپ کے اس ارشاد نے سائل کو یہ سوال کرنے پر آمادہ کیا "فلم یعمل العاملون یا ففیم یعمل العاملون" یعنی اللہ کے علم میں جو انجام کسی کا ہونا ہے لامحالہ وہی اس کا انجام ہوگا۔ اس کا معلوم (جانا ہوا) اس کے علم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ پس جس شخص کے متعلق اللہ کے علم میں ہے کہ وہ داخل جنت ہونے والا ہے۔ لامحالہ وہ داخل جنت ہوگا۔ اعمال اسلام پر کاربند ہو یا نہ ہو۔ اور جس شخص کے متعلق اس کے علم میں ہے کہ وہ جہنم میں گرنے والا ہے لامحالہ وہ جہنم میں

گرے گا اعمال کفر کرے یا نہ کرے۔ لہذا عمل بے سود ہے اور اعمال صالحہ کے اکتساب اور اعمال سیئہ سے اجتناب کا مطالبہ عبث۔ اس سوال کے جواب میں فرمایا کل میسر لما خلق له یعنی عمل کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ دخول جنت کے بھی مناسب اعمال ہیں اور دخول نار کے بھی مناسب اعمال ہیں جسے اللہ نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اسے اسی کے مناسب اعمال کرنے کی توفیق ملتی ہے اور جسے جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسے اسی کے مناسب اعمال آسان و مرغوب کر دیے جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حجر وغیرہ نے اس تقریر میں سوال کا جو منشا بتایا ہے۔ وہی فرقہ جبریہ کی قابل اعتماد دلیل ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں جابجا اس کا ذکر کیا اور اس کا نام برہان علم رکھا ہے۔ لیکن نہ سوچا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کو بندوں کے اعمال کا علم ہے جن کی انہیں جزا و سزا ملے گی تو صیغہ مستقبل کے ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فلیعلمن الله الذین صدقوا و لیعلمن الکاذبین۔ نیز فرمایا ہے۔ و لیعلمن الله الذین آمنوا و لیعلمن المنافقین (سورة العنکبوت) و لیعلم الله الذین آمنوا ۔ و یعلم الصابرین اور سورة التوبہ میں ہے ام حسبتم ان تدخلوا الجنة و لما یعلم الذین جاهدوا منکم ۔ ای لم یعلمهم للآن و سیعلمهم.

اور میں بتا چکا ہوں کہ علم بصلہ من ممتاز کرنے، چھانٹنے اور الگ الگ کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ ابن حجر وغیرہ نے علم اهل الجنة من اهل النار کے معنی کی جو تقریر کی ہے اس میں علم بصلہ من کے معنی کو نظر انداز کر دیا ہے۔

قرآن کریم سے جو ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی مدت حیات، رزق، صحت و بیماری اور دنیا میں اس کے رہنے کی پوزیشن اور اس کی شخصی شکل و صورت کا الگ الگ تقرر کر دیا ہے اور کسی کو بھی ان مقدرات سے آگاہ نہیں فرمایا۔ نہ کسی کو مستقبل میں پیش آنے والے حالات و حوادث کا علم بخشا ہے۔ اور کسی کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ اللہ کی تقدیر کے احاطہ سے نکل سکے۔ مگر اسے نیک یا بد اعمال کرنے کی قدرت دی ہے۔ بھلے برے اور مفید و مضر میں امتیاز کرنے کے لیے اسے عقل عطا فرمائی اور اسے نیکیوں کی راہ دکھانے کے لیے انبیائے

کرام بھیجے ہیں اور کتابیں نازل فرمائی ہیں اور حکم دیا ہے کہ تنہا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور نبی وقت کی اطاعت و پیروی میں لگے رہیں۔ لیکن اس نے انسان کو نہ ایمان و عمل صالح پر مجبور کیا ہے نہ کفر و معصیت پر ہاں نہایت وضاحت کے ساتھ دونوں راستوں کے انجام سے آگاہ کردیا ہے۔

افسوس کہ خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں متعدد اعتقادی و عملی گمراہیاں پیدا ہوگئیں اور ان کے علم بردار فرقے ہویدا ہوگئے۔ فرقہ قدریہ، فرقہ جبریہ، فرقہ رافضہ اہل تشیع، خوارج ان فرقوں میں ایسے شقی لوگ بھی تھے جنہوں نے اپنے اپنے فرقے کی تائید کے لیے اور عام مسلمانوں میں اپنے معتقدات کو مقبول بنانے کی خاطر جھوٹی حدیثیں گھڑ ڈالیں۔ شاید یزید الرشک فرقہ جبریہ کا ہم نوا تھا۔ یہ غلط حدیث جو اس نے بواسطہ مطرف عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے روایت کی تھی اسی کی آئینہ دار ہے۔

(۸۵) شادی شدہ زانیہ کو سنگسار کرنے کا قصہ جو بروایت شعبی حضرت علی سے مروی ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا آدم ثنا شعبة ثنا سلمة من كُهَيل قال سمعت الشعبى يحدث عن علىؓ حين رجم المرأة يوم الجمعة و قال قد رجمتها بسنة رسول الله ﷺ.

(صحیح بخاری ص ۱۰۰۶ ـ کتاب المحاربین۔ باب رجم المحصن)

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا کہ ہم سے سلمہ بن کھیل نے بیان کیا کہ میں نے شعبی سے سنا علیؓ کے متعلق بیان کرتے ہوئے جب علیؓ نے جمعہ کے دن عورت کو سنگسار کیا تھا اور فرمایا تھا میں نے رسول اللہ کی سنت (یعنی آنحضور کی مقرر کی ہوئی

سزا) کی وجہ سے اسے سنگسار کیا ہے۔ اس عورت کا شراحہ نام بتایا گیا ہے کوفے میں کسی کی کنیز تھی اس نے آزاد کر کے ایک شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ چند روز بعد اسے کوفہ میں چھوڑ کر ملک شام چلا گیا اور حضرت معاویہ کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اس کہانی کو بیان کرنے والوں نے بتایا کہ شراحہ نامی اس عورت کو زنا کا حمل رہ گیا۔ حضرت علی نے اسے بہانے بھی تلقین کئے۔ ممکن ہے تیرا شوہر چھپ کر رات میں آ گیا ہو اور چونکہ وہ ہمارے دشمن کا آدمی ہے تو اس کا نام لینے سے ڈرتی ہو یا رات میں تو بے خبر سو رہی ہو گی اور چپکے سے کوئی فاسق آ گیا ہو اور تیری آبرو ریزی کر ڈالی ہو۔ یا کسی نے زبردستی تجھ سے یہ برا کام کیا ہو۔ لیکن اس نے کوئی تلقین قبول نہیں کی اور یہی کہا کہ میں قصداً زنا کی مرتکب ہوئی ہوں اور اس کی سزا بھگتنے پر آمادہ ہوں تب اسے وضع حمل تک مہلت دی۔ بچہ ہو جانے اور نفاس وغیرہ سے فارغ ہو جانے کے بعد اسے حضرت علی کے پاس لایا گیا جمعرات کا دن تھا حضرت علی کے حکم سے اسے سو کوڑے مارے گئے۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کے دن اسے طلب کر کے سنگسار کرایا۔ پہلا پتھر خود علی نے مارا پھر تمام حاضرین نے پتھراؤ کر کے اسے ختم کر دیا اور حضرت علی نے لوگوں سے کہا جلدتها بكتاب الله ورجمتها بسنة رسول الله ﷺ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں زنا کی سزا سو کوڑے فرمائی ہے اس لیے میں نے اسے سو کوڑے لگوائے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کرایا تھا اس لئے میں نے اسے آج سنگسار کرایا ہے۔ اس طرح حضرت علی نے اس بے چاری کو دونوں سزائیں دی تھیں۔

لیکن شعبہ نے یہ حدیث ایسے بیان نہیں کی تھی جیسے بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ آدم کے علاوہ شعبہ سے یہ حدیث محمد بن جعفر غندر نے علی بن جعد نے ابو عامر عقدی نے وھب بن جریر نے حسین بن محمد نے روایت کی ہے۔ (غندر کی روایت) امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا محمد بن جعفرثنا شعبة عن سلمةبن كهيل عن الشعبی ان علیاً جلد شراحة يوم الخميس و رجمها يوم الجمعة وقال اجلدها بكتاب الله وارجمها بسنة رسول الله ﷺ. (مسند ا ص ۱۰۷)

(حسین کی روایت) احمد نے کہا ہے:

حدثنا حسين بن محمد ثنا شعبه عن سلمةو مجالد عن الشعبی انهما سمعاه یحدث ان علیاً حین رجم المرأة من اهل الکوفة. ضربهایوم الخمیس و رجمها یوم الجمعة وقال الخ. (مسند ا ص ۹۳)

علی بن جعد کی روایت اسماعیلی نے تخریج کی ہے:

عن شعبة عن سلمة و مجالد عن الشعبی ان علیا اُتی بامرأة زنت فضربها یوم الخمیس ورجمها یوم الجمعة و قال جلدتها بکتاب الله و رجمتها بسنة رسول الله ﷺ. (فتح الباری ۱۱)

ابو عامر عقدی کی روایت:

حدثنا شعبةعن سلمة عن الشعبی قال جلد علیؓ شراحة یوم الخمیس و رجمها یوم الجمعة وقال الخ.

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۲ ص ۸۱)

وہب بن جریر کی اسناد ابن حجر نے فتح الباری میں یہ نقل کی ہے عن شعبة عن سلمة عن مجالد عن الشعبی عن ابیه عن علی۔ اس میں دو غلطیاں ہیں اول یہ کہ عن سلمة عن مجالد کہا ہے۔ حالانکہ سلمة بن کہیل نے یہ حدیث براہ راست شعبی سے روایت کی۔ وھب کی اسناد میں عن سلمة و مجالد عن الشعبی ہونا چاہئے تھا۔ دوم یہ کہ عن ابیہ غلط کہہ دیا ہے حالانکہ شعبہ کے تلامذہ نے عن الشعبی عن علی کہا ہے۔ عصام بن یوسف نے شعبہ سے اس کی روایت کرنے میں یہ غلطی کی ہے کہ عن الشعبی عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن علیؓ کہا ہے شعبی و علی کے درمیان عبدالرحمٰن کا ذکر غلط ہے۔

پس شعبہ سے یہ حدیث سات اشخاص نے روایت کی تھی ان میں سے غندر و حسین بن محمد و علی بن جعد و ابو عامر عقدی کی روایت درست ہے یعنی جس اسناد و متن کے ساتھ شعبہ نے یہ حدیث بیان کی تھی اسی اسناد و متن کے ساتھ ان چاروں حضرات نے اس کی روایت کی ہے بس اتنا فرق ہے کہ غندر و ابو عامر نے اسناد میں سلمہ کے ساتھ مجالد کا ذکر نہیں کیا اور حسین و علی نے سلمہ

کے ساتھ مجالد کا بھی ذکر کیا ہے۔اوران سات میں سے تین اشخاص کی روایت میں وھب بن جریر اور عصام بن یوسف نے اس کی اسناد میں غلطی کی ہے۔اورآدم نے جس کی روایت بخاری نے درج صحیح کی ہے اس کے متن میں تقصیر کی ہے۔نہ عورت کا نام ذکر کیا نہ یہ کہ حضرت علی نے جمعرات کے دن اسے کوڑوں کی سزادی پس یہ ذکر کیا ہے کہ علیؓ نے اسے جمعہ کے دن سنگسار کیا اور فرمایا رجمتها بسنة رسول اللهﷺ حالانکہ شعبہ کے چھ تلامذہ نے متفقہ طور پر شعبہ کی بیان کی ہوئی اس حدیث میں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جمعرات کے دن اسے کوڑوں کی سزادی اور جمعہ کے دن اسے سنگسار کیا اور دونوں سزاؤں کو جمع کرنے کی توجیہ میں یہ کہا کہ جلدتها بكتاب الله و رجمتها بسنة رسول اللهﷺ۔

امام بخاری اپنے شیخ کی اس روایت کے قاصر ہونے سے خوب واقف تھے مگر چھ اشخاص کی تمام روایت پر ایک شخص کی قاصر روایت کواس لئے ترجیح دی ہے۔کہ جمہور اہل علم کی طرح امام بخاری بھی اسی کے قائل ہیں کہ شادی شدہ زانی وزانیہ کی دنیوی شرعی سزا صرف رجم ہے جلد کے بغیر یعنی اس مجرم کو کوڑوں کی سزا نہ دی جائے بس سنگسار کیا جائے یہ ہی رسول اللہﷺ کی سنت اور آپ کے متواتر الثبوت عمل سے ثابت ہے۔آپ نے جس شادی شدہ زانی اور شادی شدہ زانیہ کو سزادی ہے تو اسے سنگسار ہی کرایا ہے کسی کو بھی رجم سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے۔اور حضرت علی رسول اللہﷺ کے عہد میں پیش آنے ہر واقعہ رجم میں موجود رہے ہیں لہذا اس میں بھول واقع ہونے کا امکان نہ تھا۔پس علیؓ نے بھی اس عورت کو فقط رجم کی سزادی تھی اور صراحتہً بتادیا تھا کہ شادی شدہ زانیہ کو فقط رجم کرانا ہی سنت سے ثابت ہے یعنی اسے کوڑوں کی سزا نہ دی جائے گی آدم بن ابی ایاس نے شعبہ کی بیان کی ہوئی حدیث میں یہ ہی مضمون روایت کیا ہے لہذا بخاری نے اسے ہی صحیح قرار دیکر درج صحیح کیا ہے۔رہیں آدم کے علاوہ شعبہ کے دیگر تلامذہ کی روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی نے اس عورت کو جمعرات کے دن کوڑوں کی سزادی اور جمعہ کے دن اسے رجم کرایا اور فرمایا کہ جلدتها بكتاب الله و رجمتها بسنة رسول الله تو وہ غلط ہیں کیونکہ نہ علی ایسا کر سکتے تھے نہ ایسا کہہ سکتے تھے۔جب کہ حضرت علی نے کئی بار مشاہدہ کیا تھا کہ

رسول اللہﷺ نے شادی شدہ زانی یا زانیہ کو بس رجم کرایا۔کوڑوں کی سزا نہیں دی تو یہ ہی تو آپ کی سنت ہوگی۔پھر علی اس کے برخلاف اس مجرمہ کو دونوں سزائیں کیسے دے سکتے تھے۔اور جلدتھا بکتاب اللہ اگر علی نے کہا ہوتا تو اس کا مطلب تو یہ ہوتا کہ رسول اللہﷺ نے شادی شدہ زانی وزانیہ کو سزا دینے میں کتاب اللہ پر عمل نہیں کیا۔پس یہ لرزہ براندام کردینے والی بات علی کیسے کہہ سکتے تھے۔لہذا امام بخاری نے شعبہ سے مروی ان روایات کو جو آدم بن ابی ایاس کے علاوہ دیگر صاحبان نے روایت کی ہیں غلط قرار دے کر نظر انداز کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ یہ غلط ہے اور قطعاً جھوٹ ہے کہ علیؓ نے شادی شدہ زانیہ پر سزائیں جمع کی ہوں پہلے اسے کوڑوں کی سزا دی ہو پھر اسے رجم کرایا ہو۔مگر اس جھٹ کے ذمہ دار شعبہ کے یہ چھ تلامذہ نہیں ہیں.ان میں سے کوئی بھی کذاب ومفتری اور دروغ باف نہ تھا.اور جب کہ ایک عالم کے چھ شاگرد یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سے استاد نے یہ بتایا تھا اور ساتواں شاگرد ان کے خلاف بات بتاتا ہو تو عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ چھ کی روایت ایک کی روایت پر راجح ہے۔اور یہ ہی سمجھنا چاہئے کہ چھ شخص جو کہہ رہے ہیں عالم نے وہی کہا ہے۔لہذا یہ ہی سمجھنا چاہئے کہ شعبہ نے وہی کہا تھا جو محمد بن جعفر وحسین بن محمد وعلی بن جعد وابو عامر عقدی اور وھب بن جریر وعصام بن یوسف نے ذکر کیا ہے۔وہ نہیں جو تنہا آدم نے بتایا ہے۔

تو کیا یہ غلطی شعبہ کی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ حماد بن سلمہ نے بھی سلمہ بن کھیل سے یہ ہی روایت کی ہے جو شعبہ کی روایت کی بنسبت تام ہے۔حماد نے کہا ہے:

انبأنا سلمة بن كهيل عن الشعبى ان علياً قال لشراحة لعلك استكرهتِ لعل زوجك اتاك لعلك.لعلك قالت لا .فلما وضعت ما فى بطنها جلدها ثم رجمها. فقيل له جلدتَها ثم رجمتَها فقال جلدتُها بكتاب الله و رجمتُها بسنة رسول اللهﷺ.

(مسند احمد ١ ص ١٤١ و ١٥٣)

اور سلمہ بن کھیل بھی اس جھوٹی کہانی کا ذمہ دار نہیں ہے۔کیونکہ اور متعدد اشخاص نے بھی شعبی سے اس کی روایت کی ہے۔ازانجملہ حُصَین بن عبدالرحمٰن ہے جو سلمہ بن کھیل سے

افضل واوثق تھا۔

ھُشَیم بن بشیر نے کہا ہے:

اَنبا نا حُصَین عن الشعبی قال اُتی علی بمولاۃ لسعید بن قیس محصنۃ(ای ذات زوج) قد فجرت. قال: فضربھا مائۃ ثم رجمھا ثم قال جلدتھا بکتاب اللہ ورجمتھا بسنۃ رسول اللہﷺ.

(مسند احمد ا ص ۱۱۶، سنن الدار قطنی ص ۳۴۰ کتاب الحدود طبع ھند)

پس دراصل یہ قصہ شعبي کا بیان کیا ہوا ہے۔ شعبي نے حضرت علی کو نہ دیکھا تھا نہ ان سے کچھ سنا تھا لیکن اہل رفض وتشیع نے یہ قصہ مسلمانوں میں خاص طور سے اہل کوفہ میں پھیلانے کی خوب کوشش کی تھی یہ ان دروغ بافیوں مین سے ایک ہے جو ان لوگوں نے حضرت علی کے متعلق کی تھیں مقصد ان کا مسلمانوں میں مذہبی اختلافات پیدا کرنا اور علی وآل علی کی طرف منسوب کر کے اپنے لئے نیا دین وآئین گھڑنا تھا۔ ان ہی لوگوں سے شعبي نے یہ قصہ سنا اور روایت کر ڈالا تھا پس یہ شعبي کی مرسل روایات میں سے ہے اور تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ شعبي کی مرسل روایات پر کاہ کی برابر بھی وزن نہیں رکھتیں. کیونکہ ان میں سے ہر روایت جانچنے پرکھنے سے غلط ہی ثابت ہوئی ہے۔

اور جب کہ شعبي کی روایت کی ہوئی یہ حدیث مرسل ہے متصل نہیں ہے تو لازماً صحیح نہیں ہے کیونکہ اتصال سند حدیث صحتِ حدیث کی لازمی شرطوں میں سے ہے۔

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ مجالد بن سعید اور اسماعیل بن ابی خالد نے بھی شعبي سے شراحہ کے رجم کئے جانے کا قصہ روایت کیا ہے اور صراحۃً بتایا ہے کہ شعبي اسے رجم کئے جانے کے وقت موجود تھے بلکہ خود شعبي نے بھی اسے رجم کرنے میں حصہ لیا تھا۔

ہم مانتے ہیں کہ شعبي نے حضرت علی سے اور کوئی حدیث نہیں سنی لیکن یہ قصہ شعبي کا چشم دید اور حضرت علی کا **جلدتھا بکتاب اللہ ورجمتھا بسنۃ رسول اللہﷺ** کہنا گوش شنید ہے لہذا شعبي کی یہ روایت مرسل نہیں بلکہ متصل ہے لیکن یہ جواب قطعاً ناصواب ہے کیونکہ مجالد خود جھوٹا تھا اور اسماعیل بن ابی خالد کی طرف منسوب روایت بھی قطعاً گھڑی ہوئی ہے۔ مجالد کی

روایت یہ ہے امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا يحيى بن زكريا بن ابى زائدة احبرنا مجالد عن عامر الشعبى قال حملت شراحة وكان زوجها غائباً فانطلق بها مولاها الى علىّ. فقال لها علىّ لعل زوجك جاءك او لعل احداً استكرهتك على نفسك؟ قالت لا. واقرّت بالزنا فجلدها يوم الخميس وانا شاهده ورجمها يوم الجمعة ونا شاهده فامر بها فحُفر لها الى السرّة ثم قال ان الرجم سنة من رسول الله ﷺ وقد كانت نزلت اية الرجم فهلك من كان يقرء ها وآيا من القرآن باليمامة. (مسند ا ص ۱۴۳)

اس میں مذکور ہے کہ شعبي نے بیان کیا کہ علیؓ نے جمعرات کے دن شراحہ کو میرے سامنے کوڑوں کی سزا دی اور جمعہ کے دن میرے سامنے اسے سنگسار کیا حضرت علی کے حکم سے اس کے لئے ناف تک گڑھا کھودا گیا تھا پھر علیؓ نے کہا کہ رجم رسول اللہ ﷺ کا مقرر کیا ہوا حکم ہے اور رجم کی آیت قرآن میں اتری تھی مگر جن لوگوں کو وہ یاد تھی اور اسے پڑھتے تھے ساتھ ہی او چند آیتیں بھی وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ یعنی وہ آیتیں اور آیت رجم دیگر مسلمانوں کو نہ یاد تھی نہ ان کے پاس لکھی ہوئی تھیں اس لئے رجم کی آیت اور وہ آیتیں درج مصحف ہونے سے رہ گئیں۔ خود یہ روایت ہی مجالد بن سعید کے کذاب ہونے کا کافی بڑا ثبوت ہے۔ اگر علی کو یہ معلوم تھا کہ آیت رجم قرآن میں تھی تو رجمتُها بكتاب الله کہتے اور اگر آیت رجم اور چند دیگر آیات کو یاد رکھنے اور پڑھنے والے جنگ یمامہ میں ہلاک ہوئے تھے جو حضرت ابوبکر کے عہد میں ہوئی تھی تو علی نے یہ کوتاہی کیوں کی کہ ان آیات کو اور آیت رجم کو نہ یاد کیا نہ اپنے پاس لکھ کر رکھا۔ علی تو لکھنا جانتے تھے نیز یہ روایت آتی ہے کہ جو قرآن اب مسلمانوں میں رائج ہے وہ ناقص ہے۔ معاذ اللہ مجالد خبیث نے جھوٹ بھی۔ لولا تو کتنا گندا کیا کوئی مسلمان جو جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا پکا سچا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے جو مجالد نے شعبي و علی پر افترا کر کے کہا ہے۔

پس مجالد کی روایت سے استدلال کر کے یہ سمجھنا کہ شعبي اس عورت کو رجم کرنے کے موقع پر موجود تھے بالکل غلط اور نامعقول ہے۔

رہی اسماعیل کی روایت تو اس کی تخریج ابو عبداللہ الحاکم صاحب مستدرک نے احمد بن یونس کے طریق سے کی ہے۔ احمد بن یونس نے کہا:

حدثنا جعفر بن عون ثنااسماعیل بن ابی خالد قال سمعت الشعبی و سئل هل رأیت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب و قال رأیته ابیض الراس و اللحیة قیل فهل تذکر عنه شیئا و قال نعم اذکر انه جلد شراحة یوم الخمیس و رجمها یوم الجمعة فقال جلدتها بکتاب الله و رجمتها بسنة رسول الله.

(المستدرک ۴ ص ۳۶۵، کتاب الحدود طبع دائرة المعارف)

ہم سے جعفر بن عون نے بیان کیا کہ ہم سے اسماعیل بن ابی خالد نے بیان کیا کہ میں نے شعبی سے سنا جب کہ اس سے دریافت کیا گیا تھا کہ کیا آپ نے حضرت علی کو دیکھا ہے۔ کہاں ہاں میں نے انہیں سفید سر وسفید ریش دیکھا۔ کہا گیا کہ کیا آپ کو ان سے سنی ہوئی کوئی بات یاد ہے؟ بولے جی ہاں مجھے یاد ہے کہ حضرت علی نے جمعرات کے دن شراحہ کو کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن سنگسار کرایا اور فرمایا میں نے کتاب اللہ کی وجہ سے اسے کوڑوں کی سزا دی اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی وجہ سے اسے سنگسار کیا۔

حاکم نے حسب عادت لکھ دیا ہے هذا اسناد صحیح حالانکہ اس کی سند منقطع ہے کیونکہ جعفر بن عون نے اسماعیل سے نہ صرف یہ کہ کچھ نہیں سنا بلکہ اسے دیکھا بھی نہیں۔ اسماعیل بن ابی خالد کی وفات ۱۴۶ھ (ایک سو چھیالیس) میں ہوئی اور جعفر بن عون نے ۲۰۷ھ (دو سو سات) میں انتقال کیا۔ دونوں کی موت کے درمیان ۶۱ سال کا فصل ہے پس حاکم نے اس کی اسناد میں جعفر بن عون کا قول حدثنا اسماعیل غلط نقل کیا ہے۔

الغرض شعبی نے نہ حضرت علی سے کچھ سنا نہ انہیں دیکھا۔ یہ قصہ شعبی کی مرسل اور بے اصل روایت ہے۔ شراحہ نام کی کوفہ میں کوئی عورت نہ تھی جسے حضرت علی نے زنا کی سزا دی ہو۔ ذرا سوچیے تو سہی حضرت علی جب کوفہ میں تھے تو وہاں بہت سے اشخاص تھے جنہوں نے عبداللہ بن

مسعود وسعد بن ابی وقاص وابو موسی اشعری رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا تھا۔ مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ میں بہت سے صحابہ اور اہل علم تابعین تھے۔ اسی طرح بلاد شام خصوصاً دمشق میں صحابہ کرام وتابعین اور حضرت معاویہ وعمرو بن عاص اور تقریباً تمام اہل اسلام جو شام میں آباد تھے حضرت علی اور ان کے متبعین کے زبردست سیاسی حریف تھے جنہیں علی اپنا دشمن گردانتے تھے۔ اگر فی الواقع علی نے کسی شادی شدہ زانیہ کو پہلے کوڑوں کی سزا پھر دوسرے دن رجم کی سزا دی ہوتی تو بلاد اسلام میں ان کے خلاف زبردست ہلچل مچ جاتی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ علی کی زندگی بھر کسی طرف سے بھی ان پر یہ اعتراض نہ ہوا۔ کیوں اس لیے کہ یہ قصہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا یہ تو علی کے بعد تصنیف کیا گیا اور بتدریج مسلمانوں میں پھیلایا گیا تھا۔

(۸۶) حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث

اعظم المسلمین جرما

زہری نے حضرت سعد کے فرزند عامر سے اس نے اپنے والد حضرت سعدؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اعظم المسلمین جرما من سأل عن شئ لم یحرم فحرم من اجل مسالته. (صحیح بخاری ص ۱۰۸۲، کتاب الاعتصام باب ۳)

زہری سے متقارب الفاظ کے ساتھ یہ حدیث عقیل بن خالد وسفیان بن عیینہ ومعمر بن راشد وابراہیم بن سعد ویونس بن یزید نے روایت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ تعالی نے مسلمانوں پر حرام نہیں کیا تھا۔ اس کے متعلق کوئی شخص کھود کرید کرے اور اللہ کے رسول سے پوچھے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام۔ روا ہے یا ناروا۔ اس کے پوچھنے کی وجہ سے وہ چیز حرام کردی جائے۔ اللہ کی طرف سے اس کی حرمت کا حکم آجائے تو وہ پوچھ گچھ کرنے والا شخص مسلمانوں میں سے سب سے بڑا مجرم ہے۔ کھود کرید کا ذکر معمر کی روایت میں ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں ان من اکبر المسلمین فی المسلمین جرما رجلا سأل عن شئ و نقر عنہ حتی

انزل فی ذلک الشیٔ التحریم من اجل مسئلته ۔ (مسند احمد ۱ ص ۱۷۶)

یہ حدیث صرف زہری نے روایت کی ہے اور غور وفکر کرنے کے بعد بھی میں اس کا معنائے مراد نہیں سمجھ سکا ویسے یہ حدیث صحیحین کی ہے ۔ سنن ابی داؤد و مسند احمد اور ابن الجارود کی المنتقی میں بھی ہے ۔

اور میرا خیال ہے کہ جن راویوں نے اس کی روایت کی ہے اور جن محدثین نے اس کی تخریج فرمائی ہے وہ بھی اس کے معنی مراد سے نا آشنا تھے ۔ کیونکہ اللہ تعالی نے وہ چیز بندوں پر حرام فرمائی ہے جو ان کے لیئے مضر ہے اگر کوئی ناواقف آدمی کسی چیز یا کام کے متعلق اللہ کے نبی سے پوچھے کہ یہ حلال ہے یا حرام تو محض اس کے سوال کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس چیز کی حرمت کا حکم آجانا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے نہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا نہ سابق انبیائے کرام میں سے کسی نبی کے عہد میں ۔ جب کہ ہم جانتے ہیں کہ شراب خانہ خراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے ہی حضرت عمر اس کے خواہشمند تھے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے رہتے تھے کہ مسلمانوں کو منع فرمادیں کہ شراب نہ پیا کریں نیز حضرت عمر آپ سے کہتے رہتے تھے ۔ احجب نساء ک یا رسول اللہ ۔ آخر حکم حجاب نازل ہوگیا ۔

(۸۷) بخاری نے کہا ہے:

وقد کتب عمر الی عامله فی الجارود (ص ۱۰۶۰ کتاب الاحکام)

یعنی حضرت عمر نے بحرین کے گورنر کو جارود بن معلی کے بارے میں لکھا تھا کیا لکھا تھا اس کا بخاری نے ذکر نہیں کیا مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ بخاری کی بھول ہے حضرت عمرؓ نے اپنے عامل بحرین کو جارود کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہاں اپنے عامل کو قدامہ بن مظعون کے بارے میں تو لکھا تھا ۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ جارود بن معلی جو کہ قبیلہ عبدالقیس کے معزز افراد میں سے تھے اور بحرین کے باشندگان میں سے تھے ۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے چند روز

مدینہ میں رہ کر اسلام کے متعلق ضروری باتیں سیکھ کر آپ کی اجازت سے وطن واپس ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں قدامہ بن مظعون کو جو بدری صحابہ مہاجرین میں سے تھے۔ بحرین کا عامل مقرر کیا کچھ مدت بعد جارود نے بحرین سے مدینہ آ کر حضرت عمرؓ سے قدامہ کی شکایت کی کہ وہ شراب پینے کی وجہ سے مست دیکھے گئے ہیں حضرت عمرؓ نے بحرین سے قدامہ کو طلب کر کے اس کے متعلق پوچھا تو قدامہ نے اس کا اعتراف کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول لیس علی الذین آمنوا و عملوا الصالحات جناح فی ما طعموا کی بنا پر میں نے اسے جائز سمجھا تھا حضرت عمرؓ نے آیت کے معنی کے متعلق ان کی غلط فہمی واضح کی اور شراب نوشی کی سزا دی اور عمل سے معزول کر کے ایک اور صاحب کو بحرین کا عامل مقرر کر دیا۔ چونکہ قدامہ کے اہل وعیال بحرین میں تھے اس لئے قدامہ کو واپس بحرین جانے کی اجازت دیدی اور اپنے عامل لکھ دیا کہ قدامہ کی نگرانی کرنا۔ اگر وہ پھر شراب پیئے تو اس پر شراب نوشی کی حد نافذ کرنا۔

(۸۸) مُجادلہ کے متعلق ام المومنین عائشہؓ کی حدیث

بخاری نے لکھا ہے:

وقال الاعمش عن تميم عن عروة عن عائشة قالت الحمد لله الذى و سع سمعه الاصوات فانزل الله على النبى ﷺ قد سمع الله قول التى تجادلك فى زوجها.

(ص ۱۰۹۹ کتاب التوحيد باب قوله و كان الله سميعاً بصيراً)

یعنی اعمش نے تمیم بن سلمہ سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا حمد ہے اللہ کے لئے جس کی شنوائی نے آوازوں کو سمو لیا ہے۔ (یعنی آوازیں خواہ بلند ہوں یا پست وہ سب کو سنتا ہے) پس اللہ نے نبی ﷺ پر نازل فرمایا: قد سمع الله قول التى تجادلك فى زوجها۔

امام بخاری نے یہ حدیث تعلیقاً ذکر کی ہے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ کس راوی نے اعمش سے اس

کی روایت کی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ قاصر اور تقریباً مہمل ہے۔ پھر اسے نقل کرنے سے کیا فائدہ؟

نسائی و ابن ماجہ نے یہ حدیث پوری ذکر کی ہے اور ابن ماجہ کی روایت زیادہ واضح و تام ہے۔

نسائی کی روایت میں ہے کہ جریر بن عبدالحمید نے اعمش سے اس نے تمیم بن سلمہ سے اس نے عروہ سے روایت کی کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا حمد ہے اللہ کے لئے جس کی شنوائی نے آوازوں کو سمولیا ہے خولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے شوہر کی شکایت کرنے لئے آئی آہستہ بولنے کی وجہ سے اس کا کلام مجھ پر پوشیدہ ہو رہا تھا میرے سننے میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہہ رہی ہے پس اللہ نے نازل فرمایا **قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها و تشتکی الی الله والله یسمع تحاورکما .(سنن نسائی کتاب الطلاق آخرباب الظهار)**

اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ نے اعمش سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا بڑی بابرکت ذات ہے وہ جس کی شنوائی نے ہر چیز کو سمولیا ہے میں خولہ بنت ثعلبہ کی بات سن رہی تھی اور کچھ بات اچھی طرح کان میں نہ پڑ رہی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی یارسول اللہ اس نے میری جوانی کھالی اور میں نے اپنا پیٹ اس کے لئے جھاڑ دیا۔ یعنی اس کے بچے جنے یہاں تک کہ میں جب سن رسیدہ ہو گئی اور مزید بچہ پیدا ہونے کی آس نہ رہی تو مجھ سے ظہار کر بیٹھا۔

یا اللہ میں بے چاری کیا کروں .وہ آپ سے ہٹی نہ تھی کہ جبریل یہ آیات لیکر نازل ہو گئے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۵۰ ابواب الطلاق باب الظہار)

(۸۹) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث:

کن فی الدنیا کانک غریب

حدثنا علی بن عبدالله قال ثنا محمد بن عبدالرحمن ابو المنذر الطفاوی عن سلیمان الاعمش قال حدثنی مجاهد عن عبدالله بن

عمر قال اخذ رسول اللهﷺ بمنكبي فقال كن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل. وكان ابن عمر يقول اذاامسيتَ فلا تنتظر الصباح واذا اصبحتَ فلا تنتظر المساء وخذ من صحتك لمرضک ومن حياتک لموتک.

(صحیح بخاری ۹۴۹ کتاب الرقاق باب ۳)

ہم سے علی بن مدینی نے بیان کیا ہے کہ ہم سے محمد بن عبدالرحمٰن طفاوی نے بیان کیا سلیمان بن مہران یعنی اعمش سے روایت کر کے اعمش نے کہا مجھ سے مجاھد نے بیان کیا عبداللہ بن عمر سے روایت کر کے۔ ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا دنیا میں رہ گویا کہ تو پردیسی ہے یا ایک مسافر ہے۔ (نہ پردیسی اجنبی مقام میں کسی چیز سے یا کسی شخص سے دل لگاتا ہے نہ کسی ہوٹل یا سرائے یا مسافر خانہ میں یا بسوں کے اڈے یا اسٹیشن پر اترا ہوا مسافر کسی پر ایسا اعتبار و اعتماد کرتا ہے جیسا وطن میں اپنے خاص آدمیوں پر ہوتا ہے۔ پردیسی ہو یا مسافر دونوں کو اپنا وطن اور گھر کے لوگ یاد آتے رہتے ہیں۔ مؤمن کو دنیا میں آخرت اور جنت کا ایسا ہی مشتاق رہنا اور دنیا کے بکھیڑوں میں جی نہیں لگانا چاہئے۔ یہ تو ابن عمر کی بیان کی ہوئی حدیث نبوی ہوئی پھر مجاھد نے ابن عمر کا یہ قول نقل کیا کہ اے بندے تجھے دنیا میں شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کر۔ یعنی توبہ کرنے اور اللہ کی طرف رجوع ہونے کی بات آئندہ صبح پر نہ ڈال۔ معلوم نہیں کہ وہ تجھے نصیب ہو یا نہ ہو۔ اور جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر اور اپنی تندرستی سے اپنی بیماری کے لئے کچھ حاصل کر لے۔ یعنی تندرستی کے زمانے میں عقلمند کو اتنا مال ضرور پس انداز کرنا چاہئے جو بیماری میں دوا و علاج میں صرف ہو سکے اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لئے کچھ لے لے۔ یعنی زندگی میں نیکیوں اور اعمال صالحہ کا سرمایہ جمع کر لینا چاہئے کہ مرنے کے بعد یہ سرمایہ برزخ پھر آخرت میں کام آنے والا ہے۔

عمرو الناقد نے جو مسلم و بخاری کے شیوخ میں سے ثبت و ثقہ محدث تھے علی بن مدینی کی اسناد پر اعتراض کیا ہے کہ علی نے اپنی اسناد میں اعمش کا قول حدثنی مجاھد غلط نقل کیا ہے۔ عن مجاھد کہنا چاہئے تھا کیونکہ اعمش نے مجاھد سے یہ حدیث نہیں سنی تھی بلکہ لیث بن ابی سُلیم

سے سنی تھی اس نے مجاھد سے روایت کی تھی. چونکہ لیث بن ابی سلیم ضعیف ومنکرالحدیث شخص ہے اس لئے اعمش نے اسناد سے اس کا نام ساقط کر کے عن مجاھد کہا تھا۔علی بن مدینی نے حدثنی مجاھد اعمش کی طرف غلط منسوب کر دیا۔ چنانچہ سفیان ثوری وابو معاویہ وحماد بن زید نے اس کی روایت لیث بن ابی سلیم سے کی ہے۔سفیان ثوری کی طریق سے امام احمد وترمذی نے اس کی تخریج کی ہے۔عن لیث عن مجاھد عن ابن عمر قال اخذ رسول الله ﷺ ببعض جسدی فقال یا عبدالله کن فی الدنیا کأنک غریب او عابر سبیل و عد نفسک من الموتی(مسند ۲ ص ۲۴) ترمذی کی روایت میں ہے۔

و عد نفسک من اصحاب القبور. فقال لی ابن عمر اذااصبحت فلا تحدث نفسک بالمساء واذا امسیت فلا تحدث نفسک بالصباح وخذ من صحتک قبل سقمک ومن حیاتک قبل موتک فانک لا تدری یا عبدا لله ما اسمک غداً.

(سنن الترمذی ۲ ص ۵۷ طبع هند ابواب الزهد)

ابو معاویہ کی حدیث مسند میں ہے۔ اصحاب القبور تک (مسند احمد۲ ص۴۱) حماد بن زید کی حدیث سنن ابن ماجہ وسنن ترمذی میں ہے۔(سنن ابن ماجہ ص۳۱۳ طبع ھند ابواب الزھد سنن ترمذی۲ص ۵۷)

پس اعمش کی روایت جس کی تخریج بخاری کی ہے۔درج صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔ لیکن یہ حدیث فی نفسہ صحیح اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا ابو المغیرة ثنا الاوزاعی اخبرنی عبدة بن ابی لبابة عن عبدالله بن عمر قال اخذ رسول الله ﷺ ببعض جسدی فقال اُعْبُدِ الله کأنک تراه و کن فی الدنیا کأنک غریب او عابر سبیل. (مسند ۲ ص ۱۳۲)

(۹۰) حضرت ابی بن کعب کی طرف منسوب حدیث

امام بخاری نے کہا ہے:

وقال لنا ابو الولید ثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن انس عن ابیّ قال کنا نری ھذا من القرآن حتی نزلت الھاکم التکاثر.

(صحیح بخاری ص ۹۵۳ کتاب الرقاق باب ۱۰)

ہم سے ابوالولید یعنی ھشام بن عبدالملک طیالسی نے کہا کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا ثابت بن اسلم بنانی سے روایت کر کے اس نے حضرت انس سے انہوں نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی کہ ہم اس کو (یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **لو ان لابن آدم وادیاً من ذھب احب ان یکون له وادیان و لن یملأ فاہ الا التراب و یتوب اللہ علی من تاب** کو) قرآن کی آیت سمجھا کرتے تھے یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی۔ یعنی تب غلط فہمی رفع ہوئی۔

یہ حدیث سند و متن دونوں کے لحاظ سے قطعاً غلط ہے سند کے اعتبار سے یوں غلط ہے کہ حماد بن سلمہ نے اپنی بد حفظی کی وجہ سے اس کی اسناد میں ابی کا ذکر کر دیا تھا انس نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد خود آپ سے سنا ہے۔ چنانچہ شعبہ و ابوعوانہ و علی بن جعد و سفیان بن عبدالرحمٰن نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انس نے کہا:

کنت اسمع رسول اللہ ﷺ یقول .فلا ادری اشئی نزل علیه ام شئی یقوله لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغی لھماثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب و یتوب اللہ علی من تاب.

(مسند ۳ ص ۱۲۲ ،صحیح مسلم ۱ ص ۳۳۵ کتاب الزکاۃ، مسند ۳ ص ۱۹۸ و ۲۳۸)

اور امام بخاری نے صالح بن کیسان کے طریق سے روایت کی ہے:

عن ابن شھاب (الزھری) قال اخبر نی انس بن مالک ان رسول

الله ﷺ قال لو ان لابن آدم واديا من ذهب لاحب ان یکون له وادیان و لن یملأ فاه الا التراب و یتوب الله علی من تاب.

(صحیح بخاری ص ۹۵۳ کتاب الرقاق باب ۱۰)

ابان بن یزید العطار نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے ان نبی الله ﷺ کان یقول لو ان لابن آدم وادیین من مال۔ قتادہ کی طرح ابان نے بھی اس میں لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ذکر کیا ہے۔

(مسند ۳ ص ۱۹۲)

غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد حضرت انس نے براہ راست آپ سے روایت کیا اور خود آپ سے سنا ہے حماد بن سلمہ نے خواہ مخواہ ابی بن کعب کا ذکر کر دیا ہے۔ متن اس کا یوں باطل ہے کہ ابی بن کعب مدنی انصاری صحابی ہیں اور سورۃ التکاثر ان کے مسلمان ہونے سے کئی سال پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی اور بے وقوف حماد بن سلمہ کی یہ روایت یہ بتا رہی ہے کہ سورۃ التکاثر مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ پھر اس سورہ شریفہ میں کوئی آیت یا کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے جس سے ابی بن کعب کی سمجھ میں آیا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مذکور قرآن کی کوئی آیت نہیں تعجب اس پر نہیں کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت کیسے کر دی کیونکہ وہ بے چارہ نہایت کم فہم بد حفظ اور اناپ شناپ بیان کرنے کا عادی تھا۔ وہ حدیثیں روایت کرنے کا خوگر تھا اگرچہ محدث ہونے کا اہل نہ تھا تعجب تو بخاری پر ہے کہ اسے کیوں اور کیسے ذکر فرما دیا ہے اور اس میں ادنی تامل سے بھی کام نہ لیا۔

(۹۱) نذر کے متعلق حضرت ابو ہریرہ کی ایک حدیث

بروایت ھمام بن منبہ بخاری نے کہا ہے:

حدثنا بشر بن محمد قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا معمر عن همام بن منبه عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لا یأتی ابن آدم النذر بشئی لم یکن قد قدرته و لکن یُلقیه القدر و قد قدرته له استخرج

به من البخيل.   (صحيح بخاری ص۹۷۸ کتاب القدر باب ۴)

ہم سے بشر بن محمد نے بیان کیا کہ ہمیں عبداللہ بن مبارک نے بتایا کہ ہمیں معمر بن راشد نے بتایا ہمام بن منبہ سے روایت کر کے اس نے ابو ہریرہ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا نذر انسان کے پاس ایسی چیز نہیں لاتی جسے میں نے طے نہ کر دیا ہو مگر اسے طے شدہ امر سے ملواتی ہے حال یہ کہ میں نے اسے اس کے لئے طے کر دیا ہے۔ اس کے ذریعہ میں کنجوس شخص سے مال نکلواتا ہوں۔

ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "قد قدرته" کے قائل اور استخرج کے قائل خود رسول اللہ ﷺ ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بندوں کے لئے جن میں سے ایک خود رسول اللہ ﷺ ہیں خیر وشر کی جو بات بھی طے ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کے طے فرمانے سے ہی طے ہوئی تقدیر امور اور نذر کے بہانے بخیل سے استخراج مال تنہا اسی کا کام ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ غلط حدیث درج صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔ اور امام احمد نے عبدالرزاق سے سنا ہوا بروایت معمر جو ہمام بن منبہ کا صحیفہ نقل کیا ہے۔ اس میں بھی یہ ہی غلطی ہے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا یاتی ابن آدم النذر بشئی لم اکن قدرته له ولکن یلفته النذر بما قدرته له یُستَخرج به من البخیل. یؤتینی علیه ما لم یکن اتانی علیه من قبل.   (مسند ۲ ص ۳۱۴)

اصل میں معمر یا خود ہمام بن منبہ سے غلطی یہ ہوئی ہے کہ آغاز حدیث میں قال اللہ نہیں کہا. میرا مطلب یہ ہے کہ یوں کہنا چاہیے تھا "عن النبی ﷺ قال قال الله لا یاتی ابن آدم النذر بشئی لم اکن قدرته له الخ معمر سے اس کی روایت عبداللہ بن مبارک اور عبدالرزاق نے کی ہے عبداللہ کی روایت صحیح بخاری میں ہے اور عبدالرزاق کی روایت مسند احمد میں ہے۔ عبداللہ اور عبدالرزاق دونوں نے قال اللہ نہیں کہا اس لئے کہ معمر نے نہیں کہا تھا۔ مگر ان دونوں کو حدیث کے معنی و مطالب پر نظر کر کے معمر سے کہنا چاہیے تھا کہ آپ نے قال اللہ نہیں کہا حالانکہ حدیث اس کی متقضی ہے مگر ان محدثین اور راویوں کی عام عادت تھی جس میں سب ہی مبتلا

تھے کہ معنی کی طرف دھیان ہی نہ دیتے پس سند اور لفظ حدیث کو من وعن ذہن نشین کرنے اور لکھنے میں لگے رہتے تھے۔

بعینہ یہ ہی غلطی اعرج کی روایت میں ہے بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب ثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة قال قال النبی ﷺ (قال الله) لا یاتی ابن آدم النذر بشئی لم اکن قدرته ولکنه یلقیه النذر الی القدر قد قدرته له فیستخرج الله به من البخیل فیؤتینی علیه ما لم یکن یؤتینی عله من قبل.

(ص ۹۹۰ کتاب الایمان والنذور باب الوفاء بالنذر)

اس کے متن میں دو غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ آغاز میں "قال اللہ" نہیں ہے حالانکہ اس کا ہونا ضروری ہے اسے میں نے بین القوسین لکھ دیا ہے دوم یہ کہ "**فیستخرج الله به**" کی جگہ **فیستخرج به** ہونا چاہئے جیسا کہ سیاق وسباق کا تقاضا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مثلاً زید کے لئے طے فرما دیا ہے کہ ماہ ربیع کی ۱۲ تاریخ بروز دوشنبہ اسے تجارت میں بیس ہزار کا نفع ہوگا حالانکہ اس کا کاروبار تجارت خسارے میں پڑا ہوا ہے وہ اللہ تعالی سے اس خسارے کے چکر سے نکلنے اور نفع حاصل ہونے کی برابر دعا کرتا رہتا ہے۔حتی کہ اس نے نذر کرلی کہ اللہ نے مجھے نفع عطا فرمایا تو میں ۵۰۰ روپیہ صدقہ کروں گا وہ دن آ گیا جو اللہ نے اس کے لئے طے فرمادیا تھا اور اسے بیس ہزار کا نفع حاصل ہوگیا۔اب نذر کی وجہ سے اسے ۵۰۰ روپیہ صدقہ کرنا لازم ہے اسے خیال ہوتا ہے کہ میری نذر کی وجہ سے یہ نفع مجھے ملا ہے۔حالانکہ وہ نفع تو اسے ملنا ہی تھا۔نذر نہ کرتا تب بھی ملتا۔

اس پر یہ نہ کہا جائے کہ یہ نذر بھی اس کے مقدر میں تھی اللہ نے طے فرما رکھا تھا کہ میرے فلاں بندے کو فلاں دن یہ نذر کرنی ہے اس لئے فی الواقع وہ نذر کرنے پر مجبور تھا۔

نہیں یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ نذر بندے کا اختیاری عمل ہے اور مقدرات میں سے نہیں ہے جیسے ایمان اور نیکیاں یا کفر اور برائیاں بندے کے اختیاری اعمال ہیں اور مقدرات میں

سے نہیں ہیں۔ اختیاری عمل اور امر مقدر میں فرق یہ کہ امر مقدر کا بندے کو علم نہیں ہوتا اور اپنے وقت مقرر پر لامحالہ واقع ہوتا ہے کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ اور بندے کا اس پر کوئی موأخذہ نہ ہوگا۔ اس کے وقوع سے نہ وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے نہ عذاب کا اور اختیاری عمل بندے کے علم میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ اسے کرے خواہ نہ کرے اور اگر وہ طاعات کی جنس سے ہوتو بندہ اسے کرنے پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور گناہوں کی جنس سے ہوتو اسے کرنے پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

(۹۲) ابریشم پہننے کے متعلق مسدد سے سنی ایک حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا مسدد ثنا یحیی عن التیمی عن ابی عثمان قال کنا مع عتبة فکتب الیه عمر ان النبی ﷺ قال لا یلبس الحریر فی الدنیا الا لمن لم یلبس فی الآخرة منه. واشار ابو عثمان باصبعیه المسبحة و الوسطی. (صحیح بخاری ص ۸۶۷ کتاب اللباس باب لبس الحریر)

ہم سے مسدد بن مسرھد نے بیان کیا کہ ہم سے یحیٰ بن سعید قطان نے بیان کیا سلیمان بن طرخان تیمی سے روایت کر کے اس نے ابو عثمان نھدی سے روایت کی۔ ابو عثمان نے کہا ہم امیر عتبہ بن فرقدؓ کے ساتھ (یعنی ان کے زیر علم آذر بائیجان میں) تھے حضرت عمر کا عتبہ کے پاس خط آیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے دنیا میں ریشم نہ پہنے گا مگر اس شخص کے لئے جو آخرت میں اس سے نہ پہنے اور ابو عثمان نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کیا جو انگوٹھے کے پاس ہوتی ہیں۔

کیا دنیا میں کوئی عقلمند ہے کہ بخاری کی درج صحیح فرمائی ہوئی اس اُول جلول اور بے معنی مہمل حدیث کا کوئی مطلب اس کی سمجھ میں آجائے کوئی اور تو کیا سمجھے گا خود بخاری نے بھی نہ سمجھا ہوگا مسدد نے بخاری کو یہ حدیث سنائی تھی تو موصوف کو شیخ مسدد سے اس کا مطلب بھی معلوم کرنا چاہئے تھا۔ مگر نہیں جو مسدد نے بیان کیا یاد کر لیا اور لکھ لیا پھر درج صحیح کر دیا۔ کیونکہ مسدد ثقہ محدث تھے کاش محدثین کا یہ نہایت غیر عاقلانہ طرز کار نہ ہوتا جو علم و طلب علم کے بالکل منافی بے اصل

بات یہ ہے کہ مسدد کو اپنے شیخ یحیٰ بن سعید قطان سے سنی ہوئی یہ حدیث ٹھیک یاد نہ رہی یا سنتے وقت ٹھیک سے نہ سنی تھی اسے امام احمد نے یحیٰ بن سعید قطان سے ٹھیک سنا تھا پھر اس کو ٹھیک بیان کیا تھا۔ امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا یحی بن سعید ثنا التیمی عن ابی عثمان قال کنا مع عتبة بن فرقدؓ فکتب الیه عمرؓ باشیاء یحدثه عن النبی ﷺ فکان فی ما کتب الیه ان رسول الله ﷺ قال لا یلبس الحریر فی الدنیا الا من لبس له فی الآخرة منه شئی الا هکذا وقال باصبعیه السبابة والوسطی. قال ابو عثمان فرأیت انها اذرار الطیالسة حین رأینا الطیالسة.

(مسند ا ص ۳۶)

ابوعثمان نهدی نے کہا کہ ہم عتبہ بن فرقدؓ کے ساتھ تھے ان کے پاس حضرت عمرؓ امیر المومنین نے خط بھیجا جس میں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کئی حدیثیں ثبت تھیں از انجملہ یہ کہ دنیا میں ریشم وہی شخص پہنے گا جسے آخرت میں ریشم ذرا بھی نہ ملے گا (لہذا کوئی مرد ریشم نہ پہنے) بجز ان دو انگلیوں کی مقدار کے آپ نے انگوٹھے سے متصل دو انگلیوں کے متعلق بتایا۔ یعنی کرنے میں دو انگلی ریشم کی پٹی لگائی جاسکتی ہے (گریبان پر یا گلے پر) ابوعثمان نے کہا جب ہم نے طیلسان نامی پوشاکیں دیکھیں تو میں سمجھا کہ الا هکذا سے مراد طیلسان کے تکموں کی جگہ یعنی گریبان ہے۔ اس پر ریشم لگانے کی اجازت ہے پس۔ یحیٰ بن سعید قطان سے یہ حدیث امام احمد بن حنبل اور مسدد نے روایت کی تھی احمد کی روایت درست اور بامعنی ہے اور مسدد سے اس میں کئی غلطیاں ہوگئیں۔

(۱) مسدد نے کہا لا یلبس الحریر فی الدنیا الا لمن لم یلبس فی الآخرة منه۔ یہ مہمل و بے معنی بات ہے اور احمد کی روایت میں ہے۔ لا یلبس الحریر فی الدنیا الا من لیس له فی الآخرة منه شئی۔ یہ درست اور بامعنی بات ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ریشمی لباس پہننا کافر کی شان ہے کہ نہ وہ آخرت میں داخل جنت ہوگا۔ نہ اسے لباس جنت کی ہوا لگے گی مومن کی شان نہیں کیونکہ قرآن مجید کی تصریح "ولباسهم

فیھا حریر'' کے مطابق اہل جنت ریشمی لباس پہنیں گے۔

(۲) مسدد نے الاھکذا ذکر نہیں کیا اس کے بغیر اصبعین سے اشارہ کا ذکر قطعاً بے معنی ہے۔

(۳) مسدد نے اصبعین سے اشارہ کرنے کا فاعل ابو عثمان کو بتا دیا ہے۔اور احمد کی روایت میں ہے کہ اشارہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اور یہی صحیح ہے۔

(۴) ابو عثمان نے جو کہا تھا اس کا مسدد نے ذکر نہیں کیا۔اور احمد کی روایت میں ہے کہ قال ابو عثمان فرأیت انھا ازرار الطیالسة. ان صریح و فاش اغلاط کی وجہ سے مسدد کی روایت مہمل و بے معنی ہو کر رہ گئی۔بخاری نے ذرا بھی عقل سے کام لیا ہوتا تو ہرگز اسے درج صحیح نہ کرتے۔

(۹۳) رسول اللہ ﷺ کے ولیمہ کے متعلق حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا محمد بن یوسف ثنا سفیان عن منصور بن صفیة عن امه صفیة بنت شیبة قالت اولم النبی ﷺ علی بعض نسائه بمدّین من شعیر.

(صحیح بخاری ص۷۷۷ کتاب النکاح باب من اولم باقل من شاة)

ہم سے محمد بن یوسف فریابی نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا منصور سے روایت کر کے اس نے اپنی والدہ صفیہ بنت شیبہ سے روایت کی صفیہ نے کہا نبی ﷺ نے اپنی ایک بیوی کا ولیمہ دو مد جو سے کیا تھا یعنی نصف صاع سے۔

عبدالرحمن بن مہدی و وکیع و روح بن عبادہ و محمد بن کثیر عبدی اور یزید بن ابی حکیم نے بھی سفیان ثوری سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔

صفیہ بنت شیبہ مکہ کی رہنے والی تابعیہ ہے اس نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا معلوم نہیں کہ اس نے یہ بات کس سے سنی تھی۔ظاہر ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے متصل نہیں ہے۔اور

حدیث مرسل صحیح نہیں ہوتی۔ امام بخاری اسے تعلیقاً ذکر فرماتے تو کوئی حرج نہ تھا مسند حدیث کے طور پر اسے کیسے ذکر کردیا صفیہ نے جس سے یہ بات سنی تھی اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ ازداج مطہرات میں کس ام امومنین کے نکاح میں ایسا ہوا تھا۔

(۹۴) ابن ابی ملیکہ کی تَلِقُونَہ کے متعلق غلط بیانی

عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ مکی ایک تابعی تھا روایت حدیث کا اسے کافی شوق تھا۔ لیکن کم فہم بھی تھا اور جھوٹ بولنے سے بھی نہ چوکتا تھا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر کی طرف منسوب کر کے روایت کی ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ اس کی جھوٹی روایتوں میں سے ایک یہ ہے جس کی اس سے نافع بن عمر جمحی اور ابن جُریج نے روایت کی تھی۔ نافع نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی تھی کہ ــــ

عن عائشه کانت تقرء اذتلقونه بالسنتکم وتقول الولق الکذب.قال ابن ابی ملیکه وکانت اعلم من غیرها بذ لک لانه نزل فیها. (صحیحالبخاری ص۵۹۷ غزوة بنی المصطلق)

ابن ابی ملیکہ نے حضرت عائشہؓ کے متعلق بتایا کہ وہ اللہ کے ارشاد اِذ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلسِنَتِکُمْ وتقولون بِافْواهِکُمْ مَا لَیسَ لَکُم به عِلم وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّناًو هوعِندَ الله عَظِیمٌ میں تَلِقُونَہ پڑھا کرتی تھیں (قرآن شریف میں تلقونہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو یہی سکھایا اور یہی لکھایا تھا۔ تَلَقَّوْنَہ باب تفعّل سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اصل میں تَتَلَقَّوْن تھا اور تَلِقُوْنَ باب ضرب سے جمع مذکر حاضر مضارع ہے۔ وَلَقَ. یَلِقُ وَلَقا اور کہتی تھیں کہ یہ وَلَق ہے جو جھوٹ کے معنی میں ہے (ابن ابی ملیکہ کی اس روایت پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ ام المومنین نے بھی یہ آیت رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی یاد کی تھی جیسا کہ دیگر صحابہ کو آپ نے ہی بتائی بھی اگر حضرت عائشہؓ سے تَلِقُوْن پڑھتی تھیں تو ان کی قراءت کو بھول پر حمل کرنا اور

صحابہ کرام کی قرأت کو ہی راجح و صحیح سمجھنا چاہیے۔اس سوال کا جواب دینے کی غرض سے) ابن ابی ملیکہ نے کہا اور وہ دوسروں سے زیادہ اس کو جاننے والی تھیں کیونکہ اس کا نزول ان ہی کے بارے میں ہوا تھا۔مطلب اس کا یہ تھا دیگر صحابہ کی قرأت پر ام المومنین کی قرأت راجح ہے۔

یعنی ابن ابی ملیکہ نے اپنے تراشے ہوئے ایک جھوٹ کو دوسرے جھوٹ کا سہارا دیا تھا تا کہ لوگ اس کے چکر میں آ کر قرآن میں تحریف لفظی کو گوارا کر لیں۔

اس کا یہ کہنا قطعاً دروغ بے فروغ اور حضرت ام المومنین پر بہتان وافترا ہے کہ وہ اس آیت میں تَلِقُوْنَ پڑھا کرتی اور اسے ولق سے مشتق بتاتی تھیں۔ہرگز نہیں وہ قرآن کریم کے کسی لفظ میں تحریف کرنے والی نہ تھیں ۔خود ابن ابی ملیکہ کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈالی کہ اس آیت میں تَلَقَّوْنَہ کی جگہ ام المومنین کے حوالہ سے تَلِقُوْنَہ رائج کیا جائے۔وہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمادیا ہے ورنہ تابعین واتباع تابعین کے دور کے بعد محدثین اور راویان اخبار نے اس میں تحریفات کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی ۔دوسرا جھوٹ اس نے یہ بولا ہے کہ سورۃ النور کی آیت کو جو دوسرے رکوع میں ہیں خود ام المومنینؓ کے متعلق نازل شدہ بتایا ہے۔بالفرض ایسا ہوتا بھی تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ ام المومنین کو اور تمام صحابہ وصحابیات سے بڑھ کر ان آیات کا علم ہو۔

سورۃ الاحزاب کی آیت **اذ تقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه امسک علیک زوجک والتق الله** ۔۔۔الآیۃ یقیناً حضرت زید بن حارثہؓ وسیدہ زینب بنت جحشؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی تو کیا یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ اس آیت کے لفظ ومعنی کا تمام صحابہ سے بڑھ کر زید وزینب کو علم تھا؟

اور ابن جریج کی روایت یہ ہے:

قال ابن ابی ملیکة سمعت عائشة تقرء اذ تَلِقُوْنَه بالسنتکم.

(صحیح بخاری ص ۶۹۸ کتاب التفسیر سورۃ النور)

ابن جریج نے اس کی اسناد میں نہ یہ کہا حدثنی یا اخبرنی یا انبأنی **ابن ابی ملیکة** نہ **عن ابن ابی ملیکه** کہا غرض تحمل روایت میں استعمال ہونے والا کوئی لفظ نہیں کہا "قال ابن

ابی ملیکة" کہا تھا اس لئے بخاری کو ابن جریج کی یہ بکواس ذکر کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے تھا۔ ابن جریج کا بیان ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا تھا کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو تَلِقُوْنَه (بروزن تَعِدُوْنَه) پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ اگر فی الواقع ابن ابی ملیکہ نے یہ کہا تھا تو قطعاً جھوٹ بولا تھا۔ نہ ام المومنینؓ نے ایسا پڑھا تھا نہ وہ ایسا پڑھ سکتی تھیں۔

میں نے اس پر غور کیا کہ آخر امام بخاری نے ابن ابی ملیکہ کی روایت صحیح میں کیوں درج کی ہے۔ ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ کیا موصوف یہ ہی چاہتے تھے کہ اہل اسلام اس آیت میں تَلَقَّوْنَ کی جگہ تَلِقُوْنَ پڑھا کریں؟ اور ابن ابی ملیکہ کی کی ہوئی تحریف کو قبول کرلیں؟

(۹۵) وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین کے منسوخ ہونے کے متعلق سلمہؓ بن اکوع کی طرف منسوب حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا قتیبة قال ثنا بکر بن مضر عن عمرو بن الحارث عن بکیر بن عبدالله قال عن یزید مولی سلمةبن اکوع عن سلمة قال لما نزلت وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین کان من اراد ان یفطر یفتدی حتی نزلت الآیة التی بعدها فنسختها.

(صحیح بخاری ص۶۴۷ کتاب التفسیر سورة البقرة)

مسلم ونسائی وابوداؤد نے بھی بعینہ اسی اسناد کے ساتھ قتیبہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہ ہم سے بکر بن مضر نے بیان کیا عمرو بن سلمہ مصری سے روایت کر کے اس نے بکیر بن عبداللہ سے اس نے حضرت سلمہ کے آزاد کردہ غلام یزید سے اس نے سلمہ بن اکوعؓ سے سلمہ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا قول وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین نازل ہوا تو اس کی رو سے جو شخص روزہ نہ رکھنا چاہتا وہ فدیہ ادا کر دیتا یعنی

ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا یہاں تک کہ جو آیت اس کے بعد ہے وہ نازل ہوئی (جس میں فمن شهد منكم الشهر فليصمه) ہے تو اس نے اسے یعنی روزہ نہ رکھنے اور اسکی بجائے فدیہ ادا کرنے کی رخصت کو منسوخ کر دیا۔۔

عبداللہ بن وھب نے عمرو بن حارث سے اسناد مذکور کے ساتھ یہ حدیث بہ ایں لفظ روایت کی ہے:

"كنا في رمضان عهد رسول الله ﷺ من شاء صام ومن شاء افطر فافتدى بطعام مسكين حتى انزلت هذه الآية فمن شهد منكم الشهر فليصمه. (صحيح مسلم ا ص ا ٣٦ طبع هند)

پس اس کی روایت میں عمرو بن حارث متفرد ہے۔ کسی اور شخص نے بکیر سے اس کی روایت نہیں کی۔ اور دراصل یہ حدیث نبوی یعنی رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی بات نہیں ہے۔ اگر فی الواقع سلمہ بن اکوع نے یہ کہا تھا تو ان کا ذاتی قول تھا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم ۲ھ میں غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوا تھا۔ اس وقت سلمہ بن اکوع اپنی عمر کے آٹھویں سال میں تھے۔ اکوع ان کے دادا کا لقب تھا اس کا اصل نام وھب یا قیس تھا اور سلمہ کے باپ کا نام عمرو تھا سلمہ بن اکوع ان کو دادا کی طرف منسوب کر کے کہا جاتا ہے۔ قبیلہ بني اسلم جس میں سے سلمہ اور ان کے باپ دادا ہیں۔ مدینہ سے فاصلے پر آباد تھا۔ سلمہ کے باپ عمرو بن اکوع کے متعلق معلوم نہیں کہ مشرف بہ اسلام ہوا تھا یا نہیں۔ غرضیکہ یہ سات سال کا بچہ روزہ فرض ہونے کے زمانے میں مدینہ میں نہ تھا پھر اسے کیسے معلوم ہوتا کہ کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں جو روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ دیدیتے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے عطا کی ہوئی رخصت ہے جو بعد میں اٹھالی گئی ہے۔ اس لئے یہ حضرت سلمہ کی کہی ہوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ ان کے غلام یزید بن ابی عبید نے اپنے آقا کے متعلق یہ بے پر کی بات اڑائی ہوگی۔

حضرت سلمہ بن اکوع ایسی غلط بات کیسے کہہ سکتے تھے جس سے، یہ لازم آتا ہو کہ وہ آیت جس میں فمن شهد منكم الشهر فليصمه ہے اس سے کم از کم ایک سال پہلے اوپر کی آیت

اتری ہو جس میں وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ہے۔ حالانکہ دونوں آیتوں میں ایک سال تو کیا ایک گھنٹے بلکہ پانچ منٹ کا بھی فصل نہیں تھا یکے بعد دیگرے ان کا نزول ایک ساتھ ہی ہوا تھا خود ان آیتوں کی لفظی و معنوی شہادت یہ ہی ہے اس لئے کہ پہلی آیت کے آغاز میں فرمایا ہے یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاما معدودات یعنی اے اہل ایمان تم پر چند گنے چنے دنوں میں روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا ہے۔ دوسری آیت شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبیّنات من الھدی والفرقان فمن شھد منکم شھر فلیصمہ میں ایاما معدودات کا بیان و وضاحت ہے۔ یعنی وہ چند ایام جن میں روزہ رکھنا اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے۔ ماہ رمضان کے مبارک ایام ہیں یہ نظم کلام بتا رہا ہے کہ مبیّن و بیان کے درمیان نزول میں فصل نہ تھا سلسلہ کے ساتھ دونوں آیتیں ایک ہی ساتھ نازل ہوئی تھیں۔

اسے منسوخ سمجھنا یوں بھی غلط ہے کہ اوپر ارشاد ہوا ہے فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام آخر یعنی جو شخص مرض یا سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تو وہ بعد رمضان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کر کے گنتی پوری کر لے۔ پس اگر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کا مطلب یہ ہوتا کہ جو غیر معذور شخص روزہ نہ رکھے تو وہ فدیہ ادا کر دے ایک مسکین کو کھانا دیدے تو دونوں حکموں میں بڑی نامعقولیت ہو جاتی جب اس شخص پر چھوٹے ہوئے روزے کی قضا لازم ہے جو معذور ہو۔ بیمار یا مسافر ہو تو کوئی غیر معذور شخص روزہ نہ رکھے تو اس پر تو بدرجۂ اولی قضا لازم ہونی چاہئے۔ اور اگر غیر معذور شخص فدیہ دیکر روزے کو چھوڑ سکتا تھا تو معذور شخص بدرجۂ اولی اس رعایت کا مستحق تھا۔ کیا احکام شرعیہ میں ایسی نامعقولیت ہو سکتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کو منسوخ سمجھنے کی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ یطیقونہ کی ضمیر منصوب صیام کی طرف راجع ہے اور اس کے بعد ان لم یصوموا مقدر ہے تب ہی تو مطلب نکلے گا کہ ان لوگوں پر فدیہ لازم ہے جو روزہ رکھ سکتے ہوں اگر روزہ نہ رکھیں۔ ٹھیک ہے کلام میں مقدرات و محذوفات بھی ہوا کرتے ہیں مگر وہیں تو

جہاں کوئی لفظی یا معنوی قرینہ اس پر دلالت کرنے والا موجود ہو۔ لیکن یہاں تو کوئی بھی ایسا قرینہ نہیں ہے جو ان لم یصوموا کے مقدر ہونے پر دلالت کرتا ہو۔

چوتھی بات یہ ہے کہ کسی حکم شرعی کو منسوخ قرار دینے کے لئے شارع کی طرف سے تصریح لازم ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے زیارت قبور سے نہی فرمادی تھی اور تین دن سے زاید قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کردی تھی پھر تصریح کے ساتھ فرمادیا کہ اب تم سے وہ پابندی اٹھالی گی ہے پس اگر حضور ﷺ نے فرمایا ہوتا یا قرآن کریم میں مذکور ہوتا وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کو منسوخ کردیا گیا ہے۔ تو اسے منسوخ سمجھنا بجا ہوتا۔

اس ارشاد کا صحیح مطلب یہ ہے کہ الذین یطیقونہ سے مراد وہ بیمار و مسافر لوگ ہیں جو چھوٹے ہوئے ہر روزے پر ایک مسکین کو کھانا کھلا سکیں۔ ان میں مالی فدیہ ادا کرنے کی سکت ہو تو وہ ایام رمضان میں تو فدیہ ادا کرتے رہے اور جب مریض شفایاب ہو جائے اور مسافر اپنے وطن واپس آجائے یا کہیں مقیم ہو جائے تو بعد رمضان ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرلے۔ پس فمن کان منکم مریضا اوعلی سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کا مطلب یہ ہے کہ رمضان میں مرض یا سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والا بعد رمضان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرے۔ اگر وہ فدیہ کی سکت نہ رکھتا ہو تو اس کے ذمہ بس قضا ہے۔ اور فدیہ کی سکت رکھتا ہو تو فدیہ بھی دے پھر قضا بھی کرے۔

اور یہ جو ایک اردو تفسیر میں اس کے مصنف نے لکھ دیا ہے کہ ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام رعایت منسوخ کردی گئی۔ اور پہلی آیت کے ختم پر لکھا ہے۔

یہاں تک وہ ابتدائی حکم ہے جو رمضان کے روزوں کے متعلق ۲ھ میں غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد کی آیات اس کے ایک سال بعد نازل ہوئیں اور مناسبت مضمون کی وجہ سے اسی سلسلہ بیان میں داخل کردی گئیں۔ تو یہ الل ٹپ اور غیر علمی و غیر تحقیقی بات ہے۔ روزے

کے متعلق آیات جو دوسرے پارے کے ساتویں رکوع میں ہیں سب ایک ساتھ نازل ہوئی تھیں۔
پہلی آیت اور دوسری آیت کے درمیان نزول میں پانچ منٹ کا بھی فصل نہ تھا۔

(۹۶) ایک صحابی کی طرف منسوب قول کہ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ منسوخ ہے

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا محمد قال ثناالنفیلی قال ثنا مسکین عن شعبة عن خالد الحذاء عن مروان الا صفر عن رجل من اصحاب النبی ﷺ وھو ابن عمر انھا قد نُسِخَتْ ان تبدوا ما فی انفسکم او تبدوہ اس کے بعد کہا ہے **حدثنی اسحاق قال اخبرنا روح قال ثنا شعبة عن خالد الحذاء عن مروان الاصفر عن رجل من اصحاب النبی ﷺ.قال احسبه ابن عمر ان تبدوا مافیانفسکم او تخفوہ.قال قدنسختھا الآیة التی بعدھا.** (صحیح بخاری ص ۶۵۲ آخر تفسیر سورۃ البقرۃ)

شعبہ سے اس کی روایت روح بن عبادہ ومسکین بن بکیر حُرانی نے کی ہے۔مسکین کی روایت میں بغیر شک کے عبداللہ بن عمر کا ذکر ہے یعنی یہ خود مسکین کا قول ہے اور روح کی روایت میں شک کے ساتھ۔یہ شک شاید روح کی طرف سے ہے۔شعبہ نے خالد بن مھران حذاء سے اس نے مروان اصفر سے اس نے ایک صحابی سے جو شائد عبداللہ بن عمر تھے روایت کی ہے کہ انہوں نے اللہ کے قول **وان تبدوا مافی انفسکم اوتبدوہ یحاسبکم به اللہ** کے متعلق بتایا کہ یہ منسوخ ہے۔بعد کی آیت میں جو **لا یکلف نفسھا الا وُسعھا** آیا ہے اس نے اسے منسوخ کردیا ہے۔

اس کا راوی مروان اصفر بصرہ کا رہنے والا تھا ابوخلف اس کی کنیت تھی اس کے باپ کا نام کسی نے خاقان بتایا ہے کسی نے سالم ابوداؤد نے اسے ثقہ بتایا ہے۔ابن حبان نے کتاب

الثقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب میں اس کے متعلق بس یہ ہی لکھا ہے۔ لیکن یہ ہی روایت اس کی کم فہمی و بد حفظی پر دلالت کر رہی ہے۔

بد حفظی پر یوں کہ اس نے عن رجل من اصحاب النبی ﷺ کہا۔ اگر اس کا حافظہ اچھا ہوتا تو اسے صحابی کا نام یاد رہتا۔ جب کہ یہ بھی ممکن ہے وہ نامعلوم شخص فی الواقع صحابی نہ ہو۔ کسی وجہ سے مروان الاصفر نے اسے صحابی سمجھ لیا ہو۔ مسکین بن بکیر نے اپنی دانست میں مروان کے ذکر کردہ مجہول الاسم صحابی کو عبداللہ بن عمر بتایا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کا بے دلیل دعوی تھا اور روح بن عبادہ کا غالب گمان تھا کہ وہ عبداللہ بن عمر ہیں۔ اس کے اس گمان کو بھی کوئی سہارا حاصل نہ تھا۔ اور سعید بن مرجانہ کی روایت بتا رہی ہے کہ وہ عبداللہ بن عمر نہ تھے۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے اور کم فہمی اس سے مروان اصفر کی یوں ظاہر ہو رہی ہے کہ نسخ کا وقوع احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں۔

میں کسی سے کہوں "بازار جا اور میرے لئے فلاں چیز لے آ وہ جانے لگے تو کہہ دوں رہنے دے" اس وقت بازار نہ جا تو میں نے وہ پہلا حکم منسوخ کر دیا لیکن اگر میں کہوں کل میرے پاس زید آیا تھا پھر کچھ دیر بعد کہوں کل میرے پاس زید نہیں آیا۔ تو کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ دوسری بات نے پہلی بات کو نسخ کر دیا ہے بلکہ ہر شخص یہ ہی کہے گا کہ ان دو متضاد باتوں میں سے ایک سچی ہے اور ایک جھوٹی۔ یہ تو ماضی کے تعلق سے ہوا۔ اگر میں کہوں کل میں دہلی جاؤں گا۔ اور کچھ دیر کے بعد کہوں کل میں دہلی نہ جاؤں گا تو اسے بھی نسخ نہیں کہا جا سکتا۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد "وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" جملہ خبریہ ہے۔ امر یا نہی پر مشتمل کوئی حکم نہیں ہے لہذا اس کے منسوخ ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ اسے منسوخ کہنا نری بے وقوفی۔ کم علمی اور کم فہمی کی بات ہے اسے ظالم مروان اصفر نے منسوب کر دیا ہے کسی صحابی کی طرف۔ اس پر احمق مسکین بن بکیر نے یہ غضب ڈھایا کہ اسے عبداللہ بن عمرؓ کا قول قرار دیدیا۔ اور بخاری نے یہ ستم فرمایا کہ مروان اصفر کی اس جاہلانہ روایت کو درج صحیح کر دیا۔

سعید بن مرجانہ سے زہری نے یہ روایت کی ہے میں عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا عبداللہ نے پڑھا وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ پس فرمایا واللہ لئن

واخذنا الله بهذا لنهلكن: یعنی جو ہمارے دلوں میں چھپا ہوا ہو جس کا ہم نے اظہار نہ کیا ہو اگر اللہ اس پر بھی ہمارا مواخذہ فرمائے گا تو ہم تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ کہہ کر زار زار رو پڑے میں ان کے پاس سے اٹھ کر عبداللہ بن عباس کے پاس پہنچا اور اس کا ذکر کیا تو کہا اللہ ابو عبدالرحمٰن (یعنی ابن عمرؓ) کی مغفرت فرمائے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو مسلمانوں کو ایسا ہی فکر و خوف لاحق ہوا تھا پس اللہ نے یہ ارشاد نازل فرمایا:

لا یکلف الله نفسا الا وسعها ۔ (فتح الباری بحوالہ طبری)

مجاھد سے بھی یہ قصہ مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس کے پاس جا کر ذکر کیا کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا تو وہ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم الله به پڑھ کر رو پڑے۔ ابن عباس نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اس نے صحابہ کو بہت مغموم کر دیا تھا بولے یا رسول اللہ ﷺ ہم تو تباہ ہو گئے کیونکہ ہمارے دل ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہیں آپ نے فرمایا یہ کہو سمعنا و اطعنا صحابہ نے یہی کہا ابن عباس نے کہا پس اسے اللہ تعالیٰ کے قول لا یکلف الله نفسا الا وسعها نے منسوخ کر دیا۔ اس روایت میں ابن عمر کے بجائے ابن عباس کی طرف اسے منسوخ و ناسخ قرار دینے کی نسبت کر دی گئی ہے۔ حالانکہ ابن عباس ان آیتوں کے نزول کے وقت مکہ میں کمسن بچہ تھے۔ حقیقت یہ کہ نہ ابن عباس نے یہ بات کہی تھی نہ ابن عمر نے نہ کسی اور صحابی نے یہ سب روایات جاہل اور اللہ سے نہ ڈرنے والے واعظین کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کو نہ اس کا پتہ تھا کہ نسخ احکام میں ہو سکتا ہے اخبار میں نہیں نہ یہ جانتے تھے کہ ناسخ و منسوخ کے درمیان تعارض و تناقض ہوا کرتا ہے حالانکہ ان تبدوا ما فی انفسکم الخ اور لا یکلف الله الخ کے درمیان تناقض کا شائبہ بھی نہیں۔

(۹۷) دوران خطبہ آنے والے کو دو رکعت پڑھنے کے متعلق حضرت جابرؓ سے مروی حدیث

شعبہ نے عمرو بن دینار سے روایت کی ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ:

قال رسول الله ﷺ وهو يخطب اذا جاء احدكم والامام يخطب او قد خرج فليصل ركعتين.

(صحیح بخاری ص۱۵۶ کتاب التهجد باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی۔ حدیث ۵)

یہ آدم بن ابی ایاس نے شعبہ سے روایت کی ہے۔ یہ ہی ہاشم بن قاسم کی شعبہ سے روایت ہے۔ مگر اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد خطبہ میں فرمایا تھا یعنی اس میں وهو يخطب نہیں ہے (سنن دارمی ص۱۹۲ طبع ھند)

محمد بن جعفر غندر نے بھی شعبہ سے اس کی روایت کی ہے بایں لفظ:

ان النبی ﷺ خطب فقال اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين. (صحیح مسلم ا ص۲۸۷ طبع ھند)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت آئے کہ امام خطبہ کے لئے برآمد ہو چکا ہو یا خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہئے کہ دو رکعت پڑھ لے۔ اس حدیث کی رو سے یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فرمایا ہوا عام حکم اور قاعدہ کلیہ ہے۔

لیکن شعبہ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث قطعاً غلط ہے۔ شعبہ کو عمرو بن دینار سے سنی ہوئی بات یاد نہیں رہی تھی۔ کچھ کا کچھ کہہ دیا۔ اس لئے کہ سفیان بن عیینہ وحماد بن زید وایوب سختیانی وابن جریج نے عمرو بن دینار سے دوسرے انداز سے اس کی روایت کی ہے۔

سفیان کی روایت یہ ہے:

عن عمرو بن دينار انه سمع جابرا قال دخل رجل يوم الجمعة والنبی ﷺ يخطب فقال اصليت (ركعتين) قال لا قال قم فصلّ ركعتين. (صحیح بخاری ص۱۲۷ کتاب الجمعة باب ۳۲)

حماد بن زید وایوب کی روایت بھی اسی طرح ہے (صحیح مسلم) یہ ہی ابن جریج کی روایت کا مضمون ہے (صحیح مسلم۔ مسند احمد۔ سنن نسائی) یعنی رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص آ کر بیٹھ گیا آپ نے اس سے پوچھا تو نے دو رکعت پڑھ لی ہیں وہ بولا نہیں فرمایا اٹھ کر دو رکعت پڑھ لے۔ ان صاحب کا نام سُلیک تھا غریب ومفلوک الحال تھے

پھٹے پرانے کپڑے جسم پر تھے آپ نے اسے دوران خطبہ مخاطب کرکے دو رکعت پڑھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ وہ مسجد میں موجود سب نمازیوں کی نظر میں آجائے اور سب لوگ اس کی شکستہ حالی مشاہدہ کرلیں وہ دو رکعت پڑھ چکا تو آپ نے خطبہ پورا فرمایا اور لوگوں کو خاص طور سے کپڑوں کا صدقہ کرنے کی ترغیب دی حاضرین نے دل کھول کر کپڑوں کا صدقہ کیا۔ اچھا خاصا انبار جمع ہوگیا۔ آپ نے ان میں سے دو کپڑے سلیک کو عطا فرمائے۔ پس سفیان بن عیینہ وحماد بن زید وایوب بن ابی تمیمہ وابن جریج نے عمرو بن دینار سے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ عمرو بن دینار نے اسے حضرت جابرؓ سے سنا تھا۔ شعبہ کو عمرو بن دینار کا سنایا ہوا یہ قصہ تو یاد نہ رہا اور عمرو کی طرف منسوب کرکے رسول اللہ ﷺ کی حدیث حکمِ عام اور قاعدہ کلیہ کے طور پر نقل کر دی۔ بخاری ومسلم کو شعبہ کی یہ روایت درج صحیح نہ کرنی چاہیے تھی کیونکہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں کہ خطبہ کے دوران میں آنے والا شخص دو رکعت پڑھا کرے۔ شعبہ کی اس غلط روایت کی بنا پر جن لوگوں نے اسے حکم شرعی قرار دیدیا ہے غلطی کی ہے۔ امام بخاری بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں کیونکہ اس حدیث پر امام صاحب نے یہ باب منعقد کیا ہے۔ **باب اذا رأى الامام رجلا جاء وهو يخطب امره ان يصلي ركعتين.**

(۹۸) حضرت عمرؓ کی طرف منسوب حدیث

کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھی تھی

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا يحيى بن بكير ثنا الليث عن عقيل ابن شهاب (الزهرى) عن عبيدالله بن عبدالله عن ابن عباس عن عمربن الخطاب انه قال لما مات عبدالله بن ابىّ ابن سلول دُعِى له رسول الله ﷺ ليصلّى عليه فلما قام رسول الله ﷺ وثبت اليه فقلت يا رسول الله أتصلّى على ابن ابىّ وقد قال يوم كذا وكذا كذا و كذا اعدد عليه

قوله فتبسم رسول الله ﷺ فقال اخّر عني يا عمر فلما اكثرت عليه قال اني خُيِّرتُ فاخترت لو اعلم اني ان زدت على السبعين يغفر له لزدت عليها قال فصلّى عليه رسول الله ﷺ ثم انصرف فلم يمكث الا يسيرا حتى نزلت الآيتان من براءة ولا تصلّ على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا با لله و رسوله وماتوا وهم فاسقون. قال (عمر) فعجبت بعد والله من جرأتي على رسول الله ﷺ يومئذ والله ورسوله اعلم.

(صحيح بخاري ص ١٨٢ كتاب الجنائز باب ما يكره من الصلاة على المنافقين)

عبداللہ بن صالح اور حجین بن مثنی نے بھی لیث بن سعد سے اسی اسناد اور بعینہ اسی متن کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے عبداللہ بن صالح کی روایت طحاوی نے مشکل الآ ثار میں (ج ۲ ص ۱۲) اور حجین کی نسائی نے تخریج کی ہے (سنن نسائی کتاب الجنائز الصلاۃ علی المنافقین) اور محمد بن اسحاق نے بھی زہری سے اسے اسناد کے ساتھ اسی طرح (مسند اص ۱۶)

ابن شہاب زہری نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اس نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب ابی اور سلول کا بیٹا مر گیا (ابی اس کا باپ تھا اور سلول ماں تھی) تو رسول اللہ ﷺ کو اس کی نماز جنازہ کے لئے بلایا گیا پس جب رسول اللہ ﷺ اس کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں نے جھپٹ کر عرض کیا آپ ابی کے بیٹے کی نماز جنازہ پڑھیں گے حالانکہ اس نے فلاں فلاں دن ایسا اور ایسا کہا تھا (آپ کا اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور سخت مخالف تھا) میں اس کی بے ہودگیاں گن گن کر بتانے لگا فرمایا اے عمر مجھ سے ہٹ کر پیچھے صف میں چلے جاؤ پس جب میں نے آپ سے اس کے متعلق اور زیادہ کہا تو فرمایا کہ مجھے اللہ کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے کہ اے نبی **استغفر لهم اولا تستغفر لهم** منافقین کے حق میں دعائے مغفرت کر یا نہ کر۔ تو میں نے اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کرنے کو اختیار کر لیا۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر بار سے زاید میں اس کے لئے دعائے مغفرت کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر بار سے زاید اس کے لئے دعا کروں گا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز پڑھی پھر

واپس ہو گئے تو کچھ ہی بعد میں سورہ براۃ کی یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ (اے نبی کسی بھی منافق پر جو مرگیا ہے ہرگز نماز نہ پڑھنا نہ اس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑا ہونا۔ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ اللہ کی طاعت کے دائرے سے باہر ہیں یعنی توبہ کئے بغیر دنیا سے چلے گئے۔ یہ بیان کر کے حضرت عمرؓ نے کہا کہ بعد میں مجھے اپنے اوپر بڑا تعجب ہوا کہ اس دن میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیسے اس دلیری کے ساتھ بات کر لی حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ یعنی میں عبداللہ بن ابی کی جو برائیاں گن گن کر ذکر کر رہا تھا اللہ ورسول تو انہیں مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

یہ حدیث عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی گھڑی ہوئی اور زہری کی نمک مرچ لگائی ہوئی کہانی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے یہ بھی ایک زبردست معجزہ ہے کہ ہر گھڑی ہوئی اور جھوٹی حدیث اپنے اندر سے خود بول دیتی ہے کہ میں جھوٹی ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی غافل شخص یا گروہ اس کی آواز نہ سنے بے شک لفظ او کلام عرب میں متعدد معانی کے لئے آتا ہے ان میں سے ایک معنی تخییر ہے ایک معنی تسویہ ہے ایک معنی تقسیم ہے ایک معنی تردید ہے۔ قرینہ ان معانی میں سے جس معنی کو طے کر دے وہی معنی مراد ہوتا ہے۔ تخییر کا مطلب ہے دو یا دو سے زاید کاموں میں اختیار دینا کہ خواہ یہ کام کر لو خواہ یہ کام کر لو کوئی مضایقہ نہیں ہے۔ مثلاً کفارہ قسم میں اللہ تعالی نے فرمایا ''**اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة**'' دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا دینا یا انہیں لباس دیدینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی کام کر لینے کا بندے کو اختیار حاصل ہے۔ اور تسویہ کا مطلب ہے دو یا دو سے زاید چیز کو برابری کا درجہ دینا جیسے ''ادعوا الله او ادعوا الرحمن'' اپنے رب کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ دونوں برابر ہیں۔ اب دیکھئے اللہ تعالی نے منافقین کے متعلق سفرِ تبوک میں آپ سے فرمایا تھا۔ استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرّة فلن يغفر الله لهم ذلك بانهم كفروا با لله و رسوله و

الله لا یھدی القوم الفاسقین ان کے لئے دعائے مغفرت کر یا مت کر اگر تو ستر بار بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرے تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا (وہ ایمان سے محروم اور مبتلائے کفر ہیں) اور اللہ ان لوگوں کو مغفرت اور عذاب آخرت سے نجات کی راہ نہیں دکھاتا جو دائرۂ طاعت وایمان سے باہر ہیں۔

معمولی عقل کا آدمی بھی اس ارشاد کو سن کر یہ نہیں سمجھ سکتا کہ لفظ او اس میں تخییر کے لئے ہے اور اللہ نے اپنے رسول کو ان کے حق میں استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق خُیّرت فاخترتُ فرمایا ہو۔ اور لفظ او کو تخییر کے معنی میں سمجھا ہو۔ معاذ اللہ جس بزرگ مرتبہ وبرگزیدہ ہستی پر قرآن نازل ہوا ہو کیا وہ معنی کلام سے ایسی ناآشنا ہوسکتی ہے۔ واللہ العظیم نہ حضرت عمرؓ نے اس جھوٹی بات کی روایت کی نہ عبداللہ بن عباس نے۔ کاش بخاری رغیرہ نے کچھ سوجھ بوجھ سے کام لیا ہوتا اور اس باطل بکواس کو اس کے راوی کے منہ پر دے مارا ہوتا۔

اور سبعین مرّۃ کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے یقیناً اس سے مراد گنتی میں آنے والا ستر کا عدد نہیں ہے یعنی تیس کم سو۔ بلکہ مراد محض تکثیر ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے حق میں مغفرت کی کتنی ہی دعائیں کی جائیں قطعاً غیر مقبول اور بے سود ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فہم میں یہ بات نہ آئی ہو اور آپ نے اسے واقعی عدد کے معنی میں گمان کیا ہو؟

پھر تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ عبداللہ بن ابی اس وقت مرا ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت بخیر وعافیت تبوک سے مدینہ واپس آچکے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آپ کے ساتھ ہی بظاہر سفر تبوک کے لئے نکلا تھا۔ مدینہ سے نکل کر آپ نے قریب ہی پڑاؤ کیا تھا تاکہ باہر سے آنے والے جو مجاہدین ہنوز نہ آئے تھے آکر آپ سے آملیں۔ عبداللہ بن ابی بھی اپنے ساتھیوں سمیت آپ کی منزل سے ورے فروکش ہوا اور صبح کو یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سمیت جو غالباً اسی نفر تھے۔ مدینہ واپس ہوگیا کہ ہم جانتے ہیں کہ محمد اور ان کے اصحاب میں سے کوئی زندہ واپس نہ آئے گا انہیں رومیوں کی تلواروں کا لقمہ بننا اور ان کے قید خانوں میں سڑنا ہے۔ مقصد اس کا عام مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلانا اور بزدلی پر اکسانا اور سفر جہاد سے باز

رکھنا تھا۔اس سفر جہاد کے دوران ہی سورہ براءہ کا ساتواں، آٹھواں، نواں، دسواں، گیارواں اور بارہواں رکوع نازل ہوا تھا۔آیت **استغفر لهم او لا تستغفر لهم** دسویں رکوع میں ہے اور آیت **ولا تصلّ علی احد منهم مات ولا تقم علی قبره** گیارہویں رکوع میں ہے۔ دونوں آیتیں دوران سفر ہی اتری تھیں پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ کے حکم کے برخلاف آپ رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھیں۔

زہری اور اس کے شیخ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے کبھی سورۂ توبہ سمجھ کر نہ پڑھی ہوگی تبھی تو اس روایت میں ذکر کردیا ہے کہ آیت **ولا تصل علی احد منهم مات ابداً و لا تقم علی قبره**. عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد نازل ہوئی تھی۔رہے زہری سے لے کر بخاری وغیرہ تک اسے روایت کرنے والے محدثین تو ان غریبوں کو پس شیخ سے سنی ہوئی سندیں اور حدیثیں یاد کرلینے لکھ لینے اور پھر روایت کرنے کے مشغلہ نے اتنی فرصت ہی نہ دی تھی کہ قرآن کو سمجھ بوجھ کر پڑھتے اور اپنی حاصل کی ہوئی حدیثوں کے صحیح معنی ومطلب سے واقف ہونے کی کوشش کرتے۔کیا یہ غضب کی بات نہیں کہ تمام حفاظ قرآن جانتے ہیں اور تمام مصاحف میں لکھا اور چھپا ہوا ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد "**ولا تصل علی احد منهم مات ابداً ولاتقم علی قبره انهم کفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون**" ایک آیت ہے مگر ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث میں اس کے متعلق مذکور ہے "**فنزلت هاتانِ الآیتان**" ان راویوں نے ایک آیت کو دو آیت قرار دیا ہے۔غرضیکہ یہ بالکل غلط حدیث درجِ صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔

(۹۹) حضرت جابر کا اپنے والد شہید عبداللہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا قصہ بروایت بخاریؒ

امام بخاری نے کہا کہ ہم سے مسدد نے بیان کیا ان سے بشر بن مفضل نے بیان کیا کہ ان سے حسین بن ذکوان معلم نے بیان کیا عطاء بن ابی رباح سے روایت کرکے، اس نے

حضرت جابر سے کہ حضرت جابر نے ذکر کیا کہ جنگ احد کے موقع پر میرے والد عبداللہ نے رات کو مجھے بلا کر کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ صبح کو جنگ میں سب سے پہلا شہید میں ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو مستثنیٰ کرنے کے بعد تو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے جسے میں چھوڑوں گا۔ مجھ پر قرضہ ہے اسے ادا کرنا۔ اور میری اس وصیت کو قبول کر کہ اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ واقعی ایسا ہی ہوا میرے والد ہی مسلمانوں میں سب سے پہلے مقتول تھے **و دفنت معه اخر فی قبره ثم لم تطب نفسی ان اترکه مع اخر فاستخرجته بعد ستة اشهر فاذا هو کیوم وضعته غیر هنیة فی اذنه** (صحیح بخاری ص ۱۸۰) **کتاب الجنائز باب هل یخرج المیت من القبر و اللحد لعلة** جابر نے کہا ''اور میں نے اپنے والد کے ساتھ ان کی قبر میں ایک اور شخص کو بھی دفن کر دیا تھا پھر میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ والد مرحوم قبر میں کسی کے ساتھ رہیں اس لئے میں نے چھ ماہ بعد ان کی لاش قبر سے نکالی تو ایسی ہی تر و تازہ نکلی جیسی بوقتِ دفن تھی بس اُن کے کان میں تو ذرا سا نشان تھا۔ یعنی زمین سے متصل ہونے کی وجہ سے اس حدیث میں مذکور ہے کہ جابر کو اپنے والد کا دوسرے شہید کے ساتھ ایک قبر میں رہنا گوارا نہ ہوا؟

کیوں گوارا نہ ہوا۔ شروع میں ہی جابر نے ایسا کیوں کیا تھا کیونکہ اس میں جابر کا قول مذکور ہے ''**و دفنت معه اخر فی قبره**۔ پھر یہ دوسرا شخص کوئی غیر نہ تھا عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ تھے حضرت جابر کے ماموں بھی اور پھوپھا بھی جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح میں قرابت قریبہ کے علاوہ باہم نہایت گہری دوستی تھی۔ جابر کی والدہ عمرو بن جموح بن زید بن حرام کی بہن تھی اور جابر کی پھوپھی ہند عمرو بن جموح کی بیوی تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے جنگ احد ختم ہو جانے کے بعد دیکھا کہ ہند بنت عمرو میدانِ جنگ سے اپنے شوہر عمرو بن جموح اور اپنے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حرام کی لاشیں اونٹ پر لاد کر مدینہ لے چلیں تا کہ انہیں مدینہ کے قبرستان میں دفن کریں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مُنادی نے آگاہ کیا کہ مقتولین کو وہیں واپس لے جایا جائے جہاں وہ قتل ہوئے ہیں اور مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن جموح کو ایک قبر میں دفن کرو **فانهما کانا متصادقین فی الدنیا** کیونکہ وہ دونوں دنیا میں باہم دوست تھے۔ پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا

ہے کہ حضرت جابر کو گوارا نہ ہوا ہو کہ ان کے شہید والد دوسرے شہید کے ساتھ ایک قبر میں رہیں اور جب خود رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن الجموح کو ایک قبر میں دفن کرنے کا ارشاد فرمایا تھا تو آپ سے اجازت لیے بغیر حضرت جابر اپنے والد کو چھ ماہ بعد نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کی جرأت کیسے کر سکتے تھے۔ یہ غلط حدیث حضرت جابر کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ نہ عطاء بن ابی رباح نے حضرت جابر سے اس کی روایت کی تھی۔ اس لیے کہ معاذ بن مثنیٰ نے بھی مسدد سے اس کی روایت کی ہے اور اسناد یہ بیان کی ہے ''عن مسدد عن بشر بن المفضل عن سعید بن یزید عن ابی نضرة عن جابر (فتح الباری بحوالہ مستدرک) ابونضرہ کا نام منذر بن مالک بن قطعہ ہے۔ ضعیف و منکر الحدیث راوی تھا۔ ابونعیم نے ابوالاشعث کے طریق سے اس کی روایت کی ہے۔ عن بشر بن المفضل عن ابی سعید بن یزید عن ابی نضرة عن جابر. (فتح الباری)

یعنی ابوالاشعث نے معاذ بن مثنیٰ کی متابعت کی ہے۔ ابوداؤد نے بواسطہ سلیمان بن حرب حماد بن زید سے روایت کی ہے عن سعید بن یزید ابی سلمة عن ابی نضرة عن جابر قال دفن مع ابی رجل فکان فی نفسی من ذلک حاجة فاخرجته بعد ستة اشھر ما انکرت منه شیئا الا شعرات کن فی لحیته مما یلی الارض سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب فی تحویل المیت عن موضعه لامر یحدث.

یعنی حماد بن زید نے اسناد میں ابوالاشعث کی موافقت کی ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بخاری نے جو اس کی اسناد میں مسدد عن بشر بن المفضل عن حسین المعلم عن عطاء کہا ہے تو یہ وہم پر مبنی ہے۔ مسدد نے تو اس کی اسناد یہ بیان کی تھی عن بشر بن المفضل عن سعید بن یزید عن ابی نضرة ابوالاشعث اور حماد بن زید کی روایت سے بھی یہ ثابت ہے کہ سعید بن یزید نے ابونضرہ سے اس کی روایت کی تھی۔ پس اس کا راوی عطاء نہیں بلکہ ابونضرہ ہے۔

امام بخاری نے عطاء سے اس کی روایت کو ثابت کرنے کے لئے سعید بن عامر کے

طریق سے یہ روایت ثبت فرمائی ہے۔

حدثنا علی بن عبدالله قال ثنا سعید بن عامر عن شعبة عن ابن ابی نجیح عن عطاء عن جابر قال دفن مع ابی رجل فلم تطب نفسی حتی اخرجته فجعلته فی قبر علی حدة. (صحیح بخاری ص ۱۸۰ کتاب الجائز)

نسائی نے بھی بواسطۂ عباس بن عبدالعظیم عنبری سعید بن عامر سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔ (سنن نسائی کتاب الجنائز باب اخراج المیت من القبر (بعدان یدفن فیہ)

ابن ابی نجیح کا نام عبداللہ تھا اُخنس بن شریق کا آزاد کیا ہوا غلام تھا۔ روایت حدیث میں ثقہ سمجھا گیا ہے مگر تدلیس کے مرض میں مبتلا تھا یعنی کسی ضعیف شخص نے کسی ثقہ شخص سے کوئی روایت کی ہوتی اس ضعیف شخص سے وہ ابن ابی نجیح کو پہنچتی تو اسے روایت کرتے ہوئے اسناد میں اس ضعیف کا ذکر گول کر جاتا مبادا جاننے والے لوگ اسے قبول نہ کریں۔ اور لفظ عن لا کر ثقہ شخص کا ذکر کر دیتا۔ تاکہ سننے والے اسے ثقہ سے مروی حدیث قرار دیکر قبول کرلیں۔ اس طرح تدلیس کرنے والا راوی لوگوں کو دھوکے میں ڈال کر ضعیف روایات پھیلانے کی کوشش کرتا تھا۔

بخاری کی ذکر کی ہوئی اس روایت میں ابن ابی نجیح مدلس نے عن عطاء کہا تھا۔ اس لیے یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ ابن نجیح نے عطاء سے یہ حدیث سنی ہو۔ اغلب یہی ہے کہ کسی ضعیف اور غیر ثقہ سے سن کر اسے عطاء کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ کیونکہ یہ بات فی نفسہ غلط اور نامعقول ہے کہ حضرت جابر نے اپنے والد کی لاش محض اس وجہ سے قبر سے نکالی ہو کہ اپنے والد کا قبر میں کسی اور میت کے ساتھ ہونا انہیں بھاتا نہ تھا۔ صحیح بات وہ ہے جو نبیح عنزی نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ میرے والد نے مجھے جنگ احد میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ بس دور سے دیکھنے پر اکتفا کرنا۔ جنگ ختم ہوگئی اور میں ابھی وہیں تھا جہاں دور سے دیکھنے والے کھڑے تھے کیا دیکھتا ہوں کہ میری پھوپھی میرے والد اور ماموں عمرو بن جموح کی لاشیں اونٹ پر پورے میں ادھر اُدھر ڈالے ہوئے لا رہی ہے تاکہ ہمارے قبرستان میں وہ دفن کیے جائیں تب ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بھیجے ہوئے منادی نے اعلان کیا کہ مقتولوں کو وہیں ان کی قتل گاہ

میں لے جایا جائے۔ حسب حکم ہم نے دونوں کو ان کی قتل گاہ میں گڈھا کھود کر دفن کر دیا۔ پس حضرت معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں اچانک مجھے ایک شخص نے آ کر بتایا کہ معاویہ نے جو زیر زمیں نہر جاری کی ہے اس کے پانی نے تمہارے والد کی قبر کا کچھ حصہ کھول دیا ہے اس کی وجہ سے ان کا جسم نمایاں ہو رہا ہے۔ میں نے جا کر انہیں نکالا تو ایسا ہی پایا جیسے وہ بوقت دفن تھے (مسند ۳ ص ۳۹۷) اسی کی تائید امام مالک کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو انصاری سلمی دونوں غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔ ۴۶ سال بعد پانی کے ریلے نے ان کی قبر کچھ کھول دی تو قبر کا بقیہ حصہ بھی ہٹا کر انہیں نکالا گیا تا کہ دوسری جگہ دفن کیے جائیں تو دونوں شہیدوں کے جسم جوں کے توں نکلے۔ ان میں سے ایک نے بوقت شہادت اپنے زخم پر اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اسی حالت میں وہ دفن کیے گئے تھے۔ اب ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر سیدھا کیا گیا تو وہ واپس حسب سابق زخم پر ہی پہنچ گیا۔

(موطا ص ۱۷۷ طبع ھند آخر کتاب الجہاد)

الحاصل امام بخاری نے عطاء بن ابی رباح سے مردی جو حدیث اس کے متعلق درج صحیح فرمائی ہے وہ صحیح نہیں ہے راویوں نے عطاء کا ذکر غلط کر دیا تھا دراصل وہ ابونضرہ کی روایت ہے اور فی نفسہ غلط ہے۔

(۱۰۰) قربانی کے متعلق

عبداللہ بن عوف کی روایت کی ہوئی غلط حدیث

عبداللہ بن عوف بن ارطبان بصری نے عامر بن شراحیل شعبی سے روایت کی ہے قال قال البراء بن عازب و کان عندهم ضيف لهم فامر اهله ان يذبحوا قبل ان يرجع لیاکل ضیفهم فذبحوا قبل الصلاۃ فذکروا ذلک للنبی ﷺ فامره ان یعید الذبح فقال یا رسول الله عندی عناق جذع عناق لبن هی خیر من شاتی لحم۔ یہ حدیث بیان کر کے ابن عون کہتے تھے لا ادری ابلغت الرخصة غیره ام لا (صحیح بخاری ص

بقول عبداللہ بن عون شعبی نے ذکر کیا کہ براء بن عازبؓ نے بیان کیا کہ عیدالاضحیٰ کے دن ان کے یہاں کوئی مہمان تھا تو نمازِ عید کے لیے نکلتے وقت براء نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ قربانی ذبح کر کے اس کا گوشت پکالو تاکہ واپس آتے ہی مہمان کو کھانا مل جائے۔ گھر والوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا کہ ہم نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی تھی۔ آپ نے براء کو حکم دیا کہ وہ قربانی نہیں ہوئی۔ دوبارہ قربانی کرو، براء نے عرض کیا میرے پاس ایک بڑی فربہ پٹھیا ہے ایک سال سے کم عمر کی۔ وہ دو پوری بکریوں سے بھی بہتر ہے۔ یعنی کیا اس کی قربانی کر دوں۔ آپ نے اجازت دیدی۔

ابن عون کہتے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ رخصت عام ہے یا بس خاص براء بن عازب کے لیے ہی تھی۔

اس حدیث کا باب اذا حنث ناسیاً فی الایمان سے کوئی تعلق نہیں پھر یہ حدیث بھی قطعاً غلط ہے۔ شعبی سے یہ حدیث زبید الیامی منصور بن معتمر فراس بن یحییٰ مطرف عاصم احول اور داؤد بن ابی ھند نے روایت کی ہے جو صحیحین اور تمام کتب حدیث میں متعدد طرق کے ساتھ مذکور ہے ان سب کی روایات میں صراحۃً بیان ہوا ہے کہ براء بن عازب نے یہ قصہ اپنے ماموں ابو بردہ بن نیار کا بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عید کے خطبہ میں جب ارشاد فرمایا کہ قربانی نماز کے بعد ہونی چاہئے۔ اگر کسی نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لی ہو تو اس کی قربانی نہیں ہوئی اسے اب جا کر دوبارہ قربانی کرنی چاہئے۔ یہ سن کر ابو بردہ بن نیار نے اٹھ کر عرض کیا تھا یا رسول اللہ یہ غلطی مجھ سے ہوئی۔ میں نے سوچا تھا کہ گھر والوں اور پڑوسیوں کو جلد گوشت مل جائے۔ اب میرے پاس ایک بڑی فربہ پٹھیا ہے۔ فرمایا جاؤ اسی کو قربان کر دو مگر یہ صرف تمہارے لیے ہے تمہارے سوا اور کسی کو قربانی میں ایک سال سے کم کی پٹھیا ذبح کرنا جائز نہ ہوگا۔

عبداللہ بن عون کو شعبی سے سنی ہوئی حدیث قطعاً یاد نہ رہی۔ کچھ کا کچھ ذکر کر دیا۔ امام بخاری بھی ابن عون کی اس روایت کے قطعاً غلط ہونے سے ضرور آگاہ ہوں گے تو پھر اس غلط حدیث کو درج صحیح کرنے کی کیا حاجت تھی؟

(۱۰۱) ایام معلومات اور ایام معدودات کے متعلق غلط قول

امام بخاری نے کتاب العیدین باب فضل العمل فی ایام التشریق میں کہا ھے وقال ابن عباس واذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات ایام العشر والایام المعدودات ایام التشریق.

(صحیح بخاری ص ۱۳۲)

"واذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات" غلط ہے قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے۔ ہاں سورۃ الحج میں ہے: "لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (سورۃ الحج ع ۴) اور سورۃ البقرہ میں ہے: واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقیٰ۔ (پارہ دوم ع ۹)

سورۃ الحج میں علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام قطعی طور پر بتایا ہے کہ ایام معلومات (جانے ہوئے چند دن) سے مراد قربانی کے ایام ہیں۔ یعنی ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تیرہویں تاریخیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے حج کے موقع پر قربانی کے یہی دن چلے آرہے تھے اس لیے تمام اہلِ عرب کے جانے ہوئے تھے اور سورۃ البقرۃ میں جو ایام معدودات آیا ہے (گنے ہوئے چند دن) تو اس سے طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد منی میں قیام کرنے کے دن مراد ہیں یعنی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخ اور بخاری نے جو ابن عباس کا قول نقل کیا ہے ایام معلومات ایام العشر ہیں (یکم ذی الحجہ سے دسویں ذی الحجہ تک) اور ایام معدودات ایام تشریق ہیں۔ یعنی ۹ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک۔ تو یہ عمرو بن دینار کی ابن عباس سے روایت ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ابن عباس کی طرف اس کی نسبت غلط ہے۔ کیونکہ ایام معلومات سے مراد ایام عشر سمجھنا آیت کی رو سے باطل ہے۔ پھر ابن عباس صراحۃً آیت کے خلاف کیوں کہتے؟

ابن ابی میںّب نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے الایام

المعلومات يوم النحر وثلاثة ايام بعده اس کی تخریج طحاوی نے کی ہے۔ یہی صحیح ہے۔

(۱۰۲) حضرت ابن عمر کے قبر پر بیٹھنے کی روایت

امام بخاری نے کتاب الجنائز باب الجريد على القبر میں تعلیقاً کہا ہے:

''وقال نافع كان ابن عمر يجلس على القبور۔ (صحیح بخاری ص۱۸۲)

قبر پر بیٹھنا بڑی سنگدلی کی بات ہے۔ نافع سے اس کی روایت بکیر بن عبداللہ بن اشج نے کی ہے (فتح الباری) میں کہتا ہوں کہ کسی راوی نے اسے لکھتے ہوئے لفظ لا چھوڑ دیا ہے۔ نافع نے کہا تھا كان ابن عمر لا يجلس على القبور۔ لا کو ساقط ہونے کی وجہ فعل منفی ثبت بن گیا۔ مگر بخاری کو اسے نقل کرتے ہوئے عقل سے بھی کام لینا چاہیئے تھا۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ قول نقل کیا ہے لان اطأ على رضف احب الى من ان اطأ على قبر یعنی دہکتے ہوئے انگاروں پر پاؤں رکھنا مجھے کسی قبر پر پاؤں رکھنے سے زیادہ پسند ہے۔ اللہ کا جو متقی بندہ یہ فرمائے کیسے ممکن ہے کہ وہ قبر پر بیٹھنا گوارا کرلے۔

(۱۰۳) حضرت ابن عباس کی حدیث کہ ایک شخص

دوسرے شخص کو تسمے یا رسی سے کھینچتے ہوئے طواف کررہا تھا

امام بخاری نے ایک ہی اسناد کے ساتھ یہ حدیث دوجگہ درج صحیح فرمائی ہے

(۱) حدثنا ابراهيم بن موسى ثنا هشام ان ابن جريج اخبرهم قال اخبرنى سليمان الاحول ان طاؤسا اخبره عن ابن عباس ان النبى ﷺ مر وهو يطوف بالكعبة بانسان ربط يده الى انسان بسير او بخيط او بشئى غير ذلك فقطعه النبى ﷺ بيده ثم قال قد بيده۔

(صحیح بخاری ص۲۱۹ كتاب المناسك باب الكلام فى الطواف)

ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے ھشام بن یوسف صنعانی نے بیان کیا کہ ابن جریج نے اپنے شاگردوں کو (جن میں ھشام بن یوسف بھی تھے) بتایا کہ مجھے سلیمان اُحول نے بتایا کہ طاؤس یمانی نے اسے بتایا تھا ابن عباس سے روایت کر کے کہ نبی ﷺ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک شخص پر گذرے جس کا ہاتھ تسمے یا تاگوں کی ڈوریا کسی اور چیز کے ساتھ دوسرے شخص سے بندھا ہوا تھا (وہ آگے اور یہ بندھا ہوا اس کے پیچھے طواف کر رہے تھے) تو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس تسمے کو یا جو بھی چیز تھی کاٹ دیا پھر فرمایا اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر طواف کراؤ۔

(۲) پھر بعینہٖ اسی اسناد کے ساتھ بخاری نے یہ روایت کی ہے:

ان النبی ﷺ مرّ وھو یطوف بالکعبة بانسان یقود انسانا بخزامة فی انفه فقطعھا النبی ﷺ بیده ثم امره ان یقود بیده.

(صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور باب النذر فی مالا یملک وفی معصیة حدیث۲)

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ پچھلے شخص کی ناک میں جانور کی طرح نکیل پڑی ہوئی تھی۔ اسے اگلے شخص نے اپنے ہاتھ میں تھام رکھا تھا اور طواف میں اسے کشاں کشاں لے چل رہا تھا جیسے نکیل پڑے ہوئے جانور کو اس کی نکیل پکڑ کر چلایا جاتا ہے۔ جب کہ پہلی روایت میں یہ مذکور ہے کہ پچھلے شخص کا ہاتھ تسمے وغیرہ کے ساتھ اگلے شخص سے بندھا ہوا تھا۔

قصہ ایک۔ راوی صحابی ایک۔ شروع سے آخر تک سند ایک۔ پھر دونوں روایتوں میں یہ شدید اختلاف کیوں ہے ظاہر ہے پہلی روایت کا متن صحیح ہے تو دوسری روایت کا متن غلط ہے اور دوسری روایت کا متن صحیح ہے تو پہلی روایت کا متن غلط ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ ھشام بن یوسف کے علاوہ اور کس کس محدث نے ابن جریج سے اس کی روایت کی ہے۔ یہ محدثین ابو عاصم نبیل وخالد بن عبدالله وعبدالرزاق وحجاج بن محمد ہیں۔

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ابو عاصم عن ابن جریج عن سلیمان الاحول عن طاؤس عن ابن عباس ان النبی ﷺ رایٰ رجلا یطوف بالکعبة بزمام او غیره

فقطعه۔ (صحیح بخاری ص۲۲۰ کتاب المناسک وص۹۹۱ کتاب الایمان والنذور)

نسائی نے کہا ہے:

اخبرنا محمد بن عبدالاعلی ثنا خالد ثنا ابن جریج ثنی سلیمان الاحول عن طاؤس عن ابن عباس قال مر رسول الله ﷺ برجل یقوده رجل بشنی ذکره فی نذر فتناوله النبی فقطعه فقال انه نذر؟

(سنن النسائی کتاب المناسک۔الکلام فی الطواف)

یعنی جب رسول اللہؐ نے اس سے پوچھا کہ تو اسے اپنے ساتھ باندھ کر کیوں طواف کررہا ہے تو اس نے کہا کہ اس نے یہی نذر کی تھی۔اس کی وجہ سے میں ایسا کررہا ہوں تو آپ نے اس کی رسی یا تسمہ کاٹ کر بطور انکار فرمایا۔کیا یہ نذر ہے۔یعنی نذر تو کسی عبادتی امر میں ہوتی ہے کسی کے ساتھ بندھ کر چلنا تو کوئی عبادت نہیں ہے۔

امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی سلیمان الاحول ان طاؤسا اخبره عن ابن عباس ان النبی ﷺ مر وهو یطوف با لکعبة بانسان ربط یده الی انسان آخر بسیر او بخیط او بشنی غیر ذلک فقطعه النبی بیده ثم قال قده بیده. (مسند ۱ ص ۳۶۴)

اس سے واضح ہوا کہ ابو عاصم وخالد وعبدالرزاق کی روایت ھشام بن یوسف کی اس روایت کی ہم معنی ہے جس کی تخریج بخاری نے کتاب المناسک میں کی ہے۔بس ان چاروں کی روایت ہم مضمون وہم معنی ہے۔

اورنسائی نے کہا ہے:

اخبرنا یوسف بن سعید قال ثنا حجاج عن ابن جریج قال اخبرنی سلیمان الاحول ان طاؤسا اخبره عن ابن عباس ان النبی ﷺ مر وهو یطوف بالکعبة بانسان یقود انسانا بخزامة فی انفه فقطعه النبی ﷺ بیده ثم امره ان یقوده بیده.

(سنن النسائی کتاب المناسک (الکلام فی الطواف)

ظاہر ہے کہ نسائی کی تخریج کی ہوئی حجاج کی یہ حدیث بعینہ وہی ہے جس کی بخاری نے کتاب الایمان و النذور میں ھشام بن یوسف کے طریق سے روایت کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بخاری نے اس کی اسناد میں وہم میں پڑ کر حجاج کی جگہ ھشام کا ذکر کر دیا تھا۔ ان روایات کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ ابن جریج نے اس حدیث کا جو مضمون روایت کیا تھا وہ ہے جو ھشام بن یوسف، ابو عاصم نبیل، خالد بن عبداللہ اور عبدالرزاق نے بیان کیا ہے اور حجاج نے ابن جریج سے جو مضمون روایت کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے غلطی سے حجاج کی غلط روایت ھشام بن یوسف کی طرف منسوب کر دی تھی۔

اور ایک بات جس کی طرف میں ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ ابن جریج نے اپنے پانچوں شاگردوں سے یہ حدیث ذکر کرتے ہوئے اخبرنی سلیمان الاحول کہا تھا۔ احول کے معنی ہیں بھینگا ظاہر ہے کہ یہ ایک مذمت کا وصف ہے یہ سلیمان بن ابی مسلم مکی ہے۔ ثقہ راوی ہے اور ابن ابی نجیح کا ماموں تھا۔ ابن جریج یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج کے شیوخ و اساتذہ میں سے ہے۔ ابن جریج شیعی خیالی کا کثیر الحدیث محدث اور متعہ کے جواز کا قائل تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ ابن جریج نے اپنی زندگی میں ستر عورتوں سے متعہ کیا تھا۔ (تہذیب التھذیب) متقی اہلِ علم پر لازم تھا کہ اس کی روایات سے اجتناب کرتے۔ اپنے استاد کو وصفِ احول کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اسے کبھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد نہ آیا "ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب. سلیمان الاحول کہنے کی بجائے سلیمان بن ابی مسلم کہتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔

(۱۰۴) شریک کی روایت کی ہوئی حدیثِ معراج

شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے کہا:

سمعت انس بن مالک یقول عن لیلة اُسری برسول الله ﷺ انه جاءه ثلاثة نفر قبل ان یوحیٰ الیه وھو نائم فی المسجد الحرام فقال اوّلھم ایھم ھو [illegible] اوسطھم ھو خیرھم فقال اخرھم خذوا خیرھم. فکانت تلک اللیلة فلم یرھم حتی اتوه لیلة اخری فی مایری قلبه وتنام عینه ولاینام قلبه. وکذلک الانبیاء تنام اعینھم

ولا تنام قلوبهم. فلم يكلموه حتى احتملوه فوضعوه عند بئر زمزم فتولاه منهم جبرئيل. (کتاب المناقب مختصراً کتاب التوحید تاماً)

میں نے حضرت انس کو اُس رات کے متعلق کہتے ہوئے سنا جس رات رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام سے لے جایا گیا تھا۔ یعنی شب معراج کے متعلق کہ آپ وحی آنے سے قبل (یعنی نبوت سے پہلے) ایک رات مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے آپ کے پاس تین شخص آئے ان میں سے پہلے نے کہا یہاں سوئے ہوئے لوگوں میں سے وہ کون شخص ہے (جسے اٹھانے اور سینہ چاک کرنے اور عالم بالا میں لے جانے کا ہمیں حکم ہوا ہے) ان میں سے بیچ کا شخص بولا وہ ان سب میں بہتر شخص ہے۔ پچھلا شخص بولا اسی بہتر شخص کو لے لو۔ پس وہ رات ہوگئی۔ یعنی اس میں اور کچھ نہ ہوا وہ آپ کو نظر نہ آئے تاآنکہ وہ ایک دوسری رات آپ کے پاس آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھ رہا ہے۔ اور آپ کی آنکھ سوتی تھی آپ کا دل نہ سوتا تھا۔ انبیائے کرام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے۔ پس انہوں نے آپ سے بات کئے بغیر آپ کو وہاں سے اٹھا کر چاہِ زمزم کے پاس لا رکھا۔ ان میں سے جبریل نے آپ کا سینہ چاک کرنے کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب شریک بن ابی نمیر کی بکواس ہے۔ حضرت انس نے قطعاً اس کا ذکر نہیں کیا۔ شریک نے ان پر دروغ بانی کی تھی اور قصداً رسول اللہ ﷺ کے متعلق غلط بیانی کر کے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنایا تھا۔ حضرت انس سے حدیث معراج زھری وقتادہ وثابت بنانی وحمید الطویل اور یزید بن ابی مالک نے روایت کی ہے۔ زہری وقتادہ وثابت وحمید چاروں ثقہ ہیں۔ یزید غیر ثقہ ہے۔ مگر ان پانچوں میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور کوئی آدمی جس میں خدا ترسی ومعقولیت کی کوئی رمق ہوا یسی غیر معقول اور ان ہونی بات کہہ ہی نہیں سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب معراج کا شرف بخشا گیا تھا تو اُس زمانہ میں آپ مجرد نہ تھے۔ بیوی بچوں والے تھے۔ پھر اپنا گھر چھوڑ کر آپ مسجد حرام میں رات کو کیوں سوتے۔ وہ تین شخص جن کا آنا اور آپ کے متعلق باہم گفتگو کرنا مذکور ہے فرشتے ہی ہوں گے تو کیا وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے کہ ان میں سے ایک نے ایھم ھو کہہ کر ساتھیوں سے آپ کے متعلق پوچھا ہو اور دوسرے

نے آپ کی طرف اشارہ کرنے کی بجائے هو خیرهم کہہ کر بے تکا جواب دیا ہو اور جب تیسرے نے خذوا خیرهم کہا ہو تو اس کے ساتھیوں نے سنی اَن سنی کردی ہو۔ پھر بعد میں کسی اور رات خواب میں ہی وہ تینوں آئے ہوں جب کہ آپ کی آنکھیں سورہی تھیں اور دل بیدار تھا تب آپ سے کچھ کلام کیے بغیر آپ کو اٹھا کر چاہِ زمزم کے پاس لا رکھا ہو اور حضرت جبریل نے آپ کا سینہ چاک کرنے اور دل کو نکال کر دھونے کا عمل کیا ہو۔ اور جیسا کہ اس روایت میں صراحۃً مذکور ہے جب یہ نزولِ وحی سے پہلے کا قصہ ہے تو آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ میرا سینہ چاک کرنے اور دل کو دھونے والا جبریل فرشتہ ہے۔ اور جب نزول وحی سے پہلے ہی اُس رات آپ جبریل کو جان پہچان گئے تھے تو غارِ حرا میں جب حضرت جبریل آپ کو سورۃ العلق کی ابتدائی آیتیں تلقین کرنے کے لیے آئے تھے انہیں کیوں نہ پہچانا اور انہیں دیکھنے سے کیوں دہشت زدہ ہو گئے تھے؟ اس کے بعد شریک نے اُلٹے سیدھے انداز سے قصہ معراج کی کم وبیش وہ تفصیلات ذکر کی ہیں جو دیگر روایات میں بھی آئی ہیں اور آخر میں کہا ہے

فاستیقظ وهو فی المسجد الحرام یعنی معراج کا خواب دیکھ کر آپ مسجد حرام میں ہی بیدار ہوئے۔ (صحیح بخاری ص ۱۱۲۰ کتاب التوحید باب قول الله وكلم الله موسى تكليما۔ حدیث ۳

یعنی شریک بن ابی نمر نے قصہ معراج کو نبی ﷺ کا دیکھا ہوا خواب بتایا ہے جو آپ نے نبوت سے پہلے دیکھا تھا۔ مطلب یہ کہ وہ معراج کو جسمانی نہیں بلکہ صرف روحانی سمجھتا تھا۔ غضب اس نے یہ ڈھایا تھا کہ اپنی اس بے ہودہ اور نامعقول رائے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی حدیث کے طور پر بیان کیا تھا۔ انس نے بعض اشخاص کی معراج کے متعلق یہ رائے سنی تھی کہ معراج روحانی ہوئی تھی جسمانی نہیں۔ آپ جسم سمیت نہ مسجد اقصیٰ کے نہ عالم بالا یعنی آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے۔ آپ کا جسم سبارک مکہ میں آپ کی خوابگاہ میں ہی رہا۔ آپ کی روح کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تھا اور عالمِ بالا کی سیر کرائی گئی تھی۔ بلفظ دیگر واقعہ معراج آپ کا دیکھا ہوا ایک سچا خواب تھا۔ کذاب شریک نے اس رائے کی حمایت میں حضرت انس کی بیان کی ہوئی حدیث معراج میں کچھ تصرفات کر کے اور اپنی طرف سے اس میں کچھ باتیں پیوند کر کے اس

کی روایت کرنے کا گناہ کمالیا۔ تو کیا امام بخاری کا بھی معراج کے متعلق یہ ہی عقیدہ تھا کہ وہ بس ایک خواب ہے جو آپ نے نبوت سے پہلے دیکھا تھا؟ اگر نہیں تو شریک کی یہ جھوٹی حدیث درج صحیح کیوں کی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے معراج کو روحانی وغیر جسمانی سمجھا ہے انہوں نے سورۃ الاسراء کی پہلی آیت کا مطلب نہیں سمجھا نہ سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کا مطالعہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایٰتنا.

(تسبیح کرو اس مالک کی جو اپنے بندۂ خاص کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اس بندۂ خاص کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔)

لفظ سبحان سے اللہ تعالیٰ نے اُن مکذبین یعنی کفار کو جواب دیا ہے جو کہتے تھے کہ ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس جا کر لوٹ آنا ناممکن ہے۔ جواب یہ ہوا کہ محمد ﷺ خود تو نہیں گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات وصفات میں ہر عیب ونقص سے منزہ ہے جس کی قدرت میں کسی قصور کا اور جس کی حکمت وحکومت میں کسی فتور کا تصور نہیں کیا جا سکتا آپ کو لے گیا تھا۔ اسی طرح لفظ سبحان نے ان لوگوں کے خیال کی بھی تردید کر دی جو معراج کو روحانی اور خواب کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔ یہ واقعہ اگر خواب کا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر نہ فرماتا۔ یہ سفر آپ نے اپنی بشری قوت اور بشری وسائل سے طے نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنی قدرت کاملہ سے فوق البشری ذرائع سفر آپ کے لئے مہیا فرمائے تھے۔ اسی لئے آپ کو لے جانا اپنا فعل بتایا ہے۔ روشنی اور بجلی کی تیز رفتاری معلوم ہے اور اس پر کسی کو تعجب نہیں ہوتا تو برق طینت براق کے ذریعہ روح الامین کی معیت میں بحکم حق حضور اکرم ﷺ کا پلک جھپکنے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جانا کیوں مستبعد سمجھا جائے۔

اگر یہ خواب کا معاملہ ہوتا تو مشرکین شد ومد کے ساتھ اسے نہ جھٹلاتے۔ خواب میں تو ہر

شخص بڑی حیرت انگیز چیزیں دیکھتا ہے اور کوئی سننے والا اسے نہیں جھٹلاتا۔ اور چونکہ اہل مکہ کے تجارتی قافلے ملک شام جاتے رہتے تھے اور ان میں سے متعدد اشخاص نے مسجد اقصی دیکھی تھی اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ مسجد اقصی کے متعلق ہمارے سوالات کا جواب دیں تو ہم مان لیں کہ واقعی آپ وہاں گئے تھے۔ آپ بحکم حق انہیں جواب دینے کے لئے خانۂ کعبہ کے پاس حجر یعنی حطیم میں کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے لیے نمودار کردیا۔ اسے دیکھ دیکھ کر آپ نے ان کے ہر سوال کا صحیح جواب دیکر سب کو مبہوت کردیا جیسا کہ حضرت جابر سے مروی حدیث میں ہے **سمعت رسول الله ﷺ یقول لما کذبنی قریش فمت فی الحجر فجلی الله لی بیت المقدس وطفقت أخبرھم عن اٰیاته وانا انظر الیه** (صحیح بخاری ص ۵۴۸ باب حدیث الاسراء تاویل کرنے والوں کو یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ **اسر بعبادی لیلاً** میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو رات میں سرزمین مصر سے لے جا۔ یقیناً اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں خواب میں لے کر نکل جاؤ اور ان کے جسم وہیں مصر میں پڑے رہنے دو۔ اسی طرح **اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی** کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خواب میں لے گیا تھا اور آپ کا جسم مکہ میں ہی تھا۔

واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ سفر مبارک دو منزلہ تھا۔ پہلی منزل روئے زمین پر مسجد اقصی تھی۔ اور دوسری منزل عالم بالا کی آخری حد جس کا نام سدرۃ المنتھی ہے منزل اول کے سفر کو اسراء اور دوسری منزل کے سفر کو معراج کہتے ہیں۔ کبھی پورے سفر کو اسراء اور کبھی پورے سفر کو معراج بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اسراء کا ذکر قرآن کریم میں آغاز سورۃ بنی اسرائیل میں ہے اور معراج کا ذکر سورۃ النجم کے اوائل میں بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بھی معراج کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ فرمایا ہے **لنریه من اٰیتنا** وہ آیات عظیمہ جن کا آپ کو مشاہدہ کرانا مقصود تھا اور جن کا آپ نے مشاہدہ فرمایا تھا عالم بالا میں تھیں چنانچہ سورۃ النجم میں ہے۔

لقد رأی من اٰیت ربه الکبریٰ

بس یہ خیال کرنا بھی بے جا ہے کہ معراج کے لئے آپ کا سفر مکہ سے مستقلاً ہوا تھا۔ صحیح

بات یہی ہے کہ بحالتِ بیداری جسم اطہر کے ساتھ یہ سفر مبارک ایک ہی بار ہوا ہے اور یہ سفر دو منزلہ تھا اور یقیناً اسراء و معراج کا شرف عظیم آپ کو نبوت کے بعد بخشا گیا۔ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد اسی کا معتقد ہے شریک کی یہ دروغ بافی کہ یہ قبل نبوت کا خواب تھا بحمدللہ پاؤں نہ چل سکی۔ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ محمد بن اسماعیل بخاری کو کیا سوجھی تھی کہ صحیح بخاری میں اسے ثبت کر دیا۔ غفرالله له ولنا انه هو الغفور الرحیم۔

(۱۰۵) صلاۃ الخوف کے متعلق حدیث ابن عباس

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا حیوۃ بن شریح ثنا محمد بن حرب عن الزبیدی عن الزهری عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة عن ابن عباس قال قام النبی ﷺ وقام الناس معه فکبر وکبروا معه ورکع ورکع ناس منهم ثم سجد و سجدوا معه. ثم قام للثانیة فقام الذین سجدوا وحرسوا اخوانهم واتت الطائفة الاخری فرکعوا وسجدوا معه. والناس کلهم فی صلاۃ ولکن یحرس بعضهم بعضا.

(صحیح بخاری ص ۱۲۹ ابواب صلاۃ الخوف، باب یحرس بعضهم بعضا فی صلاۃ الخوف)

نسائی نے بھی بواسطہ عمرو بن عثمان محمد بن حرب سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے (کتاب صلاۃ الخوف) محمد بن ولید زبیدی نے ابن شہاب زہری سے اس نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اس نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نماز خوف پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کہا (کھڑے ہوئے اور تکبیر کہنے میں تو سب مجاہدین آپ کے ساتھ رہے) اور آپ نے رکوع کیا تو لوگوں میں سے ایک ٹولی نے آپ کے ساتھ رکوع کیا۔

پھر آپ نے سجدہ کیا تو اس ٹولی نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا پھر آپ دوسری رکعت کے لئے اٹھ گئے (تو وہ ٹولی جس نے رکوع وسجدہ نہ کیا آگے بڑھ آئی اور رکوع وسجدہ کر لینے والی ٹولی ان کی جگہ کھڑی ہوگئی۔ آپ کے ساتھ اس آگے بڑھ آنے والی ٹولی نے دوسری رکعت کا رکوع وسجدہ کیا۔ اس طرح سب لوگ نماز میں رہے مگر ایک دوسرے کی حفاظت کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ زہری کی روایت کردہ یہ حدیث کافی مبہم ہے۔

اور سفیان ثوری نے ابوبکر بن ابی الجہم سے (یہ ثقہ تابعی ہے اور دادا کی طرف منسوب ہے۔ یہ ابوبکر بن عبداللہ بن ابی الجہم بن مخیر العدوی ہے۔ نام معلوم نہیں شاید کنیت ہی اس کا نام تھی) ابوبکر نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اس نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

صلی رسول الله ﷺ صلاة الخوف بذی قرد ارض من ارض بنی سُلیم فصف الناس خلفه صفین. صف موازی العدو و صف خلفه فصلی بالصف الذی یلیه رکعة ثم نکص هؤلاء الی مصاف هؤلاء وهؤلاء الی مصاف هؤلاء فصلی بهم رکعة اخری. فکانت للنبی ﷺ رکعتین ولکل طائفة رکعة. ولم یقضوا۔

(مسند احمد ا ص ۲۳۲ و ۳۵۷۔ سنن نسائی کتاب صلاۃ الخوف)

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنی سُلیم کے علاقہ میں ذوقرد نامی ایک مقام میں نماز خوف پڑھی۔ اپنے پیچھے مسلمانوں کیا دو صفیں کیں آگے پیچھے۔ اگلی صف دشمن کے مقابل تھی۔ (یعنی اہل کفر کی فوج قبلہ کی جہت میں تھی ان کی پشت قبلہ کی طرف تھی اور رخ مسلمانوں کی جانب۔ اہل اسلام قبلہ رخ کھڑے تھے) تو اگلی صف کو آپ نے ایک رکعت پڑھائی پچھلی صف اپنی جگہ کھڑی رہی۔ ایک رکعت ہو چکنے کے بعد اگلی صف کے لوگ پچھلی صف کی جگہ آگئے اور پچھلی صف کے لوگ اگلی صف کی جگہ چلے گئے۔ انہیں آپ نے دوسری رکعت پڑھائی۔ اس طرح نماز خوف رسول اللہ ﷺ کے لئے دو رکعت ہوئی اور تمام مسلمانوں کے لئے ایک ایک رکعت۔ ان

مسلمانوں نے چھوٹی ہوئی رکعت کی قضا نہیں کی۔ پس عبیداللہ بن عبداللہ سے یہ ابن عباس کی حدیث زھری اور ابوبکر بن ابی الجہم نے روایت کی تھی زھری کی روایت بخاری نے تخریج کی ہے جو بہت مبہم ہے اس میں صرف ایک بات ہے جو ابوبکر کی روایت میں نہیں ہے وہ یہ کہ اگلی اور پچھلی دونوں صفوں نے رسول اللہ کے ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہی تھی۔ باقی تفصیل ابوبکر کی روایت میں ہے۔ کوئی بخاری سے پوچھتا کہ آخر مبہم روایت کو درج صحیح کرنے میں کیا فائدہ تھا؟ بخاری کو یہ بھی خیال کرنا چاہئے تھا کہ ابن عباس اس صلاۃ الخوف میں موجود نہ تھے۔ ابن عباس تو فتح مکہ کے بعد مدینہ آئے تھے اور کمسن بچے تھے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کبھی ذوقرد کا سفر نہیں کیا۔ آپ ذوقرد دو بار مجاہدین کے ساتھ تشریف لے گئے تھے اولاً ربیع الاول ۴ھ میں قبیلہ بنی غطفان کے کچھ شرپسند اور فتنہ گر کفار سے مقابلہ کے لئے کفار جہت قبلہ میں تھے۔ اس موقع پر آمنا سامنا ہوا آپ نے مسلمانوں کو نماز خوف پڑھائی۔ کفار مرعوب ہو کر لڑے بغیر بھاگ گئے اور آپ مجاہدین کے ساتھ مدینہ آ گئے۔

دوسری بار صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر کے لے جانے سے تین دن پہلے جب تیر غطفانی لٹیرے جنگل سے رسول اللہ کی اونٹنیاں پکڑ لے گئے اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے پا پیادہ ان کا تعاقب کر کے اپنے تیر کمان کے بل پر تمام اونٹنیاں ان سے واگذار کرا لیں اور تیس چادریں بھی انہیں چھوڑنی پڑیں۔ پیچھے سے رسول اللہ ﷺ بھی چند اصحاب کے ساتھ ذوقرد پہنچ گئے۔ سلمہ بن اکوع نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ان کا تعاقب کیا جائے تو آسانی سے سب ہاتھ آ سکتے ہیں۔ فرمایا اب جانے بھی دو۔ اور سب کے ساتھ مدینہ واپس ہو گئے۔ اس دوسرے سفر میں آپ کی کفار سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی نہ نمازِ خوف پڑھنے کی نوبت آئی پس ذوقرد میں نماز خوف پڑھنے کا قصہ عبداللہ بن عباس نے کسی سے سنا ہوگا۔ وہ کون تھا؟ اس کا کوئی سراغ نہیں لگ سکتا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ابن عباس کو کسی نے نمازِ خوف کا یہ قصہ سنایا بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو دو رکعتیں پڑھیں اور آپ کے پیچھے ہر مسلمان نے ایک ہی رکعت پڑھی۔ جب ایسا ہوا ہی نہیں تو کوئی صحابی ابن عباس کو یہ ان ہوئی بات کیوں بتاتا اور ابن عباس جیسی ذکی وفہیم وذی علم ہستی سے بھی یہ توقع نہیں کہ انہوں نے عبیداللہ بن عبداللہ کو یہ ان ہوا قصہ سنایا ہو۔ یہ خود عبیداللہ کی ہی دھم

زاد روایت ہے۔ تابعی ہونے کی وجہ سے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کو ثقہ سمجھ لیا گیا ہے مگر عبید اللہ سے مروی احادیث کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ یصیب ویخطئی۔ یعنی صحیح باتیں بھی اس نے روایت کی ہیں اور غلط باتیں بھی جیسا کہ تقریباً ہر ضعیف راوی کا حال ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ عبید اللہ کی بیان کی ہوئی یہ نماز خوف کے متعلق حدیث صحیح نہیں ہے۔ عبید اللہ کے وہم کا نتیجہ ہے۔

پھر حضرت ابن عباس سے اس کے قطعاً برخلاف بھی مروی ہے۔ محمد بن اسحاق نے عمرو بن عثمان کے آزاد کردہ غلام داؤد بن حصین سے اس نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے ذکر کیا:

ماكانت صلاة الخوف الا كصلاة احراسكم هؤلاء اليوم خلف ائمتكم. الا انها كانت عقبا. قامت طائفة وهم جمع مع رسول الله ﷺ وسجدت معه طائفة ثم قام رسول الله ﷺ وسجد الذين كانوا قياما لانفسهم ثم قام رسول الله ﷺ وقاموا معه جميعا ثم ركع وركعوا معه جميعا ثم سجد فسجد الذين كانوا معه قياما اول مرة وقام الأخرون الذين كانوا سجدوا معه اول مرة فلما جلس رسول الله ﷺ والذين سجدوا معه فى اخر صلاتهم سجد الذين كانوا قياماً لانفسهم ثم جلسوا فجمعهم رسول الله ﷺ بالسلام.

(مسند ا ص ۲۶۵ (سنن نسائی کتاب صلاۃ الخوف)

جیسے محافظین یعنی باڈی گارڈز تمہارے حکام کے پیچھے چوکنے ہو کر نماز پڑھتے ہیں ایسے ہی صلاۃ الخوف ہے (کہ اہل اسلام جب کہ دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو چوکنے ہو کر نماز پڑھتے ہیں فرق یہ ہے کہ نماز خوف آگے پیچھے ہوتی ہے اور محافظین ایک ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔ مجاہدین میں ایک گروہ (یعنی نصف فوج) نماز میں رسول اللہ ﷺ اور اگلی صف کے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کھڑا ہوا اور اگلی صف کے مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ کر کے رکعت پوری کی۔ ان کے سجدہ کر لینے کے بعد پچھلی صف کے مسلمان جو حفاظت کے لیے کھڑے ہوئے

تھے سجدہ گذار ہوئے۔ سجدہ سے فارغ ہوکر وہ پہلی صف کی جگہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور وہ پہلی صف والے پیچھے آ کر چوکنے اور مستعد ہو کر کھڑے ہو گئے حضور علیہ السلام کے ساتھ سجدہ کر کے حالیہ پہلی صف والے فارغ ہو کر بیٹھ گئے تب حالیہ پچھلی صف والے جو کہ حفاظت کے لیے کھڑے تھے سجدہ کر کے بیٹھ گئے تب آپ نے اور سب نے سلام پھیرا۔

سند کے اعتبار سے یہ بھی ضعیف ہے ابن اسحاق اور اس کا شیخ داؤد بن حصین دونوں ضعیف وغیر ثقہ ہیں۔ مناسب لفظوں میں مفہوم بھی بیان نہ کر سکے۔

(۱۰۶) فترۃ الوحی کے متعلق زھری کی بیان کی ہوئی ایک مرسل اور قطعاً باطل حدیث

زہری نے عروہ بن زبیر سے اور اس نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آغاز وحی کے متعلق جو طویل حدیث روایت کی ہے جسے بخاری نے صحیح میں پانچ جگہ ثبت کیا ہے بدء الوحی، کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب موسیٰ کتاب التفسیر سورۃ العلق میں دو جگہ کتاب التعبیر اس میں مذکور ہے "وفتر الوحی" یعنی سورۃ العلق کی ابتدائی آیات کے بعد کچھ دنوں تک وحی نہ آئی۔ حضرت جابر سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فترۃ وحی یعنی وحی نہ آنے کی مدت ایک ماہ تھی اس کے بعد لگاتار وحی کا نزول ہوتا رہا۔

زھری نے ام المؤمنین والی حدیث بیان کرنے کے بعد فترت وحی کے متعلق کہا تھا۔

حتی حزن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ما بلغنا حزنا غدا منه مرارا کی یتردی من رؤوس شواهق الجبال فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی نفسه منه تبدی له جبرئیل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقا فیسکن لذلک جاشه وتقر نفسه فیرجع فاذا طالت علیه فترۃ الوحی غدالمثل ذلک فاذا اوفی بذروۃ الجبل تبدی له جبرئیل فقال له مثل ذلک۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۳۴ کتاب التعبیر باب اول)

یعنی وحی نہ آنے کی وجہ سے نبی ﷺ کو جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے شدید رنج ہوا اس رنج وغم کی شدت ایسی تھی کہ کئی بار آپ مکہ سے باہر پہاڑوں پر تشریف لے گئے کہ خود کو کسی پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر ہلاک کر دیں۔ مگر جب بھی اس قصد سے کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تا کہ خود کو گرادیں جبریل علیہ السلام نمودار ہو کر آپ کو تسلی دیتے کہ اے محمد یقیناً آپ اللہ کے واقعی رسول ہیں۔ اس سے آپ کی طبیعت میں سکون اور دل کو قرار آ جاتا اور واپس آ جاتے پھر رنج وغم میں شدت ہوتی تو پھر جا کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے اور جبریل نمودار ہو کر آپ کو تسلی دیتے کہ اے محمد یقیناً آپ اللہ کے واقعی رسول ہیں۔

نہ معلوم زہری نے یہ بکواس کس سے سن لی تھی؟ اور اس دروغ بے فروغ کو نقل کرنے کی غلطی کیوں کی تھی۔ کسی بھی صحابی سے صحیح تو کیا ضعیف سند کے ساتھ بھی یہ قصہ مروی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت جابر کی صحیح حدیث جس کی خود زہری نے بھی روایت کی ہے واضح طور پر بتا رہی ہے کہ فترتِ وحی کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو قطعاً نہیں دیکھا۔ زمانہ فترت میں جب آپ غارِ حراء میں جا کر معتکف ہوئے اور مدت اعتکاف پوری ہونے کے بعد غار سے گھر واپس جاتے ہوئے بطن وادی میں پہنچے تب آپ کو ندا آئی۔ آگے پیچھے دائیں بائیں کوئی نظر نہ آیا اوپر نگاہ اٹھائی تو آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر وہی فرشتہ نظر آیا جس نے پہلی ملاقات میں آپ کو بھینچا تھا اور سورۃ العلق کی ابتدائی آیات کی تلقین فرما کر غائب ہو گیا تھا اور ورقہ بن نوفل نے یہ قصہ سن کر اسے ناموس حق بتایا تھا۔ زمین و آسمان کے درمیان اسے کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھ کر آپ پر دہشت طاری ہو گئی اور بے ہوش ہو کر گر گئے افاقہ ہونے پر لرزتے کانپتے گھر پہنچے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو کپڑا اڑھا دو۔ اور زہری کی یہ مرسل روایت بتا رہی ہے کہ فترت کے زمانے میں بارہا آپ نے جبریل کو دیکھا اور ان سے "**یا محمد انک رسول الله حقا**" سنا تھا۔ ظاہر ہے کہ صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ مرسل اور بے سروپا روایت لائق التفات نہیں ہے۔ زہری نے یہ بھی نہ سوچا کہ خودکشی سخت کبیرہ گناہ ہے۔ اور کسی گناہ کے ارتکاب کا عزم کر لینا بھی گناہ ہے پھر رسول معصوم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کی طرف خودکشی کا عزم کر لینے کی نسبت کیسے درست ہو سکتی ہے۔

نہ معلوم کتنے بے خبر اور علم فہم حدیث سے نا آشنا مؤرخین اور سیرت نگاروں نے صحیح بخاری کے حوالہ سے یہ روایت اپنی کتابوں میں نقل کرنے کی غلطی کی ہوگی۔

ہمارے زمانہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب تفہیم القرآن تفسیر سورۃ المدثر میں بڑے طمطراق کے ساتھ صحیح بخاری کے حوالہ سے زہری کی بیان کی ہوئی یہ جھوٹی روایت نقل کی ہے۔ کاش بخاری نے کچھ سوجھ بوجھ سے کام لیا ہوتا اور زہری کی یہ مرسل روایت نظر انداز کر دی ہوتی۔

(۱۰۷) صلح حدیبیہ کی حدیث میں حضرت عمرؓ کے متعلق زہری کی یاوہ گوئی

زہری کی عادت تھی کہ لمبی حدیثوں کو روایت کرتے ہوئے ان میں وہ باتیں شامل کر دیا کرتے تھے جو موصوف نے اُس شیخ سے نہ سنی ہوتیں جس سے وہ حدیثیں سنی تھیں۔ بلکہ وہ زہری کی اپنی بے سر و پا باتیں ہوتی تھیں زہری کے شاگردان رشیدان ان بے سر و پا باتوں سمیت ان حدیثوں کو لکھ لیتے پھر ان کی روایت کر ڈالتے فہم قرآن سے نہ زہری کو واسطہ تھا نہ ان کے شاگردوں کو۔ اسی قسم کی وہ بے سر و پا بات ہے جو صلح حدیبیہ کی لمبی حدیث میں زہری سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے اور نادان لوگوں نے اسے باور کر لیا ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری میں مذکور ہے وہ یہ کہ جب صلح نامہ لکھا گیا اور رسول اللہ ﷺ ضدی مشرکین کی ہر بات مانتے چلے گئے۔ آپ نے کاتب سے فرمایا تھا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بولے نہیں وہی لکھا جائے جو ہم میں اور ہمارے اسلاف میں رائج چلا آ رہا ہے یعنی "**باسمک اللھم**" فرمایا اچھا یہی لکھ دو۔ اس کے بعد فرمایا لکھو یہ وہ معاملہ ہے جو محمد رسول اللہ اور اہل مکہ کے درمیان طے پایا تو بولے۔ ہرگز نہیں ہم نے آپ کو رسول اللہ مانا ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ نہیں اس کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھو۔ فرمایا چلو یہی لکھو میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ پھر پہلی دفعہ آپ یہ لکھانا چاہتے تھے کہ محمد اور ان کے اصحاب عمرہ کریں گے۔ بولے کہ امسال تو آپ کو یہیں سے

واپس جانا ہوگا۔ اگلے عمرہ کے لیے آسکتے ہیں صرف تین دن مکہ میں ٹھیریں پرتلوں اور میانوں میں پڑی ہوئی تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار آپ لوگوں کے پاس نہ ہوگا۔ اسے بھی آپ نے منظور فرمالیا، پھر انہوں نے کہا یہ لکھو کہ مکہ والوں میں سے کوئی تمہارا دین قبول کر کے تمہارے پاس یثرب چلا جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا اور تم میں سے کوئی تمہارا دین چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے تو ہم اسے واپس نہ کریں گے۔ آپ نے اسے بھی منظور فرمالیا۔ معاہدہ کی ان دفعات سے عام مسلمانوں کو بڑا رنج ہوا کہ یہ کیا کہ کفار کی ہر بات مانی جارہی ہے۔ خاص طور سے حضرت عمر کو تو بہت ہی طیش آیا زہری کا بیان ہے۔

> **قال: عمر بن الخطاب فاتيت نبی الله ﷺ فقلت الست نبی الله حقا؟ قال بلی. قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال بلی. قلت فلم نعطی الدنية فی ديننا اذاً؟ قال انی رسول الله ولست اعصيه وهو ناصری قلت اوليس كنت تحدثنا انا سنأتی البيت فنطوف به؟ قال بلی فاخبرتک انا ناتيه العام؟ قلت لا. قال فانک اتيه ومطوف به.**

یعنی حضرت عمر نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کے پاس آ کر کہا کہ کیا آپ پکے سچے اللہ کے نبی نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں بے شک میں اللہ کا نبی ہوں میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں۔ فرمایا کیوں نہیں بے شک ہم حق پر ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر ہے۔ میں نے کہا تو پھر ہمیں ہمارے دین میں ذلت کیوں دی جارہی ہے؟ فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہ کروں گا۔ وہ مددگار ہے یعنی اسی کا حکم ہے کہ اس وقت ان مشرکین کی من مانی شرطیں قبول کرلی جائیں۔ میں نے کہا کیا آپ ہمیں یہ نہ بتاتے تھے کہ ہم خانۂ کعبہ پہنچ کر اس کا طواف کریں گے؟ فرمایا تو کیا میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ اسی سال تمہیں خانۂ کعبہ کا طواف کرنا ہے میں نے کہا۔ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا۔ فرمایا تو مطمئن رہو تم خانۂ کعبہ پہنچ کر اس کا طواف کرنے والے ہو۔

مگر رسول اللہ ﷺ کی بات سے عمر کو تشفی نہ ہوئی:—

فاتیت ابا بکر فقلت یا ابا بکر الیس ھذا نبی اللہ حقا؟ قال بلی. قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال بلی قلت فلم نعطی الدنیة فی دیننا قال ایھاالرجل انہ رسول اللہ ولیس یعصی رب ہ وھو ناصرہ فاستمسک مغرزہ فواللہ انہ علی الحق. قلت الیس کان یحدثنا انا سناتی البیت ونطوف بہ؟ قال بلی أفاخبرک انک تاتیہ العام؟ قلت لا قال فانک اتیہ ومطوف بہ. قال الزھری قال عمر فعملت لذلک اعمالا

(صحیح بخاری کتاب الشروط باب اول حدیث ۳)

حضرت عمر نے کہا کہ پھر میں نے ابوبکر کے پاس ان سے بھی ایسی ہی باتیں کیں اور انہوں نے بھی ایسے ہی جوابات دیے اور مجھے نصیحت فرمائی کہ او آدمی بخدا بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ مضبوطی کے ساتھ ان کی رکاب تھامے رہ زہری کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ اس روز جوش غضب سے مغلوب ہو کر میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو سفیہانہ گفتگو کی تھی۔ اس کے کفارے کے لیے میں نے بڑے جتن کیے ہیں۔

زہری نے صلح حدیبیہ کی یہ طویل حدیث عروہ بن زبیر سے اور اس نے مسود بن مخرمہ ومروان بن حکم سے روایت کی ہے لیکن حضرت عمر کے متعلق جو بیان کیا ہے کہ پہلے انہوں نے خود نبی ﷺ سے اور پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ گفتگو کی تھی اور کہا تھا فعملت لذلک اعمالا۔ تو یہ نہ عروہ نے بیان کیا تھا نہ مسور بن مخرمہ اور مروان نے اس کا ذکر کیا تھا نہ کسی اور صحابی سے منقول ہے بلکہ خود زہری کی اڑائی ہوئی بے پر بات ہے اور اس کی دلیل ہے کہ زہری نے سورۃ الفتح سمجھ کر نہیں پڑھی تھی۔ سورۃ الفتح کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ھو الذی انزل السکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم یعنی حق تعالیٰ نے ہی اہل ایمان کے دلوں میں صلح حدیبیہ کے موقع پر سکینت نازل فرمائی تا کہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو اس لئے بظاہر ناگوار ہونے کے باوجود تمام اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کی عقد فرمائی ہوئی صلح پر مطمئن تھے اور یقین رکھتے تھے کہ اللہ کے رسول نے جو فیصلہ فرمایا ہے قطعاً حق ہے۔

پھر تیسرے رکوع میں ارشاد ہوا ہے:

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبهم الحمية حمية الجاهلية فانزل الله سکینته علی رسوله وعلی المؤمنین والزمهم کلمة التقوی وکانوا احق بها واهلها.

دو جگہ صراحۃً ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ نے تمام مؤمنین پر سکینت نازل فرمائی تھی اور انہیں اس یقین وقرارِ قلب کی نعمت سے نوازا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلہ فرمادیا ہے سراسر حق ہے۔ اور زہری نے یہ بکواس کی ہے کہ عموماً تمام مؤمنین کو اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی عقد فرمائی ہوئی صلح پر اطمینان نہ تھا اور عمر نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بڑی غلیظ گفتگو کی تھی آپ کے جوابات سے تشفی نہ ہوئی تو ابوبکر کے پاس جاکر اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے ویسی ہی غلیظ گفتگو کی۔ بعد میں نادم ہوئے اور اس کے کفارے کے لیے بڑے جتن کیے۔ یقیناً زہری نے جو کہا ہے وہ قطعاً جھوٹ اور بکواس اور قرآن کریم کو سمجھ کر نہ پڑھنے کا نتیجہ تھا۔ بخاری اور دیگر محدثین پر لازم تھا کہ وہ زہری کی اس غلط بیانی کو مسلمانوں میں نہ پھیلائیں۔

(۱۰۸) طواف میں رمل کے شروع ہونے کی توجیہ

حدثنا سلیمان بن حرب قال ثنا حماد هو ابن زید عن ایوب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قدم رسول الله ﷺ واصحابه فقال المشرکون انه یقدم علیکم وفد وهنهم حمی یثرب فامرهم النبی ﷺ ان یرملوا الاشواط الثلاثة وان یمشوا ما بین الرکنین ولم یمنعه ان یامرهم ان یرملوا الاشواط کلها الا الابقاء علیهم.

(صحیح بخاری ص ۲۱۸ کتاب المناسک باب کیف کان بدء الرمل وص ۶۱۱ کتاب المغازی باب عمرة القضاء)

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی نے سعید بن جبیر سے اس نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ جب ۷ھ عمرۃ القضاء میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب مکہ پہنچے تو مشرکین نے آپس میں کہا، تمہارے یہاں ایسے زائرین آرہے ہیں جنہیں یثرب کے بخار نے ناتواں

کر دیا ہے۔ پس (مشرکین کی اس غلط فہمی کو دور اور انہیں مرعوب کر دینے کی غرض سے) نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ پہلے تین چکروں میں رمل کریں یعنی کعبہ کے گرد حجر اسود سے لے کر تین سمتوں میں داہنی بغل کے نیچے سے چادر بائیں کندھے پر ڈال کر فوجی انداز سے مارچ کریں اور ایک سمت یعنی رکن یمانی سے حجر اسود تک عام انداز سے چلیں۔ ساتوں چکروں میں رمل کرنے کا حکم ان پر ترس کھانے کی وجہ سے نہیں دیا کہ بے چارے تھک جائیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن عباس اس وقت تقریباً پانچ سالہ کمسن بچہ تھے۔ ان کا مشرکین کی بات کو اور نبی کریم کے حکم رمل کو سننا سمجھنا اور یاد رکھنا مستبعد ہے اور مشرکین بدر واحد وغزوہ احزاب میں مسلمانوں سے جنگ کر چکے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں اور بازوؤں کو خوب آزما چکے تھے۔ اب تلخ تجربات کے بعد وہ ان کے بارے میں وھنتھم حمی یثرب کیسے کہہ سکتے تھے جب کہ وہ یہ بھی بخوبی جان چکے تھے کہ چند ماہ قبل ان مسلمانوں نے خیبر فتح کر کے یہودی اقتدار کا عرب سے قطعاً خاتمہ کر دیا ہے۔

دراصل یہ بات سعید بن جبیر نے براہ راست ابن عباس سے نہیں سنی تھی کسی نے جو نہ معلوم کون تھا؟ ثقہ تھا یا نہیں۔ سعید کو ابن عباس کی طرف منسوب کر کے اسے سنا دیا تھا سعید نے بے سوچے سمجھے اسے روایت کر دیا کیونکہ ان راویان اخبار کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع** کی پروا نہ تھی پس اپنے علامہ ہونے کا ثبوت دینے کے لئے روایات بیان کرتے رہتے تھے اب سنیئے ابوداؤد سجزی نے کہا ہے۔

حدثنا مسدد ثنا حماد بن زید عن ایوب عن سعید بن جبیر انه حدث عن ابن عباس قال قدم رسول الله ﷺ واصحابه مكة وقد وهنتهم حمى يثرب فقال المشركون انه يقدم عليكم قوم قد وهنتهم الحمى ولقوا منها شرا فاطلع الله سبحانه نبيه ﷺ على ما قالوه فامرهم ان يرملوا الاشواط الثلاثة وان يمشوا بين الركنين فلمارأوهم رملوا قالوا هؤلاء الذين ذكرتم ان الحمى قد وهنتهم. هؤلاء اجلد منا. قال ابن عباس ولم يأمرهم ان يرملوا

یعنی عطاء نے کہا ہے اگر روزہ دار شخص کلی کر کے جو کچھ اس کے منہ میں پانی ہے منہ سے باہر ڈال دے پھر اپنا تھوک اور جو اس کے منہ میں ہے اسے نگل لے تو اس سے روزہ خراب نہیں ہوتا بخاری کی ذکر کی ہوئی اس عبارت میں ریقہ معطوف علیہ ہے حرف عطف کے بعد ما موصول ہے جو صلہ سے مل کر معطوف ہے معطوف علیہ و معطوف مل کر فعل یزدرد کا مفعول بہ ہے اس قول کی رو سے روزہ دار کے دانتوں میں کلی کرنے کے بعد روٹی یا بوٹی کا کوئی ٹکڑا یا اور کوئی کھانے کی چیز الجھی ہوئی رہ جائے تو اسے نگل جانے سے روزہ خراب نہ ہوگا۔

لیکن بخاری سے عطاء کا قول نقل کرنے میں فاش غلطی ہوئی ہے صحیح سند کے ساتھ ابن جریج سے مروی ہے کہ **قلت لعطاء الصائم یمضمض ثم یزدرد ریقه وهو صائم؟ قال لایضره وماذا بقي في فیه؟** میں نے عطاء سے پوچھا روزہ دار شخص کلی کر کے اپنا تھوک نگلے۔ کہا کوئی حرج نہیں تھوک نگلنے سے اس کے روزے میں کوئی خرابی نہ آئے گی۔ اور اس کے منہ میں رہا ہی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جملہ استفہامیہ انکاریہ ہے یعنی اس کے منہ میں نہ کھانے کی کوئی چیز ہے نہ پینے کی۔ بخاری سے یہ غلطی ہوگئی شدید و فاش غلطی کہ ذا کو اڑا کر ما کو موصولہ بنا دیا۔ حالانکہ عطاء کے قول میں ماذا کلمہ استفہام ہے۔

(۱۱۱) اپنے والد عبداللہ کا قرضہ بے باق کرنے کے متعلق حضرت جابرؓ کی حدیث

امام بخاری اور دیگر محدثین نے بجز امام مسلم کے حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ ان کے والد عبداللہ شہید احد کے ذمہ چند یہودیوں کا قرض تھا۔ فصل آنے پر اپنے نخلستان میں جابر کو اتنے کھجور نظر نہ آئے کہ ان کا قرض ادا ہو سکے۔ مہلت دینے پر وہ راضی نہ ہوئے۔ خدمت اقدس میں آ کر عرض کیا کہ آپ ان سے میری سفارش کر کے مہلت دلوا دیں مگر انہوں نے آپ کی سفارش قطعاً نہ مانی۔ آخر حضور اکرم ﷺ کی دعا سے کھجوروں میں اتنی برکت

ہوئی کہ سارا قرض بھی بے باق ہوگیا اور بہت کچھ بچ بھی رہا یہ قصہ متعدد طرق سے مروی ہے امام بخاری نے صحیح میں ۱۳ جگہ یہ قصہ ذکر کیا ہے لیکن اس کی تفصیلات میں روایات بے حد مختلف ومتعارض ہیں۔ جن میں تطبیق وترجیح دونوں ناممکن ہیں۔ امام مسلم نے **بحکم اذا تعارضت تساقطت** تمام روایات کو نظر انداز کر دیا ہے ان روایات کا مطالعہ ہمیں اسی نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ یہ قصہ ایک اَن ہونی کہانی اور بے حقیقت افسانہ ہے تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری ۸ میں ان روایات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ دیکھئے ص ۲۷۶ تا ص ۲۸۴) یہاں میں اس کا خلاصہ ذکر کر رہا ہوں۔ یہ قصہ عامر بن شراحیل شعبی فرزند کعب بن مالک اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ ومحمد بن وھب بن کیسان وابراہیم بنکد روابوالتوکل وعمار بن ابیعمار وبیع عنزی وابویزید سے مروی ہے۔

شعبي کی حدیث

شعبي سے **فراس بن یحی ومغیرہ بن مقسم وزکریا بن ابی زائدہ** نے روایت کی ہے۔

فراس کی روایت یہ ہے کہ شعبي نے کہا:—

حدثنی جابر بن عبدالله الانصاری ان اباه استشهد یوم احد وترک ست بنات وترک علیه دینا فلما حضر جذاذ لنخل اتیت رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله قد علمت ان والدی استشهد یوم احد وترک علیه دینا کثیراً وانی احب ان یراک الغرماء. قال اذهب فبیدز کل تمر علی ناحیة ففعلت ثم دعوته فلما نظروا الیه اغروا بی تلک الساعة فلما رأی ما یصنعون طاف حول اعظمها بیدرا ثلاث مرات ثم جلس علیه ثم قال ادع اصحابک فما زال یکیل لهم حتی ادی الله امانة والدی. وانا والله راضی ان یؤدی الله امانة والدی ولا ارجع الی اخواتی تمرة فسلم والله البیادر کلها حتی انی انظر الی البیدر الذی علیه رسول الله ﷺ کانه لم ینقص تمرة واحدة.

(صحیح بخاری ص ۳۹۰ آخر کتاب الوصایا، ص ۵۸۰ کتاب المغازی غزوة احد)

نسائی نے بھی کتاب الوصایا میں اس کی روایت کی ہے مگر اس میں سقوط ہے۔

مغیرہ سے جریر بن عبدالحمید و ابوعوانہ نے جریر کی روایت یہ ہے:

توفی عبدالله بن عمرو بن حرام وعليه دين فاستعنت النبى ﷺ على غرمائه ان يضعوا من دينه فطلب نبى الله ﷺ اليهم فلم يفعلوا. فقال لى النبى ﷺ اذهب فصنف تمرك اصنافا. العجوة على حده وعذق ابن زيد على حدة ثم ارسل الى ففعلت ثم ارسلت الى النبى ﷺ فجلس على اعلاه او فى وسطه ثم قال كل للقوم فكلتهم حتى اوفيتهم الذى لهم وبقى تمرى كأنه لم ينقص منه شئى.

(صحیح بخاری ص ۲۸۶ کتاب البیوع باب الكيل على البائع والمعطى مسند احمد ۳ ص ۳۱۳۔ سنن نسائی کتاب الوصايا وقضاء الدين قبل الميراث ابو عوانہ کی روایت میں ہے فقعد وقال لكل رجل حتى استوفى، صحیح بخاری ص ۳۲۴۔ کتاب الاستقراض، باب اذا قرضه الى اجل مسمى او اجله فى البيع)

جرید کی روایت میں ہے کہ حضرت جابر نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قرض خواہوں کو ناپ کر ان کا حق ادا کیا اور ابوعوانہ کی روایت میں فراس کی روایت کی طرح یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ناپ کر دیا۔

زکریا بن ابی زائدہ سے بواسطہ ابونعیم امام احمد و بخاری نے روایت کی ہے ابونعیم نے کہا:

حدثنا زكريا ثنى عامر (الشعبى) ثنى جابر ان اباه توفى وعليه دين فاتيت النبى ﷺ وقلت ان ابى ترك عليه دينا وليس عندى الا ما يخرج نخله ولا يبلغ ما يخرج سدس ما عليه فانطلق معى لكيلا يفحش على الغرماء فمشى حول بيدر من بيادر التمر فدعا وجلس عليه وقال اين غرماءه فاوفاهم الذى لهم وبقى مثل الذى اعطاهم.

(مسند ۳ ص ۳۶۵)

یعنی جابر نے نبی ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا کہ میرے والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑا

ہے۔میرے پاس بس وہی ہوگا جونخلستان سے پیداوار ہو۔اور نخلستان کے کھجور قرض کے چھٹے حصے کو بھی نہ پہنچیں گے (لامحالہ ادائے قرض کے لیے مجھے مہلت درکار ہے) آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ قرض خواہ مجھ سے بدکلامی نہ کریں۔آپ نے کھجور کے ڈھیروں میں سے ایک ڈھیر کے گرد چکر لگایا۔دعا فرمائی اور اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا قرض خواہ کہاں ہیں؟ پس آپ نے ان کا حق واجب پورا ادا کردیا اور جتنا انہیں دیا تھا اتنا ہی جابر کے لئے بچ رہا۔یہ امام احمد کی روایت ہے اور واضح المعنی ہے۔بخاری کی روایت میں ہے:

ولا یبلغ ما یخرج سنین ما علیہ" فمشی حول بیدر من بیادر التمر فدعا ثم اخر ثم جلس علیہ فقال انزعوہ.

(صحیح بخاری ص۵۰۶ کتاب المناقب، علامات النبوۃ فی الاسلام)

بخاری کی اس روایت میں کئی غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے یہ حدیث مہمل و بے معنی ہوگئی ہے۔سدس کی بجائے سنین کہہ دیا ہے ثم اخر کا اضافہ کردیا ہے پھر انزعوہ کہا ہے۔ابونعیم کی مجلس میں بخاری کو شاید آخر میں جگہ ملتی تھی اس لئے ابونعیم کی بیان کی ہوئی حدیث کو سننے اور لکھنے میں بخاری سے بہت غلطیاں ہوئی ہیں۔

زکریا سے اسحاق الازرق نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اس کی تخریج نسائی نے فرمائی ہے اس میں ہے:

فاتی رسول اللہ ﷺ یدور بیدراً بیدراً فسلم حولہ ودعا لہ. ثم جلس علیہ ودعا الغرام فاوفاھم وبقی مثل ما اخذوا۔

(سنن نسائی۔کتاب الوصایا باب قضاء الدین قبل المیراث)

اس میں یدور بیدراً بیدراً فسلم حولہ غلط و مہمل عبارت ہے۔

فرزند کعب بن مالک کی روایت۔بخاری نے کہا ہے:

حدثنا عبدان انا عبداللہ انا یونس وقال اللیث حدثنی یونس عن ابن شھاب۔

اس اسناد کا مطلب یہ ہے کہ ابن شہاب زہری سے یونس بن یزید نے اس سے عبداللہ

بن مبارک ولیث بن سعد نے عبداللہ بن مبارک سے عثمان بن جبلہ مروزی نے جس کا لقب عبدان ہے اس سے موصولا اور لیث سے تعلیقاً بخاری نے روایت کی ہے۔ زہری نے کہا:

حدثنی ابن کعب بن مالک ان جابر بن عبدالله اخبره ان اباه قتل یوم احد شهیدا فاشتدالغرماء فی حقوقهم فاتیت رسول الله ﷺ فکلمته فسألهم ان یقبلوا ثمر حائطی ویحللوا ابی فابوا فلم یعطهم رسول الله ﷺ حائطی ولم یکسره ولکن قال ساغدو علیک. قال فغدا علینا حین اصبح فطاف فی النخل فدعا فی ثمره بالبرکة فجددتها فقضیتهم حقوقهم وبقی لنا من ثمرها بقیة ثم جئت رسول الله ﷺ وهو جالس فاخبرته بذلک فقال لعمر اسمع وهو جالس یا عمر. فقال عمر الا یکون قد علمنا انک رسول الله والله انک لرسول الله.

(صحیح بخاری ص ۳۵۴ کتاب الهبة باب اذا وهب دینا علی رجل)

مجھے کعب بن مالک کے بیٹے نے بتایا کہ جابر بن عبداللہ نے اسے خبر دی کہ ان کے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے تو قرض خواہوں نے سخت تقاضہ کیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق گفتگو کی۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ جابر کے باغ میں جو کھجور ہیں سب قبول کر کے جابر کے باپ کو قرض سے بری قرار دیدو۔ (ان کی نگاہ میں باغ کے کل کھجور ان کے مطالبات سے کم تھے اس لئے) انہوں نے اسے منظور نہ کیا اس لئے آپ نے نہ ان سے باغ کی کل پیداوار پہ معاملہ کیا نہ کسی جز پر بلکہ مجھ سے فرمایا کہ کل صبح تمہارے باغ میں آؤں گا حسب وعدہ تشریف لائے تو باغ میں چکر لگایا اور دعا کی کہ یا رب اس کے پھلوں میں برکت عطا کر۔ پس میں نے پھل توڑے تو ان سب کا قرض نمٹا دیا۔ اور کچھ پھل ہمارے لئے بھی بچ رہے پھر میں نے رسول اللہ کے پاس حاضر ہو کر اس کی خبر دی تو آپ نے عمر سے جو وہیں بیٹھے تھے فرمایا اے عمر سن لو۔ حضرت عمر نے عرض کیا یہ نہ ہوگا۔ یعنی یہ تو ہونا ہی تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ روایت بتا رہی ہے کہ قرض خواہوں کا قرض آپ کے

سامنے ادا نہیں کیا گیا تھا۔ آپ تو دعائے برکت فرما کر باغ سے واپس آ گئے تھے آپ کے بعد جابر نے پھل توڑے اور قرض خواہ کا قرض بے باق کیا پھر آ کر آپ کو اس کی خبر دی۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث شعبی کی حدیث کے قطعاً خلاف ہے۔ دونوں کے تناقض کو نہ تطبیق سے رفع کیا جا سکتا ہے نہ ترجیح سے۔

وھب بن کیسان کی روایت

وھب سے ھشام بن عروہ وعبیداللہ بن عمر بن حفص نے ھشام سے انس بن عیاض وشعیب بن اسحاق نے انس کی روایت یہ ہے کہ حضرت جابر نے وھب بن کیسان کو بتایا:

ان اباه توفي وترک علیه ثلاثین وسقا لرجل من الیهود فاستنظره جابر فابی ان ینظره فکلم جابر بن عبدالله رسول الله ﷺ لیشفع له الیه فجائه رسول الله ﷺ فکلم الیهودی لیأخذ تمر نخله بالتی له فابی فدخل رسول الله ﷺ النخل فمشی فیها ثم قال لجابر جد له فاوف له الذی له فجده بعد ما رجع رسول الله ﷺ فاوفاه ثلاثین وسقا وفضلت له سعة عشر وسقا فجاء جابر رسول الله ﷺ لیخبره بالذی کان فوجده یصلی العصر فلما انصرف اخبره بالفضل فقال اخ ر بذاک ابن الخطاب. فذهب جابر الی عمر فاخبره فقال له لقد علمت حین مشی فیها رسول الله ﷺ لیبارکن فیها۔

(صحیح بخاری ص۳۲۲ کتاب الاستقراض باب اذا قاص او جازفه فی الدین فهو جائز)

کہ ان کے والد کی وفات ہوئی اور ان پر ایک یہودی کے تیس وسق یعنی پندرہ سو صاع کھجور قرض تھے۔ جابر نے اس سے مہلت مانگی۔ اس نے نہ مانا۔ جابر نے رسول اللہ ﷺ سے گذارش کی کہ آپ اس یہودی سے سفارش کر دیں آپ نے اس کے پاس جا کر بات کی کہ اپنے قرض کے عوض جابر کے نخلستان کے سب کھجور لے لے۔ اس نے نہ مانا تب آپ نے جابر کے باغ میں جا کر اس کی سیر کر کے جابر سے فرمایا کہ پھل توڑ کر اس کا پورا قرضہ چکا دو جابر نے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد پھل توڑ کر اسے تیس وسق دیدیے اور جابر کے لئے سترہ وسق یعنی ایک

ہزار اور بیس صاع بچے رہے جابر اس کی خبر دینے کے لیے حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ کو نمازِ عصر ادا کرتے ہوئے پایا۔ نماز سے فارغ ہو جانے پر آپ کو اس سے مطلع کیا۔ فرمایا عمر بن خطاب کو بھی جا کر یہ خبر سنا دو۔ جابر نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت عمر نے کہا جس وقت رسول اللہ ﷺ تمہارے باغ میں چلے پھرے ہیں تبھی میں نے جان لیا تھا کہ اس میں ضرور برکت دی جائے گی۔

اس میں بھی زہری کی روایت کی طرح یہ مذکور ہے کہ باغ سے آپ کی واپسی کے بعد ہی جابر نے پھل توڑے اور قرضہ نمٹایا پھر آ کر آپ کو اس کی خبر دی لیکن شعبی و زہری کی روایت کے برخلاف اس میں ہے کہ قرضہ ایک یہودی کا تھا اور تیس وسق کھجور تھا۔ مگر زہری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رسول اللہ کے پاس ہی بیٹھے تھے جب جابر نے آ کر آپ کو خوشخبری سنائی تھی تو آپ نے فرمایا اسمع یا عمر۔ اور اس میں ہے کہ عمر چلے گئے تھے آپ نے جابر سے فرمایا کہ جا کر عمر بن خطاب کو بھی یہ خبر سنا دو۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں قطعاً متعارض ہیں شعیب بن اسحاق کی روایت ابن ماجہ نے اسی طرح نقل کی ہے بس دو باتوں میں انس بن عیاض کی روایت سے مختلف ہے۔ شعیب کی روایت میں ہے کہ یہودی کو ۳۰ وسق دیدینے کے بعد جابر کے لئے بارہ وسق بچے تھے یعنی سات سو بیس صاع۔ اور اس میں ہے کہ جابر جب آنحضور ﷺ کو خوشخبری سنانے کے لئے آئے تو آپ موجود نہ تھے کہیں تشریف لے گئے تھے۔ آپ کی واپسی پر خوشخبری سنائی (سنن ابن ماجہ ص ۱۷۷ طبع ھند ابواب الصدقات باب اداء الدین عن المیت)

عبید اللہ بن عمر بن حفص کی روایت یہ ہے

عن وهب بن كيسان عن جابر بن عبدالله قال توفي ابي وعليه دين فعرضت على غرمائه ان يأخذوا التمر بما عليه ولم يروا ان فيه وفاء فاتيت النبي ﷺ فذكرت ذلك له فقال اذا جددته فوضعته في الجريد اذنت رسول الله. فجاء ومعه ابوبكر وعمر فجلس عليه فدعا بالبركة ثم قال ادع غرمائك فاوفهم. فما تركت احدا له على ابي دين الا قضيه وفضل ثلاثة عشر وسقا سبعة عجوة وستة لون اوستة عجوة وسبعة لون. فوافيت مع رسول الله ﷺ

المغرب فذكرت ذلک له فضحک فقال ائت ابا بکر وعمر فاخبرهما فقالا لقد علمنا اذ صنع رسول الله ﷺ ما صنع ان سیکون ذلک. (صحیح بخاری ص ۳۷۴ اواخر کتاب الصلح)

اس میں تصریح ہے کہ قرض خواہ کئی تھے اور یہ کہ جب جابر نے پھل توڑ کر کھلیاں میں رکھ دیے ہیں تب رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر وعمر کے ساتھ وہاں جا کر کھجوروں پر بیٹھ کر دعائے برکت کی ہے باغ میں گھومنے یا کھجور کے گرد چکر لگانے کا ذکر نہیں ہے آپ دعا کر کے جابر کو ہدایت فرما کر کہ قرض خواہوں کو بلا کران کا حق ادا کر دو واپس ہو گئے ادائے قرض کے بعد جابر کو ۱۳ اوسق بچ گئے یعنی سات سوای ضائع۔ جابر نے آپ کے پاس مغرب کے وقت آ کر بعد مغرب مطلع کیا۔ فرمایا کہ ابوبکر وعمر کو بھی جا کر بتادو۔

وھب بن کیسان نے یہ قصہ ھشام بن عروہ کو اور عبیداللہ بن عمر کو الگ الگ انداز سے سنایا تھا۔ حالانکہ قصہ ایک راوی ایک پھراختلاف کے کیا معنی؟

ابراہیم بن عبدالرحمٰن کی روایت

ابوحازم سلمہ بن دینار نے ابراھیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ سے اور اس نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ:

کان بالمدینة یهودی و کان یسلفنی فی تمری الی الجداد و کانت لجابر الارض التی بطریق رومة فجلست فخلاعاما. فجاء نی الیهودی عند الجذاذ ولم اجذمنها شیئا فجعلت استنظره الی قابل فیابی فاخبر بذلک النبی ﷺ فقال لاصحابه امشوا نستنظر لجابر من الیهودی فجاؤونی فی نخلی فجعل النبی ﷺ یکلم الیهودی فیقول ابا القاسم لا انظر فلما راه النبی ﷺ قام فطاف فی النخل ثم جائه فکلم فابی فقمت فجئت بقلیل رطب فوضعت بین یدی النبی ﷺ فاکل ثم قال این عریشک یاجابر فاخبرته فقال

افرش لی فیه ففرشت له فدخل فرقد ثم استیقظ فجئته بقبضة اخری فاکل منها ثم قام فکلم الیهودی فابی علیه فقام فی الرطاب فی النخل الثانیة ثم قال یا جابر جدواقض فوقف فی الجداذ فجددت ما قضیته وفضل مثله فخرجت حتی جئت النبی ﷺ فبشرته فقال اشهد انی رسول الله.

(صحیح بخاری ص ۸۱۸ کتاب الاطعمة باب الرطب والتمر)

ابراہیم بن عبدالرحمٰن مخزومی حضرت ابوبکر کے نواسے ہیں اورام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے۔ان کی والدہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں۔ابوحازم کا بیان ہے کہ جابر نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن کو بتایا تھا کہ مدینہ میں ایک یہودی مجھے ادھار کھجور دیا کرتا تھا۔میں فصل پر اسے ادا کردیتا۔ایک سال میں ادا نہ کرسکا۔پھر جب فصل آئی اور پھل توڑنے کا وقت آیا تو وہ یہودی میرے پاس آیا ہنوز میں نے پھل نہ توڑے تھے میں آئندہ فصل تک کے لئے اس سے مہلت مانگنے لگا وہ راضی نہ ہوتا تھا۔اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا چلو یہودی سے جابر کے لئے مہلت مانگیں۔چنانچہ میرے باغ میں تشریف لے آئے یہودی سے بات کرنے لگے وہ کسی طرح مہلت دینے پر آمادہ نہ ہوا یہ حال دیکھ کر آپ کھڑے ہوئے نخلستان میں چکر لگایا۔آ کر پھر یہودی سے بات کی۔اس نے نہ مانا۔میں نے اٹھ کر تھوڑے سے تازہ کھجور لاکر آپ کے سامنے رکھے۔تناول فرما کر پوچھا تمہاری جھونپڑی کہاں ہے۔اس میں میرے لئے بستر بچھادو۔آپ نے آرام فرمایا بیدار ہوئے تو میں ایک مٹھی تازہ کھجوراور لے آیا۔اس میں سے بھی کچھ کھایا۔اٹھ کر پھر یہودی سے بات کی۔اس نے قطعاً انکار کردیا آپ دوبارہ نخلستان میں گھومے پھرآ کر فرمایا جابر پھل توڑ کر اس کا قرض نمٹادو۔میں نے قرض بھی نمٹادیا اوراتنا ہی مجھے بچ بھی رہا میں نے آ کر آپ کو خوشخبری سنائی فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

بخاری کی اس حدیث میں جابر کے والدہ کا ذکر نہیں۔یہ مذکور ہے کہ خود جابر پر یہودی کا قرضہ تھا۔اورایک ہی یہودی کا ذکر ہے۔ظاہر ہے کہ یہ حدیث دیگر حدیثوں سے بالکل مختلف ہے۔

محمد بن منکدر کی روایت

شعبہ سے ابوالولید اور بشر بن مفضل نے روایت کی ہے کہ محمد بن منکدر نے کہا:

سمعت جابرا یقول اتیت النبی ﷺ فی دین کان علی ابی فدققت الباب فقال من ذا؟ فقلت انا فقال انا انا کانه کرهها.

میں ایک قرض کے بارے میں جو میرے والد پر تھا گذارش کرنے کے لئے نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ گھر میں تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں (یہ نہیں کہا کہ جابر ہے) فرمایا میں میں یعنی آپ کو یہ پسند نہ آیا۔

ابوالولید کی روایت صحیح بخاری ص ۹۲۳ کتاب الاستیذان میں ہے اور بشر بن مفضل کی روایت سنن ابی داؤد کتاب الادب میں ہے (باب فی الاستیذان)

یہ حدیث صحیح ہے مگر اس میں "فی دین کان علی ابی" غلط ہے ابوالولید اور بشر بن مفضل نے وہما کہہ دیا ہے۔

کیونکہ عفان بن مسلم وسعید بن ربیع اور وکیع ونضر بن شمیل وابو عامر عقدی ووھب بن جریر وبھز بن اسد وعبداللہ بن ادریس نے بھی شعبہ سے اس کی روایت کی ہے۔ ان آٹھوں ثبت وثقہ حضرات میں سے کسی نے بھی "فی دین کان علی ابی" ذکر نہیں کیا۔

عفان کی روایت مسند احمد میں ہے (ج ۳ ص ۳۶۳) سعید بن ربیع کی سنن دارمی میں (ص ۳۵۱ طبع ھند کتاب الاستیذان بقیہ چھ اشخاص کی روایت صحیح مسلم میں ہے (ج ۳ ص ۳۵۱ طبع مصر) اس قصہ کے یہ طرق تو صحیح بخاری میں ہیں۔ رہی ابوالمتوکل ناجی کی روایت تو وہ مسند احمد میں ہے (مسند ۳ ص ۳۷۳) اور عمار بن ابی عمار کی روایت مسند احمد وسنن نسائی میں ہے۔ (مسند ۳ ص ۳۹۱ سنن نسائی کتاب الوصایا، قضاء الدین قبل المیراث)

نبیح عنزی کی روایت دارمی واحمد نے تخریج کی ہے۔ (سنن دارمی ص ۱۴ طبع ہند مسند ۳ ص ۳۹۷)

ابو یزید کی روایت بھی مسند میں ہے (ج ۳ ص ۳۹۵) یہ روایات چونکہ صحیح بخاری میں

نہیں ہیں اس لیے میں انہیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا یوں بھی ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باہم بوجوہ متعارض ہونے کے ساتھ یہ سب موضوع ہیں۔ نہ ان کی سندیں لائق التفات ہیں نہ ان کی متون میں صحت کا شائبہ ہے۔

(۱۱۱) حضرت ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ابوھریرہ سے مروی حدیث

یہ حدیث عبدالرحمان بن ھرمز اعرج اور محمد بن سیرین نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اعرج کی روایت

اعرج سے ابوالزناد یعنی عبداللہ بن ذکوان نے اس سے شعیب بن ابی حمزہ اور ورقاء بن عمر یشکری نے۔ شعیب کی روایت صحیح بخاری میں ہے:

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب قال اخبرنا ابوالزناد عن الاعرج عن ابی ھریرہ قال قال النبی ﷺ ھاجر ابراھیم بسارۃ فدخل بھا قریۃ فیھا ملک من الملوک او جبار من الجبابرۃ. فقیل دخل ابراھیم بامراۃ ھی من احسن النساء فارسل الیہ ان یا ابراھیم من ھذہ التی معک. قال اختی ثم رجع الیھا فقال لاتکذبی حدیثی فانی اخبرتھم انک اختی. واللہ ان علی الارض من مؤمن غیری وغیرک فارسل بھا الیہ فقام الیھا فقامت توضأ وتصلی فقالت اللھم ان کنت امنت بک وبرسولک واحصنت فرجی الاعلی زوجی فلا تسلط علی الکافر فقط حتی رکض برجلہ قال الاعرج قال ابو سلمۃ بن عبدالرحمن ان ابا ھریرۃ قال قالت اللھم ان یمت

يقل هي قتلت فارسله ثم قام اليها فقامت توضا وتصلي وتقول اللهم ان كنت آمنت بك وبرسولك واحصنت فرجي الاعلى زوجي فلا تسلط على هذا الكافر فقط حتى ركض برجله قال عبدالرحمن قال ابو سلمة قال ابوهريرة فقالت اللهم ان يمت يقل هي قتلته فارسل في الثانية او في الثالثة. فقال والله ماارسلتم الي الاشيطانا. ارجعوها الى ابراهيم واعطوها اجر. فرجعت الى ابراهيم فقالت اشعرت ان الله كبت الكافر واخدم وليدة.

(ص ۲۹۵، كتاب البيوع باب شرى المملوك من الحربي وهبته وعيقه)

بخاری نے کہا ہم سے بیان کیا ابوالیمان حکم بن نافع نے کہ ہمیں بتایا شعیب نے کہ ہمیں بتایا ابوالزناد نے عبدالرحمٰن اعرج سے روایت کر کے۔ اس نے ابوھریرہ سے۔ کہا کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ حضرت ابراہیم اپنی بیوی کو سارہ کے ساتھ لے کر وطن سے نکل گئے تو ایک بستی میں داخل ہوئے جس میں ایک بادشاہ تھا یا یہ فرمایا کہ اس میں ایک ظالم حکمران تھا۔ اس سے کہا گیا کہ ابراہیم نامی ایک پردیسی ایک نہایت خوبصورت عورت کے ساتھ یہاں وارد ہوا ہے (اس ظالم حکمران نے شہر کے دروازے پر تعینات لوگوں کو حکم دے رکھا تھا کہ کوئی پردیسی کسی خوبصورت عورت کے ساتھ آئے جو اس کی بیوی ہو تو اسے قتل کر کے عورت کو ہمارے پاس لے آؤ اور بہن ہو تو اسے قتل نہ کرنا بس عورت کو اس سے لے کر ہمارے پاس پہنچا دو۔ ایک دو رات اسے اپنے پاس رکھ کر ہم اسے اس کے بھائی کو واپس دیدیں گے) اسی دستور کے مطابق اس ظالم نے پچھوایا کہ اے ابراہیم یہ عورت جو تیرے ساتھ ہے تیری کیا لگتی ہے (حضرت ابراہیم کو اس ظالمانہ قانون کا علم ہو گیا تھا اپنی جان بچانے کی غرض سے) کہہ دیا کہ میری بہن ہے (کہا گیا کہ تو یہیں رک اسے ہم بادشاہ کے پاس لے جائیں گے) حضرت ابراہیم نے سارہ کو صورت حال سے آگاہ کر کے فرمایا کہ مجھے نہ جھٹلانا میں نے تمہیں اپنی بہن بتایا ہے اللہ کی قسم روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے یہ فہمائش کر کے سارہ کو اس کی طرف روانہ کر دیا۔ وہ (خلوت گاہ میں) ان کی طرف اٹھا تو وہ اٹھ کر وضو کرنے اور نماز پڑھنے لگیں تو اللہ سے عرض کیا میرے معبود

اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور پارسا رہی ہوں تو اس کافر کو مجھ پر قابو نہ دے یکا یک اس ظالم کا گلا بھنچ گیا۔ (آواز بھی نہ نکل سکی) حتیٰ کہ اس نے زمین میں پاؤں مارے یعنی تڑپنے لگا۔ اس کا حال زار دیکھ کر سارہ گھبرا کر بولیں۔ میرے معبود اگر یہ مرجائے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اس عورت نے اسے قتل کیا ہے سارہ کے یہ کہنے سے وہ غیبی گرفت سے چھوڑ دیا گیا وہ دوبارہ ان کی طرف برے ارادہ سے اٹھا وہ اٹھ کر وضو کرنے اور نماز پڑھنے لگیں اور اللہ سے وہی بات عرض کی کہ اے معبود اگر میں تجھ پر اور تیرے نبی پر ایمان لائی ہوں اور پارسا رہی ہوں تو اس کافر کو مجھ پر قابو نہ دے۔ وہ فوراً پھر غیبی گرفت میں آگیا حتیٰ کہ پاؤں زمین پر مارنے لگا۔ اس کا حال زار دیکھ کر سارہ نے پھر کہا خدایا مرجائے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اس عورت نے اسے قتل کر دیا۔ غیبی گرفت نے پھر اسے چھوڑ دیا ایسا دو بار یا تین بار ہوا۔ آخر اس نے زچ ہو کر اپنے لوگوں سے کہا تم نے تو میرے پاس ایک شیطان بھیج دیا ہے۔ اسے لے جا کر ابراہیم کے حوالہ کر دو اور وہ ہمارے محل میں اجر نام کی جو لڑکی ہے اسے دیدو۔ سارہ نے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جا کر کہا کیا آپ کو پتہ ہے (یعنی آپ کو معلوم ہونا چاہئے) کہ اللہ نے کافر کو ذلیل کر دیا اور اس نے خدمت کے لیے ایک باندی دیدی۔

شروع سے آخر تک یہ پورا قصہ غلط ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کا ذکر فرمایا ہوا قصہ نہیں ہے۔ اس قصہ کے ترجمہ میں قوسین کے درمیان میں نے جو عبارت لکھی ہے۔ وہ اس حدیث میں لفظاً مذکور نہیں ہے لیکن اس کے بغیر قصہ بنتا نہیں ہے اس قصہ کے باطل ہونے پر دلالت کرنے والے نہایت واضح دلائل یہ ہیں۔

(۱) اس میں تصریح ہے کہ یہ قصہ حضرت ابراہیم کے ہجرت کر جانے یعنی وطن چھوڑ دینے کے بعد پیش آیا تھا اب ذرا سوچیے تو سہی اللہ کا جو بزرگ مرتبہ بندہ اپنے وطن شہر میں وہاں کے عظیم الشان بادشاہ نمرود اور اس کی فوجوں سے وطن کے تمام پنڈتوں پروہتوں اور مذہبی پیشواؤں سے قطعاً مرعوب نہ ہوا تھا جس نے بھرے دربار میں نمرود کو اپنی حجت سے مبہوت و ششدر کر دیا تھا جو آگ کے بھڑکائے ہوئے زبردست الاؤ سے جو اسے زندہ جلا ڈالنے کے لیے تیار کیا گیا تھا

ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوا تھا جس کی پامردی واستقامت اور پرزور دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں اسے سچے پکے اور حق کوش متبعین کی ایسی زبردست۔ نڈر اور مخلص جماعت مل گئی تھی جسے باطل واہل باطل سے بیزاری ودشمنی اختیار کرنے میں حق تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے صحابہ کرام کے سامنے بطور نمونہ ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ تم مؤمنین کے لیے اس جماعت کے کردار میں اسوۂ حسنہ ہے (سورۂ ممتحنہ) ممکن نہیں کہ وہ ایک ظالم حکمراں سے اتنا خوفزدہ ہو جائے کہ خود بھی جھوٹ بول کر بیوی کو اپنی بہن بتائے اور بیوی کو بھی اس جھوٹ میں اپنی موافقت کرنے کی تاکید کرے اور اس ظالم کے اس خبیث قانون کے خلاف کوئی احتجاج کرنے اور پند ونصیحت فرمانے کے بجائے اس کے سامنے سرتسلیم خم کردے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر پہنچے ہیں جہاں کا یہ قصہ بتایا جاتا ہے تو ان کی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینسٹھ سال ہو چکی تھی ایسی سن رسیدہ عورت خواہ صحتمند ہو اور جوانی میں حسن وجمال کے لحاظ سے یکتائے روزگار رہی ہو لیکن ظاہر ہے کہ ایک عیاش بادشاہ اس کا گرویدہ نہیں ہو سکتا تھا۔

(۳) اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے بیوی کو بہن بتانے کی توجیہ میں حضرت سارہ سے قسم کھا کر کہا تھا واللہ ان علی الارض مؤمن غیری وغیرک زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے'' یہ کیسے درست ہو سکتا ہے لوط علیہ السلام جو حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے اس سفر میں ساتھ ہی تھے کیونکہ مصر سے کنعان پہنچنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط کو سدوم کی طرف بھیجا تھا۔ پھر شاید ابوھریرہ کو سورۃ الممتحنہ یاد نہ تھی یا اس آیت سے ذہول ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے خطاب کرکے فرمایا ہے قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برئاء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنابکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتی تؤمنوا باللہ وحدہ'' تمہارے لیے اچھی پیروی ہے ابراہیم اور ان مسلمانوں میں جو اس کے ساتھ تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہم تم سے اور اُس سے جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں

ہم نے تمہارا انکار کیا ہے (یعنی نہ تمہارے قول کو صحیح مانتے ہیں نہ تمہارے فعل کو نہ تمہارے اقتدار کو) اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور شدید بغض ہمیشہ کے لئے آشکارا ہو چکا ہے یہاں تک کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ جو اکیلا ہے۔

یقیناً ان مؤمنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی سفر میں آنحضرت کی کوئی منزل نہ تھی بکریاں اور گائیں ساتھ تھیں جہاں سبزہ زار آتا وہاں ڈیرے ڈال دیتے۔ دوران ہجرت جو انسانی آبادیاں پڑتیں۔ ہر بستی کے باشندوں کی اصلاح فرماتے، دعوت وتبلیغ واصلاح کا کام کرتے ہوئے رفتہ رفتہ مصر پہنچ گئے۔ غرضیکہ حضرت ابراہیم وسارہ تنہا نہ تھے ان کے ساتھ کافی تعداد میں مؤمنین تھے۔ حضرت ابراہیم کے اپنے مویشی اور مؤمنین کے مویشی تھے مختلف علاقوں سے گذرنے اور دعوت واصلاح کا مسلسل کام کرنے کی وجہ سے آپ کافی مشہور ومعروف ہو چکے تھے۔ پھر آپ اپنی بیوی سارہ سے قسم کھا کر یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے۔

(۳) اس میں مذکور ہے کہ جب بھی وہ بادشاہ سارہ کی طرف اٹھا تو وہ اٹھ کر وضو ونماز میں اور پھر دعا میں مصروف ہو گئیں۔ تسلسل کے ساتھ یہ تین بار ہوا۔ تو کیا ان کا وضو اتنی جلدی ٹوٹ جاتا تھا؟ گرفت تو اس کی دعا کے بعد ہوئی۔ تو پہلی بار کے تجربہ کے بعد بھی وہ دو بار مزید انہیں وضو ونماز کی مہلت دیتا رہا؟

(۴) اعرج کی اس روایت میں تو یہ مذکور ہے کہ وہ جب بھی غیبی گرفت میں آ کر بے بس ہوا تو حضرت سارہ نے اس خیال کے تحت اللہ سے اس کی جان بخشی چاہی کہ مر جائے گا تو یہ ہی کہا جائے گا کہ اس عورت نے اسے قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ مر جاتا تو کسی کو اس کے جسم پر نہ کوئی زخم نظر آتا نہ چوٹ لگی ہوئی دکھائی دیتی پھر حضرت سارہ اس خیال کے تحت اللہ سے اس کی جان بخشی کیوں چاہتیں۔

یہ تو اعرج کی روایت میں ہے اور محمد بن سیرین کی روایت میں جو آ رہی ہے یہ ہے کہ جب وہ غیبی گرفت میں بے بس ہوا تو اس نے جان لیا کہ یہ اس کی بددعا کا نتیجہ ہے اس لئے التجا

کی کہ اللہ سے میری مخلصی کی دعا کیجئے میں آپ کو کوئی تکلیف نہ دوں گا" ادعی الله لی و لا اضرک، حضرت سارہ نے مخلصی کی دعا کی اس نے بدعہدی کی اور آمادہ شر ہوا پھر گرفت میں لے لیا گیا تین بار ایسا ہی ہوا۔ قصہ ایک ہے اعرج و ابن سیرین دونوں نے ابو ہریرہ سے اس کی روایت کی تھی لامحالہ دونوں کی روایت میں مطابقت ضروری ہے، اعرج کی بہ نسبت ابن سیرین کی روایت کے اس جزء میں معقولیت ہے۔ اعرج کی ذکر کی ہوئی بات نامعقول ہے۔

(۵) اس بادشاہ کا سارہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اپنے آدمیوں سے ما ارسلتم الی الا شیطانا۔ کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے سارہ کو بری سمجھا تھا کہ انہیں شیطان صفت جادوگرنی قرار دیا لیکن آجر نامی کنیز انہیں عطا کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان کی بزرگی و خدارسیدگی کا معتقد ہوگیا تھا۔ تعجب ہے کہ ابو ہریرہ کو یہ نقل کرتے ہوئے اس میں تضاد محسوس نہ ہوا۔ حق یہ ہے کہ نہ اس نے ما ارسلتم الی الا شیطانا کہا تھا نہ اعطوھا اجر کہا تھا جیسا کہ میں انشاء اللہ واضح کروں گا۔

یہ تو شعیب کی ابوالزناد سے سنی ہوئی حدیث تھی۔ رہا ورقاء بن عمر یشکری تو اس کی روایت مسند احمد میں امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا علی بن حفص ثنا ورقاء عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرة قال: قال رسو ل الله ﷺ لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات قوله حین دعی الی آلھتھم انی سقیم وقوله بل فعله کبیرھم ھذا وقوله لسارة انھا اختی قال ودخل ابراھیم قریة الخ باقی حدیث بخاری کی روایت کی طرح ہے۔ (مسند۲ص۴۰۳)

ورقاء کی روایت کا یہ اضافہ بھی قطعاً غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خطاب کر کے سورۂ مریم میں فرمایا ہے واذکر فی الکتاب ابراھیم انه کان صدیقا نبیا اس میں حضرت ابراہیم کو صدیق بتایا ہے۔ نہایت راست گو یہ مبالغہ کا صیغہ ظاہر ہے کہ اللہ نے جس بندہ کے صدیق ہونے کی شہادت دی ہے ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے متعلق یہ فرماتے کہ اس

بندۂ برگزیدہ نے تین جھوٹ بولے تھے ہمیں یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات ہرگز نہیں کہا۔ پھر اس جاہل ورقاء بن عمر یشکری نے ان تین دروغ گوئیوں میں سے پہلی دروغ گوئی یہ بتائی ہے کہ ابراہیم نے انی سقیم (میری طبیعت خراب ہے۔ میں بیمار ہوں) کہا تھا جب ابراہیم کو ان کے معبودوں کی طرف بلایا گیا تھا معروف بات تو یہ ہے کہ پوری قوم ایک تہوار مناتی تھی۔ مرد عورت جوان، بوڑھے بچے سب اچھے اچھے کپڑے پہن کر شہر سے باہر ایک جگہ جمع ہوتے اور تفریحی مشغلوں میں مصروف رہتے۔ حضرت ابراہیم سے بھی ان کے گھر والوں اور اعزاء واقربا سے تہوار میں شرکت کے لیے چلنے کو کہا۔ آپ نے انی سقیم کہہ کر معذرت کر دی۔ ان راویوں کو شیطان نے یہ وحی کر دی کہ فی الواقع ابراہیم بیمار نہ تھے۔ ان کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی انی سقیم کہہ کر انہوں نے جھوٹا بہانہ بنایا تھا۔

دوسرا جھوٹ راویوں نے جہل و بدفہمی کی بنا پر یہ بتایا کہ بتوں کو توڑا تھا حضرت ابراہیم نے اور جب ان سے پوچھا گیا تو کہہ دیا ''بل فعله کبیرهم هذا'' بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے حضرت ابراہیم کے اس قول کو جھوٹ قرار دینا ان راویوں کے جہل و بدفہمی کا نتیجہ ہے۔ غلط روی و غلط فکری میں پڑے ہوئے شخص سے ایسی بات کہنا جو اسے غلط فکری سے نکالنے والی اور غلط روی سے باز رکھنے والی ہو بڑا عمدہ حکیمانہ اسلوب ہے۔ ایک رشوت ستاں افیسر کو کسی نے سمجھایا کہ رشوت لینا حرام ہے اس سے توبہ کر لینی چاہیے۔ بولا بچوں کی پرورش اس پر مجبور کر رہی ہے۔ اصل تنخواہ سے مصارف پورے نہیں ہوتے۔ ناصح نے کہا ہاں یہ واقعی مجبوری ہے میں نے سنا ہے کہ آپ کے ہر بچے نے پیدا ہونے سے پہلے ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ میں اس شرط پر ماں کے پیٹ سے باہر آؤں گا کہ آپ رشوت لیا کریں۔ مجھے اللہ کی رزق رسانی پر اطمینان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ناصح کی اس حکیمانہ بات کو کوئی عقلمند جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ پنڈتوں اور پجاریوں نے عوام کو باور کرا رکھا تھا کہ ان مورتیوں میں بڑی شکتیاں ہیں اور ہم سے ان کا خاص تعلق ہے۔ ہمیں خاص خاص باتیں بتاتے رہتے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے شرک و بت پرستی کو گمراہی بتایا۔ دعوت توحید دی اور فرمایا وتاالله لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین ۰ اور بخدا میں یقیناً تمہارے بتوں کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کروں گا تمہارے چلے

جانے کے بعد" چنانچہ جب وہ لوگ میلے میں چلے گئے تو آپ بڑے مندر میں پہنچے بتوں کے سامنے قسم قسم کی مٹھائیاں اور عمدہ غذائیں رکھی تھیں۔ زہر خند کرتے ہوئے فرمایا کھاتے کیوں نہیں تم تو بولتے بھی نہیں۔ **فجعلهم جذاذاً الا كبيراً لهم لعلهم اليه يرجعون**۔ پس انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بجز ان کے ایک بڑے بت کے۔ اس امید پر کہ وہ اس کی طرف لوٹیں گے۔ یعنی آپ یہ ہی چاہتے تھے کہ لوگ واپس آ کر آپ سے بت شکنی کے متعلق پوچھیں اور آپ انہیں اچھی طرح قائل کر دیں۔ واپس آ کر انہوں نے اعیانِ شہر کو بلا کر ان کے سامنے ہی پوچھا کہ او ابراہیم کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا **بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم ان كانوا ينطقون** • بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے پس تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہوں۔ یعنی دیکھو یہ بڑا بت تو صحیح وسالم ہے۔ اس کے گرد و پیش جو بت ہیں وہی مضروب ہیں بظاہر تو یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات پر خفا ہو کر بڑے نے ہی ان کی یہ گت بنائی ہے اس سے پوچھو گے تو نہیں بتائے گا کیونکہ خطا کار عموماً اپنی غلطی کا اقرار نہیں کرتا۔ ان سے ہی پوچھو یہ تو امر ہیں بس زخمی ہی تو ہو گئے ہیں اور آپ لوگ کہتے ہی ہیں کہ پروہتوں اور خاص سیوکوں کو یہ بہت سی باتیں بتا دیا کرتے ہیں۔ تو اگر واقعی یہ بولا کرتے ہیں تو خود ہی حادثہ کی تفصیل بتا دیں گے۔

اس طرح ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کامیاب تدبیر فرمائی تھی کہ بت پرستی صریح گمراہی ہے۔ بتوں میں کوئی شکتی نہیں۔ نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی قدرت نہیں اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے پھر تمہاری کیا حمایت کر سکتے ہیں۔ اپنا حال بتانے سے بھی قاصر ہیں تمہاری کیا فریاد رسی کریں گے۔

ترمذی نے ابوالزناد کی بیان کی ہوئی یہ باطل و بے ہودہ حدیث محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے:

> **"عن ابی الزناد عن عبدالرحمن الاعرج عن ابی هريره قال قال رسول الله ﷺ لم يكذب ابراهيم فی شئی قط الا فی ثلاث قوله انی سقيم ولم يكن سقيما وقوله لسارة اختی وقوله بل فعله كبيرهم**

هذا. ترمذی نے کہا: هذا حديث حسن صحيح.

(سنن الترمذی سورة الانبياء)

حالانکہ اس غلط کہانی کا صحت سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ ابوالزناد سے اس کی روایت شعیب بن ابی حمزہ نے ورقاء بن عمر نے اور ابن اسحاق نے کی ہے۔ شعیب کی روایت صحیح بخاری میں ہے ورقاء کی مسند احمد میں اور ابن اسحاق کی ترمذی کی کتاب میں۔

محمد بن سیرین کی روایت

ابن سیرین سے ایوب سختیانی وھشام بن حسان نے روایت کی ہے ایوب سے جریر بن حازم وحماد بن زید و معمر بن راشد نے۔

جریر کی روایت بخاری ومسلم دونوں نے تخریج کی ہے لیکن بخاری نے جریر وحماد دونوں کی اسناد الگ الگ ذکر کی ہے اور متن یکجا بیان کیا ہے اور مسلم نے جریر بن حازم کی ذکر کی ہوئی اسناد کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہوا متن بھی پورا نقل کیا ہے اس لیے میں صحیح مسلم میں درج شدہ متن نقل کر رہا ہوں:-

عن محمد بن سيرين عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال لم يكذب ابراهيم النبى عليه السلام قط الا ثلاث كذبات ثنتين فى ذات اله قوله انى سقيم وقوله بل فعله كبيرهم هذا و واحدة فى شان ساره. فانه قدم ارض جار ومعه سارة وكانت احسن الناس فقال لها ان هذا الجبار ان يعلم انك امرأتى يغلبنى عليك. فان سالك فاخبريه انك اختى فانك اختى فى الاسلام فانى لا اعلم فى الارض مسلما غيرى وغيرك. فلما دخل ارضه رآها بعض اهل الجبار فاتاه، فقال له لقد قدم ارضك امرأة لاينبغى ان تكون الا لك. فارسل اليها فاتى بها فقام ابراهيم عليه السلام الى الصلاة. فلما دخلت عليه لم يتمالك ان يبسط يده اليها فقبضت يده قبضة شديدة فقال لها ادعى الله ان يطلق يدى ولا اضرك.

ففعلت. فعاد فقبضت اشد من القبضة الاولی فقال لها مثل ذلک ففعلت واُطلقت یده. فعاد فقبضت اشد من القبضتین الا ولیین فقال ادعی الله ان یطلق یدی فلک الله ان لا اضرک ففعلت واطلقت یده ودعا الذی جاء بها فقال له انک انما اتیتنی بشیطان ولم تأتنی بانسان فاخرجها من ارضی واعطها اٰجر. قال فاقبلت تمشی. فلما رأٰها ابراهیم علیه السلام انصرف فقال لها مهیم. قالت خیرا کف الله ید الفاجر واخدم خادما. قال ابوهریرہ فتلک امکم یا بنی ماء السماء.

(صحیح مسلم ۴ ص ۸۹ طبع مصر کتاب الفضائل)

حماد بن زید کی روایت صحیح بخاری میں ہے۔ عن ایوب عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرہ قال لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات الخ.

(صحیح بخاری ص۴۷۴ کتاب الانبیاء ذکر ابراھیم علیه السلام)

یعنی حماد بن زید نے ایوب سے اور اس نے محمد بن سیرین سے اس نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ ابوہریرہ نے کہا کہ حضرت ابراہیم نے بس تین جھوٹ بولے تھے۔ حماد بن زید کی روایت کے مطابق یہ قصہ حدیث مرفوع یعنی نبی ﷺ کا بیان کیا ہوا نہیں ہے بلکہ ابوہریرہ کا بیان کیا ہوا ہے۔ ابوہریرہ نے یہ نہیں بتایا کہ انہیں یہ قصہ کس سے معلوم ہوا تھا۔

بخاری نے جریر بن حازم و حماد بن زید دونوں کی اسناد ذکر کر کے طالبان حدیث کی یہ بجا رہنمائی فرمائی ہے کہ جریر بن حازم چونکہ بد حفظ اور کثیر الخطا راوی تھا۔ اور حماد بن زید ثبت وثقہ ہے۔ جریر سے بدرجہا فائق و افضل ہے اس لیے حماد کی اسناد ہی صحیح و قابل اعتماد ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ ابوہریرہ کی ذکر کی ہوئی کہانی ہے۔ جریر بن حازم نے وہم و غلطی سے اسے حدیث مرفوع قرار دیدیا ہے۔ یعنی اس کی اسناد میں قال رسول اللہ ﷺ کہنا جریر بن حازم کی غلطی ہے۔ معمر کی اسناد بھی حماد بن زید کی طرح ہے معمر نے بھی یہ قصہ ابوہریرہ کی کہی ہوئی کہانی کے طور پر نقل کیا ہے (فتح الباری ج ٦)

ھشام بن حسان سے عبدالوہاب بن عطا خفاف (موزہ فروش) نے روایت کی ہے جو سنن ابی داؤد میں ہے کہا ہے:

حدثنا محمد بن المثنی ثنا عبدالوهاب ثنا هشام عن محمد بن سیرین عن ابی هریرة عن النبی ﷺ ان ابراهیم علیه السلام لم یکذب الا ثلاثا الخ.

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی الرجل یقول لامراته یا اختی)

اس کی اسناد میں عن النبی ﷺ عبدالوہاب کی غلط بیانی ہے۔ عبدالوہاب بن عطاء ضعیف وغیر ثقہ شخص تھا (تہذیب التھذیب)

پس ابوہریرہ سے یہ قصہ عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج نے اور محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے۔ اعرج نے اسے حدیث مرفوع بتایا ہے اور ابن سیرین نے اسے خود ابوہریرہ کا ذکر کیا ہوا قصہ ابن سیرین اعرج سے بدرجہا افضل اور زیادہ ثقہ تھے بس یہ سمجھنا بجا ہے کہ اسے حدیث مرفوع قرار دینا اعرج یا اس کے شاگرد ابوالزناد کا وھم ہے۔ اعرج و ابن سیرین کے بیان میں بھی اختلاف ہے۔ اعرج کی روایت زیادہ نامعقول باتوں پر مشتمل ہے۔ اور گو ابن سیرین کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ابوہریرہ نے یہ قصہ کس سے سنا تھا لیکن معلوم ہے کہ ابوہریرہ کی نومسلم یہودی کعب احبار سے دوستی تھی۔ وہ مسلمانوں میں اسرائیلی صحیفوں اور تورات کے حوالہ سے طرح طرح کی معقول وغیرہ معقول باتیں بیان کیا کرتا تھا اس کی ان روایات کی وجہ سے عام مسلمان اسے قدیم کتب انبیاء کا متبحر عالم سمجھتے تھے۔ عام مسلمانوں کے پاس اس کی کہی ہوئی باتوں کے جھوٹ سچ کو پرکھنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا کیونکہ وہ کتابیں یونانی یا عبرانی زبان میں تھیں عربی زبان میں ہنوز ان میں سے کسی کتاب کا ترجمہ نہ ہوا تھا اس کے علمی تبحر کے قائل ہوجانے کی وجہ سے ہی لوگ اُسے حبر نہیں بلکہ احبار کہا کرتے تھے یعنی وہ ان کی نظر میں ایک عالم نہیں بلکہ بہت سے علماء کا مجموعہ تھا۔ جب اسرائیلی صحیفے دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوکر چھپ کر منظر عام پر آگئے تب پتہ چلا کہ اس کی اڑائی ہوئی بہت سی روایات سرے سے ان صحیفوں میں ہیں ہی نہیں اور جو ہیں تو کعب

نے انہیں صحیح نقل نہیں کیا۔ اناپ شناپ کا کچھ کا کچھ کہہ ڈالا۔ حضرت ابو ہریرہ اور کعب دونوں بیٹھ جاتے ابوھریرکعب کو نبی ﷺ سے سنی ہوئی حدیثیں سناتے اور کعب ان سے اسرائیلی روایات بیان کرتا۔ سادگی طبع کی بنا پر ابو ہریرہ اس کی باتوں کو یاد کر لیتے۔ پھر ابو ہریرہ سے یہ غلطی ہوئی کہ کعب سے سنی ہوئی باتیں بھی ان لوگوں سے بیان کر دیتے جو حدیثیں سننے کے لئے ابو ہریرہ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ابو ہریرہ ان روایات کو بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی کعب کا نام بھی نہ لیتے تھے۔ ایسی ہی روایات میں ابو ہریرہ کے شاگردوں کو دھوکا لگا ہے کہ یہ سمجھ لیا کہ ابو ہریرہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوگی۔ انہوں نے اسے روایت کرتے ہوئے گمان کو یقین کا درجہ دیکر ''قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر دیا اعرج سے اس قصہ کو روایت کرنے میں یہی غلطی ہوئی تھی یہ قصہ ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں بلکہ کعب احبار سے سنا تھا۔ بائبل کے سفر تکوین یعنی کتاب پیدائش میں یہ قصہ مذکور ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ابراہیم لوط اپنی بیوی اور اپنے ساتھ کے آدیوں اور مویشیوں کو لے کر حاران سے رفتہ رفتہ کنعان میں پہنچے۔

اور اس ملک میں کال پڑا اور ابرام (یعنی ابراہیم) مصر کو گیا کہ وہاں ٹکا رہے کیونکہ ملک میں سخت کال تھا اور جب مصر میں داخل ہونے کو تھا تو اپنی بیوی سارہ سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے۔ مصری مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اس کی بیوی ہے سو وہ مجھے تو مار ڈالیں گے اور تجھے زندہ رکھیں گے سو تو یہ کہہ دینا کہ میں اس کی بہن ہوں تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو اور میری جان تیری بدولت بچی رہے اور جب ابرام مصر میں آیا تو مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ اور فرعون (یعنی بادشاہ مصر) کے امرا نے اسے دیکھ کر فرعون کے حضور میں اس کی تعریف کی اور وہ فرعون کے گھر میں پہنچائی گئی اور اس نے اس کی خاطر ابرام پر احسان کیا اور بھیڑ بکریاں، گائے بیل، گدھے غلام اور لونڈیاں، گدھیاں اور اونٹ اس کے پاس ہو گئے۔ پھر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان پر سارہ کے سبب سے بڑی بڑی بلائیں نازل کیں۔ تب فرعون نے ابرام کو بلا کر کہا تو نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ یہ تیری بیوی ہے۔ تو نے یہ کیوں کہا کہ یہ میری بہن ہے اسی لئے میں نے اسے اپنی بیوی بنانے کے لئے لے لیا تھا۔ سو

دیکھ تیری بیوی حاضر ہے اس کو لے اور چلا جا اور فرعون نے حکم دیا اُس کے آدمیوں نے اسے اور اس کی بیوی کو سب مال کے ساتھ روانہ کر دیا کتاب پیدائش باب ۱۲۔ آیات ۹ تا ۲۰) وہاں سے روانہ ہو کر ابرام و سارہ و لوط کنعان پہنچے ابرام اور لوط کے ساتھ اپنا مال نقد اور مویشی اس قدر تھا کہ دونوں ساتھ نہ رہ سکے۔ ابرام اور لوط کے چرواہوں میں جھگڑا ہوا تو ابرام نے لوط سے کہا مناسب یہ ہے کہ تو یہاں سے اپنے مال کو لے کر چلا جائے تاکہ ہمارے درمیان جھگڑا نہ ہو۔ اس کے مطابق لوط سدوم و عمورہ کی طرف چلا گیا۔ (پیدائش باب ۱۳۔ آیات ۱ تا ۱۳)

سارہ بے اولاد تھی۔ اس نے کنعان میں اپنی مصری لونڈی جس کا نام ہاجرہ تھا ابرام کو دیدی کہ اس سے صحبت کر ممکن ہے کوئی بچہ ہو جائے ہاجرہ حاملہ ہوگئی تو سارہ اس پر سختی کرنے لگی وہ اس کی سختیوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گئی رات کو خواب میں اسے فہمایش کی گئی کہ اپنی مالک کے پاس واپس جائے۔ آخر ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل بیٹا پیدا ہوا (پیدائش باب ۱۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کی مصری بیوی کے بطن سے تھے جن کا نام ہاجرہ تھا ان کے تقریباً گیارہ سال بعد پہلی بیوی سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت اسماعیل کی اولاد تو مکہ مکرمہ اور حجاز کے دیگر علاقوں میں آباد ہوئی اور حضرت اسحاق کی نسل جو ان کے فرزند یعقوب اسرائیل کی نسبت سے بنی اسرائیل کہلاتی ہے اولاد کنعان میں رہی پھر مصر منتقل ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدولت انہیں مصر سے چھٹکارا ملا کچھ مدت بعد انہیں ملک شام میں حکمرانی نصیب ہوئی پھر مختلف ممالک میں پھیل گئے۔ پس بنی اسماعیل و بنی اسرائیل یوں تو ایک ہی درخت کی دو شاخ ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے عہد رحمت تک دونوں میں علم کے لحاظ سے زبردست فرق رہا ہے بنی اسماعیل ان پڑھ لوگوں کی امت رہے ہیں۔ لکھنے پڑھنے سے ناآشنا اور بنی اسرائیل ہمیشہ پڑھے لوگوں کی قوم رہی ہے بنی اسرائیل خوب جانتے تھے کہ بنی اسماعیل نسل ابراہیم ہونے میں ان کے شریک ہیں لیکن چاہتے تھے کہ انہیں عالی نسبی میں بنی اسمٰعیل سے بہتر و برتر مانا جائے۔ فتنہ و فساد پھیلانے اور دروغ بافی کرنے میں بنی اسماعیل تو کیا دنیا کی کوئی بھی قوم کبھی ان کی ہم پلہ نہیں ہوئی۔ پس بنی اسماعیل کو

نسب کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں گھٹیا ثابت کرنے کے لئے اسرائیلی علما و مورخین اور صحیفۂ پیدائش (سفر تکوین) کے مؤلفین نے جھوٹی تاریخ سازی کا گھناؤنا جرم کیا۔ حضرت ابراہیم اور انبیاء کے تذکرے جو بائبل اور اسرائیلی صحیفوں میں ہیں مطالعہ کرنے والوں کو اس عظیم جدوجہد اور محنت ومشقت کے ذکر سے خالی ہی ملیں گے جو دعوت وتبلیغ حق اور اصلاح خلق کے لئے ان حضرات نے کی تھی ہاں فضول و بے سود باتوں کی بھرتی ان میں ضرور ہے۔ غلط کہا ہے کہ آنحضرت کنعان میں کال پڑ جانے کی وجہ مصر گئے۔ دیگر سفروں کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سفر بھی دعوتی وتبلیغی تھا۔ اللہ نے آپ کو امام الناس بنایا تھا مصر پہنچے تو اعیان مصر زیارت کے لئے آئے آپ نے شرک ومعصیت سے بچنے اور تنہا حق تعالیٰ کی عبادت کرنے کی بلیغ و پراثر نصیحتیں فرمائیں مصر کا بادشاہ اور اکثر عوام وخواص آپ پر ایمان لے آئے مخلص بادشاہ نے سوچا کہ آنحضرت سے قرابتِ قریبہ کا شرف حاصل ہو جائے۔ ھاجر نام کی اس کی ایک بہن تھی نہایت شریف و پاکیزہ خصال اسے آپ کی زوجیت میں دیدیا اور نصیحت کر دی کہ آنحضرت کی پہلی بیوی حضرت سارہ کا مقام ومرتبہ ملحوظ رکھنا ان کی خدمت گار بن کر رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرزند جلیل اسماعیل عطا فرمایا۔ وہ شیر خوار ہی تھے کہ حکم ہوا ماں بیٹے کو یک وتنہا مکہ میں چھوڑ آؤ۔ پڑھے لکھے حق دشمن یہودیوں نے اس سادہ تاریخی واقعہ کو قطعاً جھوٹے قصے میں بدل کر سفر تکوین میں ثبت کر دیا تاکہ اسے پڑھنے سننے والے جان لیں کہ اسماعیل کی ماں آزاد اور حسیب نجیب نہ تھی۔ سارہ کو ملی ہوئی مصری لونڈی تھی۔ لامحالہ بنی اسماعیل نسب کے لحاظ سے بنی اسرائیل سے گھٹیا ہیں۔

بنی اسماعیل میں کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ ان پر بنی اسرائیل نے کیسا تاریخی ظلم کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ لکھنے پڑھنے سے اور کتابوں کے مطالعہ سے ناآشنا تھے، اور اہل عرب دیگر تمام قوموں کی طرح نسب کو فخر کی چیز سمجھتے تھے کہتے تھے کہ ہم آسمان کے پانی کی اولاد ہیں۔ یعنی زمین پر گرنے سے پہلے بارش پانی جیسے خالص اور بے آمیز ہوتا ہے ایسے ہی ہمارے نسب میں بھی کوئی کھوٹ نہیں۔ ایک شاعر کا مشہور شعر ہے ؎

ونحن بنو ماء السماء فلا نری

ولا نفسنا من دون مملكة قصرا

ابو ہریرہ نے ابراہیم وسارہ کا یہ بیان کر کے لوگوں سے کہا تھا فتلک امکم یا بنی ماء السماء یعنی اے اہل عرب تم جو اپنے نسبوں پر فخر کرتے ہوئے نحن بنو ماء السماء کہتے ہو تو تمہاری ماں ایک مصری لونڈی تھی۔ پھر تمہارے لئے فخر کا کیا مقام ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو نسب پر فخر نہ کرو سادگی طبع کی بنا پر ابو ہریرہ نے کعب احبار سے سنے ہوئے اس قصہ کو باور کر لیا تھا۔ اس قصہ کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سفر تکوین میں جس طرح یہ قصہ لکھا ہوا ہے ابو ہریرہ کا بیان کیا ہوا قصہ اس سے کئی باتوں میں مختلف ہے۔

پھر بائبل کی کتاب پیدائش باب ۲۰ میں آیت ۱۵ تک فلستیوں کے بادشاہ ابی ملک کے یہاں حضرت ابراہیم کے جانے کا اور سارہ کو اپنی بہن بتانے کا ذکر ہے۔ ابی ملک نے سارہ کو اپنے یہاں بلوالیا مگر اسے چھوتے ہی پیشتر خواب میں خداوند نے اس سے کہا کہ یہ شوہر دار عورت ہے ابراہیم کی بیوی ہے تو نے اسے رکھا تو تباہ ہو جائے گا اسے واپس کر دے۔ علی الصباح اس نے ابراہیم کو بلا کر ملامت آمیز انداز میں شکایت کی کہ مجھ سے غلط بیانی کیوں کی۔ بیوی کو بہن کیوں بتایا۔ ابراہیم نے جواب دیا مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اسے بیوی بتاؤں گا تو تیرے آدمی مجھے مار ڈالیں گے اور درحقیقت وہ میرے باپ کی بیٹی ہے اگرچہ میری ماں کی بیٹی نہیں اس لیے وہ میری بہن ہے (یعنی علاتی بہن) میری بیوی وہ بعد میں بنی ہے ابی ملک نے سارہ واپس دیدی اور ابراہیم کو کافی مال ومتاع دیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی تھیں ان کے باپ آزر کی بیٹی نہ تھیں۔ بائبل میں انہیں ابراہیم کے باپ کی بیٹی جو بتایا ہے تو قطعاً غلط ہے پس بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم جابجا بیوی کو بہن بتانے کی غلطی کرتے تھے۔ واللہ العظیم یہ حضرت ابراہیم پر سراسر بہتان ہے۔

(۱۱۴) عزل کے متعلق ابوسعید خدری کی حدیث

محمد بن یحییٰ بن حبان سے مروی ہے کہ عبداللہ بن محیریز جمحی نے بیان کیا کہ:

دخلت المسجد فرأیت ابا سعید الخدری فجلست الیه فسألته عن العزل. قال ابو سعید خرجنا مع رسول الله ﷺ فی غزوة بنی المصطلق فاصنا سبیا من سبی العرب فاشتهینا النساء فاشتدت علینا العزبة واحببنا العزل ماأردنا ان نعزل وقلنا نعزل ورسول الله ﷺ بین اظهرنا قبل ان نسأله فسألناه عن ذلک فقال ما علیکم ان لا تفعلوا ما من نسمة کائنة یوم القیامة الا وهی کائنة.

(صحیح بخاری ص ۵۹۳ غزوة بنی المصطلق کتاب المغازی)

میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے ابوسعید خدری کو بیٹھا ہوا دیکھا تو میں ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا تو میں نے ان سے عزل کے متعلق پوچھا (عزل کا مطلب ہے جماع میں عورت کی فرج سے ذکر کو نکال کر انزال کرنا تاکہ اسے حمل نہ ٹھہرے) ابوسعید نے کہا ہم غزوۂ بنی المصطلق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو ہمیں غنیمت میں گرفتار شدہ عورتیں ملیں۔ ہمیں عورتوں سے ملنے کی خواہش ہوئی کیونکہ بیویوں سے جدائی ہمیں بھاری محسوس ہوئی تھی اور ہم نے مال چاہا یعنی یہ سوچا کہ ان باندیوں کو بیچ دیں گے مگر جماع میں وہ حاملہ ہو جاتیں تو ان کا بیچنا جائز نہ رہتا اس لئے ہم نے عزل کرنے کا ارادہ کیا (صحیح بخاری میں ہے **واحببنا العزل فاردنا ان نعزل العزل** غلط ہے "**واحببنا المال**" صحیح ہے لیکن ان راویوں کو معنی پر غور کرنے کی توفیق ہی نہ ملتی تھی) اور ہم نے کہا یعنی سوچا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں تو آپ سے پوچھے بغیر ہمیں عزل نہ کرنا چاہیے۔ پس ہم نے آپ سے پوچھا فرمایا کہ ایسا نہ کرو تو تمہارا کیا حرج ہے۔ قیامت تک جو کوئی بھی روح پیدا ہونے والی ہے وہ اپنے وقت پر پیدا ہو کر رہے گی۔ (عزل کرو یا نہ کرو)

اس حدیث میں ایک لفظی غلطی تو یہ ہے کہ احببنا المال کی بجائے بخاری یا اوپر کے کسی

راوی نے ''احببنا العزل'' نقل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ بڑی بھاری معنوی غلطی یہ ہے کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجاہدین کے ساتھ ۲ شعبان ۶ ھ میں مدینہ سے بنی مصطلق کی طرف روانہ ہوئے اس سفر میں عبداللہ بن ابی ابن سلول پھر اپنے ساتھیوں سمیت آپ کے ساتھ تھا۔ اور ۱۵ یا ۱۶ شعبان کو سالماً و غانماً مدینہ واپس ہو گئے مال غنیمت آپ نے نہ فتح سے فارغ ہو کر بنی مصطلق کی سرزمین میں تقسیم فرمایا نہ رات میں فتح سے فارغ ہو کر آپ عبداللہ بن ابی کے اٹھائے ہوئے ایک فتنہ کی وجہ سے بڑی تیزی کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے تھے ایک انصاری اور ایک مہاجر میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بروقت مداخلت سے وہ ختم ہو گیا مگر عبداللہ بن ابی اسے ُن کر بہت برہم ہوا تھا اور کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر ہم ان مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے اور انصار سے کہا تھا کہ اب تک تم لوگ جو ان کی مدد کرتے رہے ہو آئندہ کے لئے اس سے ہاتھ کھینچ لو۔ اس کی یہ نازیبا باتیں آپ کے علم میں آئیں اس سے پوچھا تو قسم کھا کر انکار کر دیا مہاجرین کو اس پر غصہ تھا۔ اندیشہ تھا کہ مہاجرین وانصار میں باہم لڑائی نہ ہونے لگے اس لئے آپ نے نہایت تیزی کے ساتھ کوچ فرمایا کہ تکان کی وجہ سے لوگوں کو باہم گفتگو کا موقع نہ ملے۔

مجاہدین تقریباً ۱۵ دن مدینہ سے غیر حاضر اور اہل وعیال سے جدا رہے۔ اس صورت حال میں ابو سعید خدری یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ طالت علینا العزبة واستهينا النساء الخ مدینہ پہنچ کر لوگ اپنی بیویوں کے پاس پہنچ گئے وہاں مطمئن ہو کر آپ نے جنگ میں گرفتار عورتیں ان میں تقسیم فرمائیں اور بنی مصطلق کے سردار حارث کی دختر نیک اختر جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ یہ معلوم ہوتے ہی تمام مسلمانوں نے اپنے حصے میں آئی ہوئی عورتوں اور بچوں کو آزاد کر دیا کہ یہ رسول اللہ کے رشتہ دار ہو گئے ہیں ادھر حارث بنی مصطلق کے سربرآوردہ اشخاص کا وفد لے کر مدینہ معافی مانگنے کے لیے حاضر ہوا اور تمام آزاد شدہ گرفتارانِ جنگ ان کے ساتھ اپنے علاقہ کو چلے گئے۔ پس اس غزوہ میں عزل کا سوال اٹھنے کی کوئی تک نہیں تھی اس لیے یہ حدیث یقیناً غلط ہے۔

یہ حدیث محمد بن یحیٰ بن حبان نے عبداللہ بن محیریز سے روایت کی ہے۔ اور زہری نے

عبداللہ بن محیریز سے اس کی روایت دوسرے ڈھنگ سے کی ہے۔ زہری کا بیان ہے:

اخبرنی عبدالله بن محیریز الجمحی ان ابا سعید الخذری اخبره انه بینما هو جالس عند رسول الله ﷺ جاء رجل من الانصار فقال یا رسول الله انا نصیب سبیا ونحب المال کیف تری فی العزل. فقال رسول الله ﷺ اوانکم تفعلون ذلک. لاعلیکم ان لا تفعلوا فانه لیست نسمة کتب الله ان تخرج الا وهی کائنة.

(صحیح بخاری ص ۹۷۶ کتاب القدر باب قوله وکان امر الله قدرا مقدورا)

مجھے عبداللہ بن محیریز جمحی نے بتایا کہ اسے ابو سعید خدری نے بتایا تھا کہ وہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک انصاری شخص نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں غنیمت میں لونڈیاں مل جاتی ہیں۔ ہم انہیں فروخت کر کے مال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان سے عزل کر لینے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ (تا کہ وہ حاملہ نہ ہونے کی وجہ سے فروخت ہو سکیں) فرمایا اچھا تم ایسا کرتے ہو؟ یہ نہ کرو تو تمہارا کیا حرج ہے۔ کیونکہ اللہ نے جسے پیدا فرمانا طے کر دیا ہے وہ تو پیدا ہونے والا ہی ہے۔ اللہ ہی جانے کہ عبداللہ بن محیریز نے یہ حدیث اُس طرح ذکر کی تھی جس طرح محمد بن یحی بن حبان نے بیان کی ہے یا اس طرح روایت کی تھی جیسے زہری نے نقل کی ہے یا اسے ابو سعید خذری سے سنی ہوئی حدیث ٹھیک یاد نہ تھی۔ محمد بن یحی سے کچھ بیان کر دیا اور زہری سے کچھ یہ حدیث جملہ روایات کے ساتھ ہم نے تحفۃ القاری ۸ میں ذکر کی ہے ص ۳۸۳ تا ص ۳۹۰۔

(۱۱۳) تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفت مذکور ہونے کے متعلق حدیث

امام بخاری نے بواسطہ محمد بن سنان فلیح بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ ہم سے ہلال نے بیان کیا عطاء بن یسار سے روایت کر کے عطاء نے کہا میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے کہا:

اخبرنی عن صفة رسول الله ﷺ فی التوراة قال اجل والله انه لموصوف فی التوراة ببعض صفته فی القران یاایها النبی انا ارسلناک شاهدا ومبشراو نذیرا وحرزا للامیین. انت عبدی ورسولی سمیتک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا صخاب فی الاسواق. ولا یدفع بالسیئة السیئة ولکن یعفو ویغفر ولن یقبضه الله حتی یقیم به الملة العوجاء بأن یقولوا لا اله الا الله. وتفتح بها اعین عمی واذان صم وقلوب غلف.

(صحیح بخاری کتاب البیوع باب کراهیة الصخب فی السوق ص ۲۸۵)

احمد نے بواسطہ موسیٰ بن داؤد و یونس بن محمد فلیح سے اسی اسناد کے ساتھ، اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ عطاء نے کہا لقیت کعب الاحبار فسالته فما اختلفا فی حرف (مسند۲ص ۱۷۴) میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیا صفت مذکور ہے تو جو عبداللہ بن عمرو نے بتایا تھا بعینہ وہی کعب نے بتایا کہ تورات میں آپ کی صفت یہ لکھی ہے۔

عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے ھلال بن ابی ھلال سے روایت کی ہے:

عن عطاء بن یسار عن عبدالله بن عمرو بن العاص ان هذه الأیة التی فی القران "یایهاالنبی انا ارسلناک شاهدا ومبشرا ونذیرا قال فی التوراة یا ایها النبی انا ارسلناک شاهدا ومبشرا ونذیرا وحرزا للامیین انت عبدی ورسولی سمیتک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا صخاب بالاسواق ولا یدفع السیئة بالسیئة ولکن یعفو ویصفح ولن یقبضه حتی یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا اله الا الله فیفتح بها اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا.

(صحیح بخاری ص ۷۱۷ سورة الاحزاب)

اورخالد بن یزید نے اس کی سند یہ بیان کی ہے:

عن سعید هو ابن ابی هلال عن هلال بن اسامة عن عطاء بن یسار

عن ابن سلام (عبد الله بن سلام الصحابی الشهیر) انه کان یقول انا لنجد صفة رسول الله ﷺ انا ارسلناک شاهدا و مبشرا ونذیرا وحرز اللامیین. انت عبدی ورسولی سمیته المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا صخاب بالاسواق ولا یجزی بالسینة مثلها (هذا خطأ والصواب ولا یجزء السینة بمثلها ولکن یعفو ویتجاوز ولن اقبضه حتی نقیم الملة العوجاء بان تشهد ان لا اله الا الله. یفتح به اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا. قال عطاء بن یسار واخبرنی ابو واقد اللیثی انه سمع کعبا یقول مثل ما قال.

(مقدمہ سنن دارمی ص ۴ طبع الھند)

ھلال بن علی بن اُسامہ عامر کو ھلال بن اسامہ اور ھلال بن ابی ھلال اور ھلال بن ابی میمونہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کا مدار یہی ہے اس سے فلیح بن سلیمان وعبدالعزیز بن ابی سلمہ اور سعید بن ابی ھلال نے روایت کی ہے۔ فلیح وعبدالعزیز کی اسناد کے مطابق ھلال نے عطاء بن یسار سے اور عطاء نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے اس کی روایت کی تھی اور سعید کی اسناد کے مطابق عطاء نے عبداللہ بن سلام سے اس کی روایت کی تھی۔ یعنی ھلال نے جب فلیح وعبدالعزیز کو یہ حدیث سنائی تو بتادیا کہ عطاء بن یسار نے عبداللہ بن عمرو سے بھی یہ حدیث سنی تھی اور کعب احبار سے بھی دونوں نے بتایا کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی یہ صفت مذکور ہے لیکن جب ھلال نے یہ حدیث سعید بن ابی ھلال سے بیان کی تو اسے یہ بتادیا کہ عطاء بن یسار نے یہ عبداللہ بن سلام سے سنی تھی پھر بے چارہ عطاء بن یسار کی طرف منسوب کر کے یہ بکواس کردی کہ عطاء نے ابوذر قریشی سے اور اس نے کعب احبار سے اس کو سنا تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے تورات میں یہ صفت پڑھی ہوتی تو وہ اسے متعدد لوگوں سے بیان کرتے۔ کیا وہ اس سے صرف عطاء بن یسار کو ہی آگاہ کرتے۔ یہی عبداللہ بن سلام کے متعلق سوچیے۔ اگر عبداللہ بن سلام نے تورات میں یہ پڑھا ہوتا تو وہ متعدد لوگوں کو اس سے آگاہ کرتے۔ کیا انہیں بھی عطاء بن یسار کے علاوہ کوئی اس کا اہل نظر نہ آیا جسے یہ بات بتائیں؟ فی الواقع اس کی اسناد میں عطاء

بن یسار کا پھر کبھی عبداللہ بن عمر و اور کبھی عبداللہ بن سلام کا ذکر نا ھلال بن اسامہ کی محض دروغ بافی تھی نہ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے اسے بیان کیا نہ عبداللہ بن سلام نے نہ عطاء بن یسار نے دراصل کعب احبار ہی مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اسے بیان کیا کرتا تھا۔ کعب سے متعدد اشخاص نے اسے سنا تھا جیسا کہ مقدمہ سنن دارمی میں ان کی روایات مذکور ہیں۔ کعب کی ذکر کی ہوئی یہ بات ھلال بن ابی میمونہ نے بھی سن لی۔ اسے رائج کرنے کی خاطر اس کی اسناد گھڑ کر ذکر کردی۔ ھلال کی یہ روایت مزید بحث و تفصیل کے ساتھ تحفۃ القاری ۸ میں درج ہے ص ۲۷۲ تا ص ۲۷۴

(۱۱۴) حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا

اور عروہ بن زبیر کے متعلق روایت کہ وہ ایام منیٰ میں روزہ رکھتے تھے

امام بخاری نے لکھا ہے:

"وقال لی محمد بن المثنی ثنا یحي (القطاف) عن هشام (هو ابن عروة) اخبرنی ابی (عروة) کانت عائشة تصوم ایام منی و کان ابوه یصومها .(صحیح بخاری ص ۲۶۸ کتاب الصوم باب صیام ایام التشریق)

حالانکہ خود بخاری نے اس کے بعد زہری کی روایت ذکر کی ہے:

عن عروة عن عائشة وعن سالم عن ابن عمر قالا لم یرخص فی ایام التشریق ان یصمن الا لمن لم یجد الهدی. (صحیح بخاری ص ۲۶۸)

یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین نے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا ہے کہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہاں اس متمتع یا قارن کو اجازت ہے جو قربانی کرنے کی مالی سکت نہ رکھتا ہو۔ زہری کی اس روایت کے متعلق دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اول یہ کہ ایام التشریق پانچ ہیں۔ نو دس گیارہ بارہ تیرہ ذی الحجہ نو کو روزہ رکھنا جائز ہے۔ دس گیارہ بارہ تیرہ کو روزہ رکھنا ناجائز ہے۔ یہ چار دن ایام منیٰ کہلاتے ہیں۔ زہری کی اس روایت

میں ایام التشریق سے مراد یہی چار ایام منیٰ ہیں۔ ان کے متعلق ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ ان میں روزہ رکھنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ زہری کو حدیثوں میں ادراج کرنے یعنی اپنی بات گھسیڑ دینے کی عادت تھی ام المؤمنین وابن عمر کا یہ قول نقل کر کے آخر میں اپنی طرف سے کہہ دیا **الا لمن لم یجد الھدی** یہ زہری کا اپنا قول اور غلط فتوی ہے ابن عمر وام المؤمنین کی کہی ہوئی بات نہیں ہے۔ اور بالفرض ہو بھی تو نہ ام المؤمنین پر یہ استثنا صادق آتا ہے نہ ابن عمر پر کیونکہ ابن عمر بے نوا د مفلس تھے نہ امیر المؤمنین کہ حج تمتع یا حج قران کریں اور انہیں قربانی کرنے کی سکت نہ ہو پس خود ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق انہیں ایام منیٰ میں روزہ رکھنا جائز نہ تھا۔ پھر یہ کہنا محض غلط ہی تو ہوا کہ وہ ایام منیٰ میں روزہ رکھا کرتی تھیں۔ اگر محمد بن مثنی نے یحیی بن سعید قطان کے حوالہ سے بخاری کو ھشام بن عروہ کا یہ قول سنایا تھا کہ میرے والد عروہ ایام منیٰ میں روزہ رکھتے تھے اور میرے والد عروہ نے مجھے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ایام منیٰ میں روزہ رکھتی تھیں تو بخاری نے محمد بن مثنی سے کیوں نہ کہا کہ آپ تو ام المؤمنین کے متعلق یہ بتا رہے ہیں لیکن زہری نے بواسطہ عروہ ام المؤمنین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایام منیٰ میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے کیا بخاری کی سمجھ میں دونوں روایتوں کا تناقض نہیں آیا تھا؟ ایام منیٰ میں روزہ ناجائز ہونے کی حدیث بڑی معروف اور صحابہ کرام کے جم غفیر سے مروی حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عبداللہ بن عمر، نبیشہ ھذلی، کعب بن مالک، عمرو بن عاص، ابوھریرہ، بشر بن سحیم، علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر جہنی، یونس بن شداد و عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہم اس کے راوی ہیں۔ ان میں سے ام المؤمنین وابن عمر و نبیشہ و کعب بن مالک و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے مروی حدیثیں بے غبار اور معیاری ہیں۔

زہری ابن شہاب نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ فتوی دیا تھا کہ متمتع یا قارن جو قربانی کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو روزہ رکھ سکتا ہے۔ غلط فہمی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلک عشرة کاملة** پس جو شخص عمرہ سے بہرہ مند ہو حج کے ساتھ ملا کر۔ یعنی ایک ہی سفر میں عمرہ بھی کرے پھر حج بھی۔ تو اس پر قربانی واجب ہے جو بھی

اُسے میسر ہو اونٹ یا گائے یا بھیڑ یا بکری یا دنبہ۔ پس جسے قربانی کی سکت نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ ایام حج میں تین روزے رکھے اور سات جب حج سے بالکل فارغ ہو جائے۔ یہ ملا کر کل دس روزے ہیں۔ اس ارشاد میں فی الحج کا مطلب ماہ شوال و ماہ ذی قعدہ اور نو ذی الحجہ تک کے ایام ہیں۔ اس پوری مدت میں جب چاہے اور جیسے چاہے تین روزے رکھ لے۔ اکٹھے یا الگ الگ۔ ۱۰ ذی الحجہ اس مدت سے خارج ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ ذی الحجہ کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے زہری بھی تمام مسلمانوں کی طرح ۱۰ ذی الحجہ کو روزہ رکھنا ناجائز و ممنوع قرار دیتے تھے۔ ۱۱، ۱۲، ۱۳ کے متعلق زہری نے سمجھا کہ یہ تین دن بھی فی الحج ہیں یعنی ایام حج میں داخل ہیں کیونکہ ان دنوں حج گذار کو منیٰ میں جمرات کی رمی کرنی ہوتی ہے لہٰذا ان تین دنوں میں روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ مگر یہ نہ سوچا کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کی نہی کی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو روزہ رکھنا ناروا ہے اسی طرح آپ کی نہی کی وجہ سے ان تین دنوں میں بھی روزہ رکھنا ناروا ہے۔ زہری نے اپنا یہ قول حضرت عائشہ و حضرت ابن عمر کے قول میں اس طرح ٹانک دیا کہ پڑھنے سننے والوں کو وہ حضرت عائشہ و ابن عمر کے قول کا تتمہ محسوس ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ فقہی مسائل میں ابن شہاب زہری کے بڑے پکے مقلد تھے۔ اس لئے زہری کے اس غلط فتویٰ میں موصوف ان کے ہمنوا ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ القاری ۸ ص ۱۳۴ تا ص ۱۴۱)

(۱۱۵) بعض اصحاب کو قیامت کے دن حوض سے ہٹائے جانے کی حدیث

بخاری نے کہا ہے:

قال احمد بن شبیب بن سعید الحبطی ثنا ابی عن یونس عن ابن شهاب عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة انه کان یحدث ان رسول الله ﷺ قال یرد علی یوم القیامة رهط من اصحابی فیحلئون عن الحوض فاقول یا رب اصحابی فیقول انک لا علم لک بما احدثوا بعدک انهم ارتدوا علی ادبارهم القهقری.

(ص ۹۷۴ کتاب الحوض)

قیامت کے دن حوض کوثر پر پینے کے لیے میرے اصحاب میں سے ایک گروہ آئے گا تو انہیں حوض سے دھکیل دیا جائے گا تو میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے اس کا کوئی علم نہیں جو انہوں نے تیرے بعد فتنہ انگیزی کی تھی۔ تیرے بعد یہ لوگ دین حق سے برابر الٹے پاؤں ہٹتے رہے۔

زہری سے یہ حدیث یونس بن یزید ایلی وشعیب بن ابی حمزہ وعقیل بن خالد ایلی اور زبیدی نے روایت کی ہے۔ چاروں کی روایت اسناد میں الگ الگ ہے۔ یونس سے شبیب بن سعید حبطی اور عبداللہ بن وھب نے میتب کی اسناد عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریره ہے اور ابن وھب کی اسناد عن الزهری عن سعید بن المسیب عن الاصحاب ہے۔ اس نے ابوھریرہ کا ذکر نہیں کیا۔

اور شعیب وعقیل نے نہ ابوہریرہ کا ذکر کیا نہ اصحاب کا۔ بس یہ کہا ہے عن الزهری عن النبی ﷺ انه قال۔ یعنی شعیب وعقیل کی اسناد کے مطابق یہ زہری کی مرسل روایت ہے۔

اور زبیدی کی اسناد یہ ہے عن الزهری عن محمد بن علی عن عبیدالله بن ابی رافع عن ابی هریره۔ پس زہری سے مروی یہ حدیث کوئی حقیقت نہیں رکھتی معلوم نہیں کہ زہری نے فی الواقع کس سے سنی۔ پھر بخاری کو یہ باطل حدیث درج صحیح کرنے سے کیا حاصل ہوا؟

(۱۱۶) حضرت ابوھریرہ کی حدیث دخلت بنو اسرائیل

یزحفون علی استاههم

ھمام بن منبہ نے ابوھریرہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیل لبنی اسرائیل ادخلوا الباب سجدا فدخلوا یزحفون علی استاههم وقالوا حبة فی شعرة.

(صحیح بخاری ص ۴۸۳ کتاب الانبیاء)

تفسیر سورۃ البقرہ وتفسیر سورۃ الاعراف میں بھی بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ ترمذی کی روایت میں حبة فی شعیرة ہے اور یزحفون کی بجائے متزحفین ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے علم جہاد بلند کیا اور شہر یروشلم پر حملہ آور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے تبی وقت یوشع بن نون کے ذریعہ انہیں فتح کی بشارت دی اور نصیحت فرمائی کہ ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة نغفر لکم خطایاکم اس شہر کے دروازے میں (اللہ کے حضور) جھکے ہوئے داخل ہونا اور (باشندگان شہر سے) کہنا (ہمارا کام تمہارے لئے) تخفیف ہے۔ اللہ نے فرمایا ہم تمہارے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

سجداً متواضعین کے معنی میں ہے یعنی تمہارا شہر میں داخلہ ایسا نہ ہو جیسا کہ مغرور ومتکبر اور ظالم فاتحین کا ہوتا ہے کہ مفتوحہ شہر میں اینڈتے اکڑتے داخل ہوتے ہیں اور وہاں کے عوام کو لوٹنے کھسوٹنے اور بے آبرو کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ پھر حضرت عمر فلسطین میں اپنے رفقاء کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح وحضرت خالد بن ولید بلاد شام میں حضرت سعد بن ابی وقاص شہر مدائن میں حضرت عمرو بن عاص مصر میں مجاہد ین کے ساتھ جس انداز سے داخل ہوئے تھے وہی انداز ادخلوا الباب سجدا کی عملی تفسیر تھی۔ اور حطۃ کمی واسقاط کے معنی میں ہے اس کا مبتدا مقدر ہے امرنا۔ یعنی قولوا لاھل القریة امرنا حطة مطلب یہ ہے کہ باشندگان شہر سے کہنا۔ اعلان عام کر دینا کہ سابق حکمرانوں کی طرح ہم تمہیں زیر بار نہ کریں گے۔ ہمارا کام ظلم کے بوجھ کو گرانا ہے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ ان میں جو ظالم لوگ تھے انہوں نے اُس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی چھوڑ کر دوسری بات کہی۔ (اس کی پوری وضاحت تفسیر مفتاح القرآن البقرۃ، میں پڑھیے) تو مبتلائے عذاب ہوئے اس حدیث میں مذکور ہے فدخلوا یزحفون علی استاھھم" وہ سرینوں کے بل۔ چتڑیوں گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ زحف علی الاست کے معنی ہیں چتڑیوں گھسٹنا آگے کو سرکنا۔ زحف الصبی علی استه بچہ چتڑیوں آگے کو سرکا۔ دوسروں کو دیکھ کر اس کا جی چلنے کو چاہتا ہے۔ کھڑا نہیں ہو سکتا تو چتڑیوں آگے کو گھسٹتا ہے حتیٰ کہ کھڑا ہونے لگتا ہے تب کھڑا ہو کر چلتا ہے۔ گرتا ہے اٹھتا ہے آخر پاؤں چلنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ جوان فاتح اسرائیلیوں کا شہر یروشلم کے دروازے میں

چتڑیوں سرک سرک کر آگے بڑھنا بے معنی وغیر معقول بات ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسا لفظ کہا ہوگا جس کے معنی سرینوں کو مٹکا مٹکا کر چلنا" ہوں گے۔ ہمام بن منبہ کو وہ لفظ یاد نہ رہا۔ اس کی بجائے یزحفون علی استاھھم نقل کر دیا۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حطۃ کہنے کی بجائے انہوں نے حبة فی شعرة کہا (دانہ ہے بال میں۔ شعرۃ کے معنی میں سر یا ڈاڑھی وغیرہ کا ایک بال اور حبۃ کے معنی ہیں دانہ۔ حبة فی شعرة مہمل و بے معنی بات ہے۔ ابو ہریرہ نے ایسا لفظ کہا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اہل شہر سے گیہوں اور جو کا مطالبہ کیا تھا۔ یعنی انہوں نے ان کے غلات پر دست تطاول دراز کیا تھا۔ ہمام نے اس کی بجائے حبۃ فی شعرۃ نقل کر دیا۔ اس حدیث کی اسناد تو صحیح ہے لیکن اس کا متن غلط ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد وفاسد المتن ہے۔

(۱۱۷) دجال کے وصف میں ابراہیم بن سعد کی غلطی

ابراہیم نے زہری سے اس نے سالم سے اس نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے۔ اس میں دجال کو اعور عینه الیمنی کہا ہے یہ غلط ہے۔

(صحیح بخاری ص ۴۸۹ کتاب الانبیاء)

اور شعیب و عقیل نے زہری سے اسی اسناد کے ساتھ ان کی روایت میں اعور العین الیمنی ہے۔ یہی صحیح ہے صحیح بخاری ص ۱۰۴۰ کتاب التعبیر باب الطواف بالکعبۃ فی المنام و ص ۱۰۵۴ کتاب الفتن باب ذکر الدجال حدیث ۷ اس حدیث کی روایات میں یہی ثابت ہے۔

(۱۱۸) زید بن عمرو بن نفیل کے حنیف بننے کا قصہ

امام بخاریؒ نے محمد بن ابی بکر مقدمی سے اس نے فضیل بن سلیمان نمیری سے اس نے موسیٰ بن عقبہ سے اس نے سالم سے اس نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے

کہ ان کے نانا زید بن عمرو بن نفیل سچے مذہب کی تلاش میں ملک شام گئے۔ وہاں ایک یہودی عالم سے یہودی مذہب کے متعلق پوچھا کہ مجھے اسے سمجھایئے شاید میں اسے اختیار کرلوں۔ اس نے کہا ہمارا مذہب اختیار کر کے تجھے اللہ کے غضب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ زید نے کہا میں تو اللہ کے غضب سے بچنے کی راہ کا جویا ہوں تو مجھے کوئی اور مذہب بتایئے۔ کہا حنیف بن جا۔ زید نے کہا حنیف بننے کا کیا مطلب ہے؟ کہا ابراہیم کا دین اختیار کرلے وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے۔ وہاں سے نکل کر زید نے ایک عیسائی عالم سے ملاقات کی کہ میں تمہارا مذہب سمجھنا اور اختیار کرنا چاہتا ہوں وہ بولا ہمارا مذہب اختیار کر کے تو اللہ کی لعنت میں پھنسے گا۔ زید نے کہا میں تو اللہ کی لعنت سے بچنا چاہتا ہوں مجھے کوئی اور مذہب بتایئے۔ بولا حنیف بن جا یعنی دین ابراہیم اختیار کر وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے۔ اللہ کے عبادات گذار بندے تھے۔ وہاں سے نکل کر زید نے کہا یا اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔

(صحیح بخاری ص ۵۳۹ کتاب المناقب باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل)

میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان کیا ہوا نہیں ہے۔ وہ متقی باپ کے متقی بیٹے ایسے نہ تھے کہ جو بات انہیں قطعاً معلوم نہ تھی اسے بیان کرتے۔ ان کی پیدائش سے برسوں پہلے ان کے نانا زید کی وفات ہو چکی تھی۔ اس لیے عبداللہ بن عمر کو یہ قصہ معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ خود زید نے کسی سے اس کا ذکر کیا ہوتا اور وہ عبداللہ بن عمر کو اسے سناتا۔ یا کوئی زید کے ساتھ ہوتا اور اس کے سامنے یہودی عالم پھر عیسائی عالم سے زید کی یہ گفتگو ہوئی ہوتی پھر اس نے عبداللہ سے اس کا ذکر کیا ہوتا۔ اور ایسا ہوتا تو عبداللہ اس کا حوالہ دیتے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے نہ تمام یہودی گمراہ تھے نہ تمام عیسائی۔ دونوں فرقوں میں نیک و صالح لوگ موجود تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ قصہ فضیل بن سلیمان نمیری کی کہی ہوئی کہانی ہے۔ وہ ایک واعظ آدمی تھا اور معلوم ہے کہ واعظوں کی کہی ہوئی کہانیاں عموماً زیب داستاں کے لیے اور غیر علمی ہوا کرتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مکہ سے زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور طائف سے امیہ بن

تعلیمات طلب حق میں ملک شام گئے تھے۔ ورقہ تو عیسائی ہو گئے۔ ان کی جوانی شام میں ہی بسر ہوئی بوڑھے ہو گئے تو مکہ واپس آ گئے۔ زید کو نہ یہودی مذہب پسند آیا نہ عیسائی مذہب۔ معتبر لوگوں سے سنا تھا کہ بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام موحد اور اللہ کے عبادت گذار بندے تھے۔ ان کی ذریت نے ان کا دین ضائع کر دیا۔ زید نے اس دین کی بچی کھچی تعلیمات اپنائیں اور شام سے واپس آ کر پیرو دین ابراہیم کی حیثیت سے پوری زندگی مکہ میں گذاردی۔ بخاری نے جو قصہ درج صحیح کیا ہے وہ روایت و درایت کے اعتبار سے غلط ہے۔

(۱۱۹) اللہ تعالیٰ کے ارشاد و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً کے متعلق عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ کی غلط بیانی

بخاری کی روایت نقل کرنے سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ ارشاد سورۃ البقرۃ میں دو جگہ آیا ہے

(اول) و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشراً ۰ فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن بالمعروف . (سورۃ البقرہ ۲۳۰)

اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں۔ یعنی ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن روکیں (یعنی نہ اپنا نکاح کریں نہ سنگھار نہ خوشبو لگائیں، نہ مہندی رچائیں) پس جب ان کی یہ مدت پوری ہو جائے تو تمہارا اس کام میں کوئی حرج نہیں جسے شریعت کے مطابق وہ اپنے متعلق کریں" یعنی عدت گذر جانے کے بعد بیوہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ جائز زیب و زینت میں دلچسپی لے سکتی ہے۔۔۔ اس ارشاد میں بیوہ کی عدت مذکور ہے کہ وہ چار ماہ دس دن ہے۔

(ثانی) و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً وصیۃ

لازواجهم متاعا الی الحول غیر اخراج • فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف • (سورہ البقرہ ۲۴۰)

یہ آیت قرآن مجید میں پہلی آیت سے پانچ آیات بعد ہے۔ اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو (وہ وصیت فضول ہے) اگر وہ (عدت مقررہ۔۔۔ چار ماہ دس دن گذار کر) شوہر مرحوم کے گھر سے باہر آجائیں تو وہ اپنے حق میں کوئی بھی بھلائی کا کام کریں اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اس آیت میں بیوہ کی عدت کے متعلق جاہلیت کی ایک ظالمانہ رسم کا ابطال کیا گیا ہے۔ خاوند کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ سال بھر تک ایک تاریک کوٹھری میں میلی کچیلی پڑی رہتی۔ اس عرصہ میں گھر والے بس اسے قوت لایموت دیتے تھے۔ سال پورا ہوجانے پر وہ اس قید سے آزاد ہوکر نکاح ثانی کرسکتی تھی۔ گھر والوں کی اس دوران میں اس کے ساتھ جو قابل ذکر مراعات ہوتی تھی وہ بس یہ تھی کہ اسے نکالتے نہ تھے۔ مرنے والا بھی اس کی وصیت کرجاتا تھا کہ میرے بعد میری بیوی کو سال بھر تک میرے سوگ اور ماتم میں مصروف رکھا جائے گھر سے نہ نکالا جائے۔ اللہ نے بتایا کہ ایسی وصیت باطل وغیر موثر ہے۔ چار ماہ دس دن کے بعد وہ اس شوہر کے گھر سے نکل سکتی ہے۔

عبداللہ بن ابی ملیکہ اور ایسے ہی کج فہم لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس دوسری آیت میں بھی بیوہ کی عدت کا بیان ہے جو اللہ نے پہلے رکھی تھی۔ کہ وہ ایک سال عدت گذار دے۔ پھر اللہ نے اسے منسوخ کرکے اس کی عدت چار ماہ دس دن طے کردی جیسا کہ پہلی آیت میں ہے۔

ابن ابی ملیکہ نے کج فہمی پر مبنی اس خیال کو حضرت عثمان وعبداللہ بن زبیر کے سر لگا دیا ہے جیسا کہ بخاری نے بیان کیا ہے۔ بخاری نے امیہ بن بسطام اور عبداللہ بن ابی الاسود سے اس کو سنا تھا۔ امیہ کی روایت یہ ہے۔

حدثنا یزید بن زریع عن حبیب عن ابن ابی ملیکہ قال ابن الزبیر قلت لعثمان بن عفان و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا

وصية لازواجهم. قد نسختها الآية الخرى فلم تكتبها او تدعها؟ قال يا ابن اخي لا اغير شيئا منه من مكانه.

(صحيح بخاری ص ٦٥٠ کتاب التفسیر)

مطبوعہ صحیح بخاری میں قد نسختہا سے پہلے قال چھپا ہوا ہے جو قطعاً غلط ہے۔ مطلب اس روایت کا یہ ہے کہ عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ نے کہا کہ عبداللہ بن زبیر نے کہا (عبداللہ بن زبیر ان چار حضرات میں سے ایک تھے جنہیں امیر المومنین عثمان نے نقل مصاحف کے عظیم الشان کام پر مامور کیا تھا) کہ میں نے حضرت عثمان سے کہا کہ یہ آیت (جو رکوع ۳۱ میں ہے) اسے دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے (جو رکوع ۳۰ میں ہے۔ پھر اس منسوخ آیت کو آپ کیوں لکھوا رہے ہیں یا یہ کہا کہ اسے آپ مصحف میں درج شدہ کیوں چھوڑ رہے ہیں یعنی اسے تو قلم زد کر دینا اور مصحف سے مٹا دینا چاہئے۔ حضرت عثمان نے کہا اے بھتیجے میں مصحف میں سے کوئی چیز یعنی کوئی آیت یا کوئی لفظ اس کی جگہ سے نہ ہٹاؤں گا۔ یعنی مصحف مقدس اجماعی ہے۔ میں اس میں ایک لفظ کا بھی ردوبدل نہیں کر سکتا۔

عبداللہ بن الاسود کی روایت یہ ہے:

حدثنا حميد بن الاسود و يزيد بن زريع قالا حدثنا حبيب بن السهيد عن ابن ابى مليكه قال قال ابن الزبير قلت لعثمان هذه الآية التي في البقرة و الذين يتوفون منكم و يذرون ازواجا وصية لازواجهم متاعاً الى الحول غير اخراج ۰ قد نسختها الاخرى فلم تكتبها؟ قال دعها يا ابن اخي لا اغير شيئا منه من مكانه.

(صحيح بخاری ص ٦٥١ کتاب التفسیر)

یعنی عبداللہ بن زبیر نے یہ سمجھا تھا کہ اللہ تعالی نے بیوہ کی عدت ایک سال رکھی تھی۔ حکم تھا کہ عدت کے دوران اسے شوہر کے گھر سے نہ نکالا جائے۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر کے اللہ نے بیوہ کی عدت چار ماہ دس رات مقرر فرمائی جیسا کہ اس آیت میں ہے جو رکوع ۳۰ میں ہے۔ پس قرآن میں منسوخ آیت کو لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عثمان نے عبداللہ بن زبیر کی

تردید نہیں کی۔ یہ نہیں کہا کہ تو نے غلط سمجھا ہے۔ اللہ نے بیوہ کی عدت ایک سال نہیں رکھی تھی۔ بلکہ یہ کہا کہ چونکہ ابوبکر والے مصحف میں جو تمام مسلمانوں کا اجماعی مصحف ہے یہ آیت لکھی ہوئی ہے اس لیے میں اسے ہٹا نہیں سکتا نہ اس کی کتابت ترک کرا سکتا ہوں۔ مجھے تو امت کے ہاتھوں میں وہی اجماعی مصحف جوں کا توں تھمانا ہے۔ گویا حضرت عثمان نے عبداللہ بن زبیر کے اس کہنے سے اتفاق کیا تھا کہ یہ آیت جو رکوع ۳۱ میں ہے منسوخ ہے اور وہ آیت جو رکوع ۳۰ میں ہے اس کی ناسخ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بخاری کی ان دونوں روایتوں میں سے کسی روایت کی اسناد میں یہ مذکور نہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے حدثنی یا اخبرنی یا ذکرلی ابن الزبیر یا سمعت ابن الزبیر کہا تھا۔ یعنی اس نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ عبداللہ بن زبیر نے مجھے بتایا تھا کہ میں نے عثمان سے یہ کہا اور عثمان نے یہ جواب دیا تھا۔ پھر بخاری نے کس دلیل سے سمجھ لیا کہ ابن ملیکہ کی یہ روایت متصل السند ہے اور ابن ابی ملیکہ نے براہ راست عبداللہ بن زبیر سے یہ بات سن لی تھی۔ کاش ابن ابی ملیکہ کو بے سوچے سمجھے الٹی سیدھی روایات بیان کرنے کا شوق نہ ہوتا یا بخاری نے ہی کچھ عقل وفہم سے کام لیا ہوتا۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت درج صحیح کرنے کے قابل نہ تھی۔ عبداللہ بن زبیر اتنے کم فہم یا کج فہم نہ تھے کہ سمجھ لیتے کہ رکوع ۳۱ والی آیت میں بیوہ کو ایک سال عدت گذارنے کا حکم ہوا تھا۔ عبدالہ بن زبیر اور حضرت عثمان ہم سے بڑھ کر یہ علم رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سینکڑوں مسلمان عورتیں بیوہ ہوئی تھیں لیکن کسی بھی مسلمان بیوہ نے حکم شرعی کے طور پر ایک سال عدت نہیں گذاری۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ قرآن کا حکم ہوتا تو اس پر عمل کیا جاتا۔ قطعی طور پر اس پر عمل نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ حکم تھا ہی نہیں۔ نہ ہی عبداللہ بن زبیر ایسے ناداں تھے کہ اس آیت کو منسوخ اور چند آیات پہلے جو آیت مذکور ہے اسے ناسخ قرار دے دیتے۔ ہر شخص جو ابن ابی ملیکہ اور اس سے سن کر یہ روایت نقل کرنے والے راویوں کی طرح عقل سے کورا نہ ہو جانتا ہے کہ منسوخ حکم پہلے ہوتا ہے ناسخ حکم بعد میں آتا ہے۔ اور ان علم و دانش سے بے بہرہ لوگوں کو تو کیا کہا جائے جنہوں نے یہ دیکھ کر بخاری نے ابن ابی ملیکہ کی یہ روایت درج صحیح فرمائی ہے۔ یہ مفتریانہ توجیہ کر ڈالی کہ رکوع ۳۰ والی آیت بعد میں نازل ہوئی تھی

اگر چہ مصحف میں پہلے لکھی ہوئی ہے اور رکوع ۳۱ والی آیت پہلے اتری تھی جو مصحف کے اندر بعد میں لکھی ہوئی ہے۔ میں ابن ملیکہ کی اس روایت کو دروغ بے فروغ سمجھتا ہوں شاید کسی جاہل نے ابن زبیر کی طرف منسوب کر کے یہ بات ابن ابی ملیکہ کو سنادی تھی۔ اس نے بے سوچے سمجھے اس کی روایت کر ڈالی۔

(۱۲۱) والمحصنات من النساء الا ماملکت ایمانکم

کے تحت حضرت انسؓ کی طرف منسوب ایک غلط فتویٰ

بخاری نے کہا ہے:

قال انس و المحصنات من النساء ذوات الازواج الحرائر حرام الا ما ملکت ایمانکم لا یری بأسا ان ینزع الرجل جاریته من عبده.

(صحیح بخاری ص ۷۶۴ کتاب النکاح باب مایحل من النساء و ما یحرم)

یعنی سورۃ النساء کے چوتھے رکوع میں بیان محرمات کے آخر میں جو والمحصنات من النساء آیا ہے تو اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو شوہر دار اور آزاد ہوں کسی کی مملوکہ نہ ہوں۔ اور نسب یا رضاعت کی جہت سے حرام نہ ہوں۔ پس آزاد اجنبی عورت سے جو شوہر والی ہو نکاح کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر وہ شوہر دار نہیں ہے۔ مثلاً بیوہ ہو جائے تو عدت وفات گذر جانے پر اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا شوہر نے اسے طلاق دیدی ہو تو عدت طلاق پوری ہو جانے پر اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ لیکن اگر شوہر دار عورت کسی مرد کی مملوکہ ہو جس کا اس نے اپنے مملوک غلام سے نکاح کر دیا ہو اور وہ مالک اپنی اس مملوکہ سے مباشرت کرنا چاہے تو وہ اسے اپنے اس مملوک غلام سے داگذار کر کے پھر اپنے بستر کی زینت بنا سکتا ہے۔ جیسے غلام کے نکاح میں دینے سے پہلے وہ اس مملوکہ سے مباشرت کرسکتا تھا ایسے ہی اب کرسکتا ہے کیونکہ وہ عورت شوہر دار تو ہے مگر حرہ نہیں ہے اپنے مالک کی مملوکہ ہے۔ اس سے وطئ کا حق اس کے مالک کو حاصل تھا۔ مالک نے اپنے مملوک سے اس کا نکاح کر کے حق وطئ اس مملوک کو دے دیا تو وہ اس حق کو سلب کرسکتا ہے۔ اور اگر مالک

نے اپنی مملوکہ کا نکاح اس شخص سے کیا ہو جو اس کا مملوک نہیں ہے تو اس شوہر سے اسے حق وطئی واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ ہاں وہ مر جائے یا طلاق دے دے تو حق وطئی اس عورت کے مالک کی طرف واپس ہو جائے گا۔ یہ ہے وضاحت اس بے ہودہ فتویٰ کی جسے بخاری نے حضرت انس کا قول بتایا ہے۔ اور بخاری کا طرز بیان بتا رہا ہے کہ یہ ہی فتویٰ بخاری کا مختار ہے لیکن اگلے پچھلے تمام علمائے امت میں سے کوئی بھی اس فتویٰ سے اتفاق نہیں رکھتا۔ تمام اہل علم اس کے قائل ہیں کہ اس ارشاد میں المحصنات کے معنیٰ ہیں شوہر والیاں۔ آزاد ہوں یا کسی کی مملوکہ ہوں۔ کسی مسلمان نے حرۃ سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے کسی مملوکہ مومنہ سے اس کے مالک کی اجازت کے ساتھ نکاح کر لیا تو وہ بھی المحصنات کے زمرے میں آ گئی جیسا کہ قرآن کریم میں تصریح ہے۔ اور الا ما ملکت ایمانکم سے مراد کفار سے جنگ میں گرفتار ہونے والی وہ عورتیں ہیں جو مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی ہوں جس کے حصہ میں ایسی عورت آ جائے اس کا مالک بن جاتا ہے اور اسے بدون نکاح اس سے مباشرت کرنے کا حق ہے خواہ وہ اپنی قوم میں شادی شدہ رہی ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ شادی شدہ ہو تو خواہ اس کا وہ کافر شوہر اپنے یہاں زندہ موجود ہو یا مر گیا ہو۔ بہر کیف اس سے اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ پس الا ما ملکت ایمانکم سے مراد اہل کفر میں سے وہ شوہر دار عورتیں ہیں جو جنگ میں گرفتار ہو کر مجاہدین کے حصے میں آ جائیں۔ اس ارشاد کی یہ ہی تفسیر ہے اور یہ ہی صحیح ہے۔ حضرت انس کی طرف بخاری نے جو تفسیر منسوب کی ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ مزید وضاحت یہ ہے کہ حق مباشرت ملنے کے اللہ نے دو سبب مقرر کیے ہیں نکاح اور ملک یمین مگر نکاح زیادہ قوی سبب ہے۔ نکاح سے حاصل ہونے والا حق مباشرت کسی مرد کو حاصل ہو تو ملک یمین سے حاصل ہونے والا حق مباشرت باطل ہو جاتا ہے۔ مثلاً زید نے اپنی مملوکہ کا بکر سے نکاح کر دیا تو زید کو مالک ہونے کی وجہ سے جو حق مباشرت حاصل تھا باطل ہو گیا اب یہ حق صرف بکر کو ہے پس اگر زید اپنی اس مملوکہ کو جو بکر کی منکوحہ ہے عبداللہ نامی شخص کے ہاتھ فروخت کر دے تو عبداللہ کو اس سے مباشرت کرنے کا حق نہیں ہے وہ تو اس کے شوہر بکر کے لیے مختص ہے۔ دوسری ضروری اور اہم بات یہ سمجھ لیجئے کہ

حق مباشرت خواہ نکاح سے حاصل ہو یا ملک یمین سے بہر حال جسے یہ حق حاصل ہوا ہو وہ خود تو اس سے متمتع ہو سکتا ہے لیکن اس حق کا مالک نہیں ہوتا۔ اس لیے بطور عاریت یا بطور اجارہ وہ کسی کو یہ حق نہیں دے سکتا۔ کسی شوہر کو جائز نہیں کہ دیوث بنے اور اپنی بیوی سے کسی اور کو مباشرت کرنے دے۔ نہ کسی مالک کو جائز ہے کہ کسی کو اپنی مملوکہ سے مباشرت کرنے دے پس جب مالک اپنی مملوکہ کا کسی سے نکاح کر دے تو وہ اسے حق مباشرت عطا نہیں کرتا کیونکہ وہ اس حق کا مالک نہ تھا۔ البتہ نکاح کی وجہ سے اس مملوکہ کے شوہر کو اللہ کی طرف سے حق مباشرت ملتا ہے۔ پس جب کہ آقا جس نے اپنی مملوکہ کا نکاح کر کے خود کو حق مباشرت سے محروم کر لیا ہے اس حق کو واپس لینے کا حق نہیں رکھتا کیونکہ اللہ نے اسے اس حق کا مالک نہیں بنایا تھا۔ نکاح کی وجہ سے اس کا حق باطل ہو چکا ہے۔ تو اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت انس کی طرف منسوب اس فتوی کی جو بنیاد ہے وہی باطل ہے۔ اس فتوی کی بنیاد تو یہی ہے کہ آقا کے متعلق سمجھا گیا ہے کہ وہ اپنی مملوکہ سے مباشرت کرنے کے حق کا مالک ہے اور اس نے مملوکہ کا نکاح کر کے اپنا حق مباشرت اس کے شوہر کو دے دیا ہے۔ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ کوئی انسان حق مباشرت نہیں دے سکتا کیونکہ کوئی انسان اس کا مالک ہی نہیں ہوتا نہ آقا نہ شوہر نہ خود عورت۔ حق مباشرت تو اللہ کی طرف سے ملنے والی چیز ہے۔

امام بخاری فقیہ نہ تھے اور فقہائے کرام کی باتوں کو سمجھنے سے بھی بسا اوقات قاصر رہتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت انس سے یہ فتویٰ ابومجلز لاحق بن حمید نے اور اس سے سلیمان تیمی نے روایت کیا تھا۔ اگر ابن حجر کی یہ بات صحیح ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ فتوی خود ابومجلز کی عقل نارسا کا جنا ہوا ہے۔ حضرت انس کی طرف اس نے اس کی نسبت غلط کر دی تھی اور اس سے بڑھ کر غلطی بخاری نے کی ہے کہ جزم و یقین کے ساتھ اسے حضرت انس کا قول بتا دیا ہے۔

(۱۲۱) جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے نجات پانے والے آخری شخص کے متعلق حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنی عثمان بن ابی شیبه ثنا جریر عن منصور عن عن ابراهیم عبیده عن عبد الله قال النبی ﷺ انی لا علم آخر اهل النار خروجا منها و آخر اهل الجنة دخولا، رجل یخرج من النار حبواً فیقول: الله اذهب فادخل الجنة فیأتیها فیخیل الیه انها ملأی فیرجع فیقول: یارب وجدتها ملأی فیقول: اذهب فادخل الجنة فیخیل الیه انها ملأی فیرجع فیقول: یا رب وجدتها ملأی. فیقول اذهب فادخل الجنة فیخیل الیه انها ملأی فیرجع فیقول یارب وجدتها ملأی. فیقول اذهب فادخل الجنة فان لک مثل الدنیا و عشرة امثالها او ان لک مثل عشر امثال الدنیا. فیقول تسخرمنی او تضحک منی و انت الملک فلقدر رأیت رسول الله ﷺ ضحک حتی بدت نواجذه.

(صحیح بخاری ص ۹۷۲ آخر کتاب الرقاق)

مجھ سے بیان کیا عثمان بن ابی شیبہ نے کہ ہم سے بیان کیا جریر بن عبدالحمید نے منصور بن معتمر سے روایت کر کے اس نے ابراہیم نخعی سے اس نے عبیدہ بن عمرو سلمانی سے اس نے عبد اللہ بن مسعود سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں سب سے آخر میں جہنم سے نجات پانے اور سب سے آخر میں داخل جنت ہونے والے شخص کو جانتا ہوں۔ وہ ایک شخص ہوگا جو جہنم سے سرین کے بل گھسٹتا ہوا نکلے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا۔ وہ اندر جائے گا تو محسوس کرے گا کہ مکینوں سے بھری ہوئی ہے۔ واپس آ کر عرض کرے گا اے رب وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ فرمائے گا جا جنت کے اندر جا۔ وہ واپس آ کر پھر وہی عرض کرے گا۔ تین بار ایسا ہی

ہوگا چوتھی بار اللہ اس سے فرمائے گا جنت کے اندر پہنچ تو سہی تجھے دنیا سے دس گنی زاید نعمتیں اور کشادگیاں ملیں گی۔ وہ کہے گا اے رب تو بادشاہ ہو کر مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔ ابن مسعود نے کہا کہ یہ ذکر فرما کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔ یہ حدیث اسی اسناد کے ساتھ صحیح مسلم وسنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔

(صحیح مسلم ۱ ص ۱۰۵ کتاب الایمان احادیث الشفاعة طبع هند۔ اواخر سنن ابن ماجه ص۳۳۲ طبع هند)

جریر کی طرح اسرائیل بن یونس وشیبان بن عبدالرحمٰن نے بھی منصور سے یہ حدیث روایت کی ہے اسرائیل کی روایت صحیح بخاری میں ہے (ص ۱۱۱۹ کتاب التوحید باب کلام الرب مع الانبیاء وغیرہم اور شیبان کی مسند احمد میں (ج ۱ ص ۴۶۰) اور منصور کی طرح اعمش نے بھی ابراہیم نخعی سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا:—

اتذکر الزمان الذی کنت فیه؟ فیقول نعم ، فیقال له تمن فیتمنی فیقال له لک الذی تمنیت و عشرة اضعاف الدنیا. فیقول اتسخر بی و انت الملک.

(صحیح مسلم ۱ ص ۱۰۵ ، سنن ترمذی ابواب صفة جهنم)

سوال یہ ہے کہ وہ شخص جو سرین کے بل جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا کیا خود کوشش کر کے نکل آئے گا یا اللہ کے حکم سے فرشتے اسے نکالیں گے۔ پہلی صورت تو ہو نہیں سکتی دوسری ہوگی تو فرشتے اسے اس انداز سے کیوں نکالیں گے۔ پھر جہنم سے نکل آنے کے بعد کیا وہ ایسے ہی سرین کے بل گھسٹتا ہوا جنت کی طرف روانہ ہوگا۔ جنت وجہنم کے درمیان تو بہت ہی فاصلہ ہوگا۔ پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا۔ معقول بات تو یہ ہوتی کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جنت میں لے جاؤ اور فلاں محل میں اسے جا اتار دو۔۔۔ اس میں مذکور ہے کہ وہ تین بار جنت کو بھری ہوئی محسوس کر کے واپس جا کر حق تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ جنت میں تو جگہ ہی نہیں ہے وہ تو بھری ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ جنت سے باہر کہاں تشریف

فرماہوں گے۔ مجھے تو شروع سے آخر تک یہ حدیث عبیدہ بن عمرو سلمانی کی گپ شپ ہی معلوم ہوتی ہے۔ تابعی ہونے کی وجہ سے اسے ثقہ سمجھا گیا ہے لیکن اسے باطل اور بے سروپا روایات بیان کرنے کا شوق تھا۔ سورۃ البقرہ میں جو مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا ارشاد فرمایا تھا تو اس گائے کے متعلق نہایت نامعقول قطعاً جھوٹا اور بے ہودہ قصہ گھڑ کر روایت کرنے کا جرم اسی شخص نے کیا تھا۔ ایسے ہی یہ حدیث بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے۔

(۱۲۲) غزوہ تبوک میں حضرت علی کے استخلاف کی حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا مسدد ثنا یحییٰ عن شعبة عن الحکم عن مصعب بن سعد عن ابیه ان رسول الله ﷺ خرج الی تبوک و استخلف علیا فقال اتخلفني في الصبيان و النساء؟ قال الا ترضى ان تكون مني بمنزلة هارون من موسى الا انه ليس بعدي نبي.

(صحیح بخاری ص ۶۳۳ ، کتاب المغازی غزوہ تبوک)

ہم سے مسدد نے بیان کیا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا شعبہ سے روایت کر کے اس نے حکم بن عتیبہ سے اس نے مصعب بن سعد سے اس نے اپنے والد سعد بن ابی وقاصؓ سے کہ نبی ﷺ نے مدینہ سے تبوک کے لیے روانگی کے وقت علی سے پیچھے رہ جانے یعنی مدینہ میں ہی رہ جانے کو کہا (کہ تم بچوں اور عورتوں کی نگہداشت کرنا) علی نے کہا کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں؟ فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ مجھ سے اس مرتبہ میں رہو جس مرتبہ میں ہارون موسیٰ سے تھے؟ مگر یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

یحییٰ بن سعید قطان کی طرح محمد بن جعفر غفور و معاذ عنبری و ابو داؤد طیالسی نے بھی شعبہ سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے۔ ان تینوں کی روایت میں ہے "وخلف علیا" یعنی

رسول اللہ ﷺ نے علی کو سفر میں ساتھ نہ لیا مدینہ میں ہی رہنے کا حکم دیا۔ خلف کے معنی ہیں پیچھے چھوڑا۔ غندر کی روایت صحیح مسلم و مسند احمد میں ہے۔

(مسند اص ۱۸۱ صحیح مسلم کتاب الفضائل فضائل علی)

معاذ کی روایت بھی صحیح مسلم میں ہے۔ ابوداؤد کی مسند ابی داؤد طیالسی میں مگر یحییٰ بن سعید کی روایت میں جس کی تخریج بخاری نے کی ہے خلف کی بجائے استخلف علیا ہے (یعنی قائم مقام بنایا) یہ روایت بھی غلط ہے اور واقعۃً بھی غلط ہے۔ شعبہ نے تو اس حدیث میں خلف کہا تھا۔ بخاری یا ان کے شیخ مسدد یا اس کے شیخ یحییٰ بن سعید نے اس کی بجائے استخلف غلط کہہ دیا ہے یہ تو روایت کے لحاظ سے غلطی تھی۔ اور واقعہ کے لحاظ سے یہ لفظ یوں غلط ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام اور نائب بنایا تھا۔ عام اہل مدینہ کی دیکھ بھال اور نمازوں کی امامت ان ہی کے سپرد فرمائی تھی۔ وہ بڑے بیدار مغز ہوشیار اور جری و دلیر صحابی تھے۔ اندیشہ تھا کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی منافقین آپ کے بعد کوئی فتنہ برپا کریں تو محمد بن مسلمہ انصاریؓ اسے بہتر طریق سے فرد کر سکتے تھے۔ اس موقع پر علی بن ابی طالبؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔ بلکہ اور کسی موقع پر بھی انہیں یہ اعزاز نہیں دیا گیا۔ اسی لیے میں نے بخاری کی راویت میں یہ توجیہ کی ہے کہ استخلف کطلب منه ان لا یذهب معه ویقیم بالمدینة کے معنی میں ہے تاکہ یہ روایت شعبہ کے دیگر تلامذہ کی راویت اور واقعہ کے مطابق ہو جائے۔

شعبہ نے حکم بن عتیبہ کے علاوہ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس میں لفظاً تبوک کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تخریج بھی بخاری نے کی ہے۔ کہا ہے:

> حدثنی محمد بن بشار ثنا شعبه عن سعد بن ابراهیم قال سمعت ابراهیم بن سعد عن ابیه (سعد بن ابی وقاص) قال قال النبی ﷺ لعلی اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی.

(صحیح بخاری ص ۵۱۶، کتاب المناقب)

ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن کے ماموں تھے۔ ابراہیم بن عبد الرحمٰن کی بیوی حضرت سعد بن ابی وقاص کی بیٹی اور مصعب بن سعد وابراہیم بن سعد وغیرہما کی بہن تھی۔ یہ حدیث سنن ابن ماجہ وصحیح مسلم ومسند احمد میں بھی ہے۔

(مقدمہ سنن ابن ماجہ۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل، مسند اص ۱۷۵)

پس شعبہ کو رسول اللہ ﷺ کا حضرت علی سے یہ فرمانا الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی دو شخصوں سے معلوم ہوا تھا۔ حکم بن عتیب کوفی سے اور سعد بن ابراہیم کوفی سے۔ حکم نے اس کے بعد الا انه لا نبی بعدی ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات غزوہ تبوک کے لیے روانگی کے موقع پر حضرت علی کو تسلی دینے کی غرض سے کہی تھی کیونکہ علی مرد میدان تھے سفر جہاد میں آپ کے ساتھ جانا چاہتے تھے مگر آپ نے حضرت فاطمہ اور ان کے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کے لیے علی کا مدینہ میں ہی رہنا ضروری سمجھا تھی جیسے غزوہ بدر میں حضرت عثمانؓ کو اپنی بیٹی اور ان کی بیوی رقیہؓ کی دیکھ بھال اور تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی چھوڑا تھا۔ مگر نہ غزوہ بدر کے بدر کے موقع پر آپ نے حضرت عثمان کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا تھا نہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی کو۔ سوال یہ ہے کہ پھر آپ کا حضرت علی سے اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لیس بعدی نبی کہنا کیا معنی رکھتا تھا؟ اگر آپ نے اس موقع پر علی کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا ہوتا تو یہ فرمانا بجا ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تورات لانے کے لیے مناجات گاہ طور پر تشریف لے گئے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اہل وعیال کی نگرانی کے لیے نہیں بلکہ تمام بنی اسرائیل پر اپنا نائب بنایا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے تو غزوہ تبوک کے موقع پر محمد بن مسلمہ انصاری مدینہ میں اپنا نائب بنایا تھا لہٰذا وہی بمنزلہ ہارون من موسیٰ کے مصداق تھے نہ کہ علی۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ حکم بن عتیبہ نے غلط کہا تھا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ نے علی سے یہ کہا تھا۔ ''اما ترضی الخ، یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی بیان کی ہوئی اور رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی نہیں ہے۔ اس کے

غلط ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ تمام اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے بعد نبی نہیں ہوئے تھے۔ وہ تو شروع سے ہی حضرت موسیٰ کے معاون نبی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال پہلے میدان تیہ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ پھر اس حدیث میں جس کی تخریج بخاری نے کی ہے رسول اللہ ﷺ کا **الا انه لیس بعدی نبی** فرمانا کیسے درست ہوسکتا ہے حکم بن عتیبہ کوئی رافضی تو نہ تھا لیکن شیعی ضرور تھا۔ شیعی ہونے کی وجہ سے ہی اس نے یہ غلط حدیث نقل کی تھی جو کسی شیعی کی ہی گھڑی ہوئی ہے۔ رہی شعبہ کی سعد بن ابراہیم سے روایت کی ہوئی حدیث جس کی تخریج بخاری نے کتاب المناقب میں کی ہے تو اگرچہ اس میں لفظاً تبوک کا ذکر نہیں ہے بس اطلاق کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا تھا" **اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی**" مگر لفظ اما ترضی بتا رہا ہے کہ آپ نے علی کو تسلی دینے کی غرض سے یہ بات کہی تھی اور ظاہر ہے کہ تسلی دینے کا موقع غزوہ تبوک کے لیے روانگی کا ہی وقت تھا۔ پس جو کلام حکم کی روایت میں ہے وہی سعد بن ابراہیم کی روایت میں ہے۔ بہر طریق یہ حدیث باطل اور اہل تشیع کی گھڑی ہوئی ہے۔ حضرت سعد کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ بخاری نے اس غلط حدیث کو درج صحیح کرتے ہوئے اس حقیقت واقعہ کو نظر انداز کر دیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جب مفسدین کی سعی وکوشش سے اہل مدینہ نے حضرت علی سے بیعت کی تو عبد اللہ بن عمر و اسامہ بن زید وغیرہما کی طرح سعد بن ابی وقاص بھی علی سے بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے جب حسن بن علی و معاویہ میں صلح ہوگئی تو سعد بن ابی وقاص نے بغیر کسی تردد کے حضرت معاویہ سے بیعت کر لی۔ اور حضرت عمر کے بعد بوقت انتخاب حضرت سعد نے علی کی بجائے عثمان کے حق میں اپنی رائے دی تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ سے علی کے متعلق **اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی** سنا ہوتا تو بوقت انتخاب عثمان کی بجائے علی کے حق میں رائے دیتے اور حضرت عثمان کے بعد علی سے بیعت کر لینے سے باز نہ رہتے۔ صحیح مسلم میں سعید بن مسیب اور بکیر بن مسمار کے طریق سے بھی یہ حدیث سعد مروی ہے جو قطعاً موضوع ہے اس پر مفصل کلام "صحیح مسلم کا مطالعہ" نامی کتاب میں ہوگا۔ ان شاء اللہ!

خاتمہ

بحمد للہ "صحیح بخاری کا مطالعہ" جزء اول پورا ہو گیا۔ اس میں صرف وہ حدیثیں زیر بحث آئی ہیں جنہیں درج صحیح کرنے میں امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے میری نظر میں کلی چوک ہوئی ہے۔ کئی سال پہلے اس کی قسط اول شائع ہوئی تھی جس میں صرف تین حدیثیں مذکور تھیں۔ یہ دوسری قسط ہے۔ اس میں بقیہ حدیثیں آ گئی ہیں۔ اسے پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ خلش ضرور پیدا ہوگی کہ صحیح بخاری بڑی معروف و مستند اور مقبول عام کتاب ہے۔ جب سے یہ کتاب معرض وجود میں آئی ہے ہر دور میں ہزاروں اہل علم اسے پڑھنے میں مصروف چلے آ رہے ہیں۔ خاص ہندوستان میں ہی ہر سال ہزاروں کی تعداد میں طلبہ علم مدارس دینیہ میں صحیح بخاری پڑھنے سننے کا شرف حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوتے اور سند و دستار فضیلت پاتے ہیں بلند پایہ علمائے کرام کے جم غفیر نے یکے بعد دیگرے اس کی مبسوط شرحیں لکھی ہیں۔ لیکن کسی شارح کسی محشی اور کسی مستند عالم نے یہ کہنے کی جسارت نہیں کی کہ اس اصح الکتاب بعد کتاب اللہ میں بے سروپا اور باطل حدیثیں بھی ہیں۔ جو بات متقدمین و متاخرین علمائے عظام میں سے کسی پر نہیں کھلی وہ اس کس مپرس شخص شبیر احمد ازہر میرٹھی پر کیسے کھل گئی؟

لیکن درج ذیل حقائق کو سمجھ لینے کے بعد انشاء اللہ خلش دور ہو سکتی ہے۔

(۱) مشہور ہے کہ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے یہ حدیثیں منتخب کی تھیں جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں۔ مکررات کے ساتھ ان کی گنتی سات ہزار دو سو چھتر ہے۔ مکررات کو حذف کر دیجئے تو تقریباً چار ہزار حدیثیں ہیں۔ صحیح بخاری کی تالیف سولہ سال میں ہوئی۔ چھ لاکھ حدیثوں کے عظیم انبار میں سے یہ انتخاب کر کے اور یہ کتاب لکھ کر جس میں بس وہ حدیثیں مذکور ہیں جو بخاری کے نزدیک صحیح تھیں۔ یعنی ان کی اسناد متصل تھی۔ رواۃ سب ثقہ تھے اور وہ شذوذ و علت سے خالی تھیں۔ امام بخاری نے یہ شدید و شاق محنت کر کے گویا خزف ریزے چھانٹ کر موتی نکالے تھے اور علم و تحقیق کی بلند و پایہ مثال قائم فرما دی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک فرد کی کوشش و

محنت تھی آنے والے اہل علم ونظر کو بخاری کی اس مثال سے فائدہ اٹھانا اور علم وتحقیق کے کام کو اسی نہج سے آگے بڑھانا چاہیے تھا۔ اور سوچنا چاہیے تھا کہ ہوسکتا ہے کہ صحیح بخاری میں درج کی ہوئی کسی حدیث کو بخاری نے متصل السند گمان کرلیا ہو اور فی الواقع وہ منقطع یا مرسل ہو، متصل السند نہ ہو۔ اور ممکن ہے کہ بخاری نے کسی روای کو ثقہ سمجھ لیا ہو اور فی الواقع وہ ثقہ نہ ہو اور ممکن ہے کہ متن حدیث میں واقع کسی لفظ کو بخاری نے محفوظ قرار دیا ہو حالانکہ فی الواقع وہ شاذ ہو یا بخاری کے علم و نظر میں وہ علت قادحہ نہ آئی ہو جو فی الواقع اس میں پڑی ہوئی ہے اور اس حدیث کو باطل قرار دے رہی ہے۔ میں نے جب صحیح بخاری کی ایک ایک حدیث کو پرکھا۔ تو یہ احتمالات واقعات ثابت ہوئے۔ ٹھیک ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے اول سے آخر تک صحیح بخاری کی ہر حدیث کو اس انداز سے نہیں پڑھا۔ اسی لیے کوئی صاحب نظر ان اغلاط سے واقف بھی نہیں ہوا جن سے میں واقف ہوا ہوں۔ دیگر اہل علم نے بھی اس کی ہر حدیث کو پرکھا ہوتا تو کیا عجب تھا کہ ان کے علم میں اور زیادہ غلطیاں آجائیں۔ عموماً اہل علم ونظر کو صحیح بخاری کی حدیثوں کو پرکھنے سے تین وجوہ نے روکا ہے۔

اول: یہ کہ کسی نے اس کے متعلق یہ مبالغہ آمیز بات کہہ دی تھی کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔ ایسی ہی مبالغہ آمیز بات پہلے امام مالک کی موطا کے متعلق کہی گئی تھی مگر صحیح بخاری کے متعلق کہی گئی بات زیادہ پھیل گئی۔ بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنفین نے اسے خوب ہوا دی۔ مزید زوردار بنا کر یہ ہی بات یوں کہی گئی ماتحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب البخاری۔ ایک مستند محدث عالم سے خود میں نے سنا تھا کہ فلاں بزرگ مرتبہ عالم نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح بخاری کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ میں خوب جانتا تھا کہ ان صاحب نے اس بزرگ مرتبہ عالم کو کبھی نہیں دیکھا۔ الغرض یہ مبالغہ آمیز جملہ نہ صرف پڑھے لکھے بلکہ تمام دیندار مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے اور تو اور علماء کے تصور میں بھی نہیں آتا کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسی بھی حدیث ہوسکتی ہے جس کی صحت میں کلام کرنے کی گنجائش ہو۔ کسی حدیث کے متعلق یہ معلوم ہوجائے کہ وہ صحیح بخاری میں ہے علی الفور اس کی صحت کا یقین کرلیا جاتا ہے۔

(۲) اسی کا یہ برا نتیجہ نکلا ہے کہ صدیوں سے صحیح بخاری کو رحمت و برکت کے حصول اور دعاؤں کی پذیرائی کا تیر بہدف ذریعہ اور نقد و نظر سے بالاتر مقدس کتاب مانا جاتا ہے مشکل مقدمات میں کامیابی اور مایوس العلاج بیمار کی شفایابی کی غرض سے ختم صحیح بخاری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۳) صحیح بخاری کی حدیثوں کے معنی و مطلب سے خود علماء کرام کے بے توجہی کا حال بھی بڑا ماتم انگیز ہے۔ ہندوستان کے بہت سے دینی عربی مدارس میں منتہی طلبہ کو صحیح بخاری پڑھائی جاتی ہے۔ مگر کیسے؟ پڑھنے والے طلبہ پڑھتے ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب سنتے ہیں۔ معنی تو دور کی چیز ہے۔ پڑھنے والا عموماً آدھی سطر بھی صحیح نہیں پڑھتا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ یہ منصرف کو غیر منصرف۔ مرفوع کو مجرور اور مجرور کو منصوب کیوں پڑھ رہا ہے۔ ہاں دھوم دھام سے جلسہ ختم بخاری ضرور منعقد کیا جاتا ہے جس میں کوئی مشہور مقرر صحیح بخاری کی آخری حدیث کے متعلق وعظ فرما دیتا ہے۔

(۴) خود امام بخاری کے حفظ و ضبط کی اعجازی قوت اور تیقظ کے متعلق بھی تذکرہ نویسوں نے افراط و غلو میں گندھی ہوئی حکایتیں وضع کر ڈالی ہیں جو صحیح بخاری کی دراست کے آغاز میں طلبہ کو سنائی جاتی ہیں۔ حالانکہ خود صحیح بخاری کی شہادت یہ ہے کہ اس لحاظ سے امام بخاری کوئی غیر معمولی شخص نہ تھے۔ وہ ایک ثقہ محدث تھے۔ اور دیگر ثقہ محدثین کی طرح بخاری کے یہاں بھی بھول چوک اور قصور بیان و غلط فہی کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ الغرض امام بخاری صحیح بخاری کے متعلق پھیلائی ہوئی مبالغہ آرائیوں کی وجہ سے عرب و عجم کے اہل علم و نظر صحیح ڈھنگ سے صحیح بخاری کا مطالعہ کرنے سے قاصر رہے اور ابواب و تراجم کی عقدہ کشائی اور ابواب کے تحت ذکر کی ہوئی حدیثوں اور ابواب کے درمیان وجوہ مطابق تلاش کرنے میں ہی سر کھپاتے رہے۔

اس کے بعد اللہ کو منظور ہوا تو ناظرین کے ہاتھوں میں ''صحیح بخاری کا مطالعہ حصہ دوم'' پہنچے گا جس میں وہ حدیثیں مذکور ہیں جن میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے جزوی غلطیاں ہوئی ہیں وہ حدیثیں فی الواقع صحیح ہیں۔ بحمد للہ اس حصہ دوم کی تسوید بھی ہو چکی ہے۔

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین